

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر مکرم جناب مولانا مفتی مختار الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کی تالیف ”ذکر اللہ کے فضائل و مسائل“ نظر نواز ہوئی۔ آج کل مطالعے کی تو اکثر حدت ہی رہتی ہے، لیکن فہرست مضامین پر نظر ڈالنے اور باقی کتاب کی ورق گردانی سے اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ اپنے موضوع پر بہت جامع کتاب ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قارئین کے حق میں مانع بنائیں۔ اور اپنی قبولیت سے نوازیں۔ آمین ثم آمین۔ والسلام

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۶ شوال المکرم ۱۴۲۸ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مولانا سید مفتی مختار الدین صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”ذکر اللہ کے فضائل و مسائل“ دیکھ کر پر لطف پائی۔ بعض حضرات فقہی لحاظ سے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر مختلف حیلوں اور تاویلوں سے مجالس ذکر کی مخالفت کرتے ہیں۔ ایک موقوف روایت کی وجہ سے تمام احادیث مرفوعہ صحیحہ میں تاویل کر کے اکابرین امت کے تعامل کو رد کرنا انتہائی نامناسب سی بات ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ کریم اس کتاب کو قبولیت عطا کر کے پوری امت کی اصلاح کا ذریعہ بنادے۔ آمین ثم آمین۔

حمید اللہ جان

خادم الحدیث والا فتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ العالی

(نواسہ حضرت شیخ الحدیث وداد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مخدوم العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ پر ایک لطیفہ غیبی کے مانند آخر حیات میں اس چیز کا داعیہ اور تقاضا پیدا ہوا کہ جگہ جگہ مجالس ذکر قائم کی جائیں اور عوام و خواص بالخصوص علماء مشائخ اور دینی و علمی اداروں کو اس پر بھرپور متوجہ کیا جائے کہ وہ اپنا وقت زیادہ سے زیادہ اللہ جل شانہ و عم نوالہ کے ذکر میں گزاریں اس مبارک و اعلیٰ مقصد کے لئے حضرت نے اپنے مخصوص مہتممین یعنی خلفائے کرام کو متوجہ فرمایا۔ اور اسی مبارک محنت کے لئے دور دراز ملکوں کے سفر فرما کر وہاں مجالس ذکر قائم فرمائیں۔ الحمد للہ کہ حضرت کی فکر و محنت رنگ لائی اور اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے بہت سے مقامات پر یہ مجالس ذکر قائم ہو گئیں اور پھر ان کے خلفائے کرام نے اس کو ایک مقصد اور مشن بنا کر جگہ جگہ ذکر کے حلقے قائم کر دیئے۔ اور جس کا سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔

ہمارے حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین صاحب کر بوعہ شریف بھی ان سوارت مندرجال صالحین میں سے ہیں جن کو اپنے شیخ و مرشد کی اسی فکر و محبت میں شامل ہونے کا بھرپور موقع ملا اور انہوں نے بڑے تدبر اور فکر کے سابقہ پاکستان میں مجالس ذکر قائم فرمائیں اور سابقہ ہی سابقہ اہل علم و فضل کے لئے پیش نگاہ کتاب ”ذکر اللہ کے فضائل و مسائل“ بھی مرتب فرمائی تاکہ علی ذوق رکھنے والے اس مبارک عمل کو قرآن و سنت کی روشنی میں علی وجہ البصیرت کریں۔

اس احقر نے اپنی کم علمی اور کم مائیگی کے باوجود اس کتاب کی فہرست کو بالاستیعات اور مضامین کتاب کو جابجا سے دیکھا۔ الحمد للہ مدلل اور محققانہ کتاب پایا۔ اللہ جل شانہ کتاب اور مصنف کتاب دونوں کو قبول و مقبول فرمائے قارئین کو اس کے ذریعہ نفع ایمانی اور ثمرہ روحانی عطا فرمائے۔ اور ذکر اللہ کی لذتوں سے سرشار فرمائے۔

بندہ محمد شاہد عقولہ سہارنپوری

۲۷ شوال ۱۴۲۸ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، واعقبه للمتقين، والصلوة والسلام على سيد النبياء والمرسلين، سيندنا ومولانا محمد وعلى اله وأصحابه أجمعين.

أقابعده:

ایک مسلمان کے لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، تعلیم، تعلم، تبلیغ وغیرہ جس طرح مستقل عبادات ہیں اسی طرح ”ذکر اللہ“ بھی ایک مستقل عبادت اور رب تعالیٰ کی رضا جوئی کا ذریعہ ہے۔

قرآن و سنت اور تعلیمات سلف میں ”ذکر اللہ“ کو دوسرے عبادات کے ساتھ مستقل عبادت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

شریعت نے دوسرے عبادات کی طرح ”ذکر اللہ“ کی بھی مختلف انفرادی، اجتماعی عمل صورتیں تعلیم کی ہیں، قرن اول سے عصر حاضر تک کی اسلامی تاریخ، اسلاف کی عملی زندگی کبھی ”ذکر اللہ“ کی ترویج و اشاعت کے تذکرہ سے خالی نہیں رہی۔

افراط و تفریط کے اس دور میں جس طرح دین کے باقی شعبوں کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے اسی طرح ”ذکر اللہ“ کا عنوان بھی خود ساختہ محققین کی زد میں ہے۔

ان حالات میں یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ ”ذکر اللہ“ کے عنوان کو افراط و تفریط سے بچا کر قرآن و سنت اور تعلیمات سلف کے مسلک اعتدال کی روشنی میں جامعیت سے بیان کر دیا جائے۔ رب تعالیٰ جزائے خیر دے مخر وضا اعلم حضرت اقدس مولانا مفتی مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم کو کہ اس ضرورت پر انہوں نے قلم اٹھایا اور ”ذکر اللہ“ کے عنوان کو اتنی جامعیت سے لکھا کہ حق ادا کر دیا۔

حضرت مولانا مفتی مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم علم و عمل کے جامع، اپنے اکابر کے منظور نظر اور بچے اسلاف کے جانشین ہیں۔ عہد اللہ پختہ علمی صلاحیتوں کے ساتھ اکابر کے قرب اور مشاہداتی تجربہ نے ان کے قلم و بیان کو ماشاء اللہ کندن بنا دیا ہے۔ آپ کے مضامین اس دور میں خواص و عوام کے لئے شعل راہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے ”ذکر اللہ“ کی مختلف صورتوں اور ان کے متعلقات کو جامعیت سے بیان فرما دیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی یہ کاوش ”ذکر اللہ“ کے عنوان پر علمی مباحث کا ایسا خلاصہ ہے کہ یہ عنوان کی مجلدات میں سمٹتا مگر یہ حضرت مؤلف مدظلہ کی کرامت ہے کہ اس عظیم الشان عنوان کے جملہ مباحث کو انہوں نے ایسے انداز سے سمیٹا ہے کہ ہر ایک اس سے مستفیض ہو سکتا ہے۔

ضرورت یہ کہ اس کتاب کو مساجد، مدارس، خانقاؤں عوام و خواص کے حلقوں میں دینی نصاب کا حصہ بناتے

ہوں سنایا جائے اور تعلیم کرایا جائے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت اور مدجیت صورتوں کی عملی تعلیم اور ایک مسلمان کی پورے دین پر عملی تربیت کے لئے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے اس ”تحریک ایمان و تقویٰ“ کے نام سے مستقل نظم کر بوعہ شریف ضلع کوہاٹ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی اس عظیم دنیا خدمت کو مزید شرف قبولیت بخشے ہوئے مقبول فرمانے اور ہم سیاہ کاروں کو دارین میں آپ کی سرپرستی نصیب فرمائے۔ امین یا رب العالمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

احقر

۲۸ شوال ۱۴۲۸ھ

۱۰ نومبر ۲۰۰۷ء

☆☆☆☆☆☆



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبی بعده وعلى آله وأصحابه اجمعين  
أما بعد:

کہ حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب کربوعہ شریف جو کہ ہمارے شیخ قطب الاقطاب برکتہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی الصدیقی قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ مجاز ہیں نے ”ذکر اللہ کے مسائل و فضائل“ کتاب تحریر فرمائی اور اس سیاہ کار سے فرمایا کہ بطور تقریظ اس پر کچھ تحریر فرمائی اور اس سیاہ کار سے فرمایا کہ بطور تقریظ اس پر کچھ تحریریں کر دوں یہ سیاہ کار جو کہ ہر لحاظ سے ناقص ہے کیا لکھنا مگر حضرت اقدس مفتی صاحب کا اصرار ہدا تو یہ چند سطور تحریر کر رہا ہے کہ حضرت مفتی سید مختار الدین صاحب جو کہ باقاعدہ مستند مفتی ہیں۔ اور جامع شریعت و طریقت ہیں اور کتاب دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ انتہائی آج کل جبکہ خواہشات واحد اء کا زور اور غلبہ ہے اور مادیت پرستی چھائی ہوئی ہے ذکر اللہ کے پھیلانے کی جتنی ضرورت ہے وہ ہر عقلمند و دیندار شخص جانتا ہے۔ مگر ہر زمانے میں فتنے بھی ہوتے ہیں جس کے دفعیہ کے لئے علماء حق نے ہمیشہ مؤثر جدوجہد کی ہے۔ اسی سلسلہ میں چونکہ بعض طرف سے علمی طور پر ذکر اللہ اور مجالس ذکر جہری پر خصوصاً اشکالات اٹھائے گئے تو ان کا علمی طور پر مؤثر جواب آنا ضروری تھا۔

ماشاء اللہ حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین صاحب کی اس کتاب میں مثبت اور تحقیقی انداز میں تمام امباحث کو قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے اور اپنے اکابر علماء اولیاء اصل السنۃ والجماعۃ دیوبند کے ارشادات و ملفوظات مبارکہ سے بہت احسن انداز سے واضح طور پر ثابت کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ بغیر کسی طعن و تشنیع کے مقررین کے جہاں جہاں اشکالات ہیں وہیں ان کا بہت محققانہ انداز میں اور محبت بھرے اسلوب میں شافی جواب دے کر اشکال کو رفع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مفتی صاحب مدظل العالی کو اپنی شایان شان جزاء خیر عطا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب جیسے محقق عالم مفتی جامع و شریعت و طریقت اور اصلاحی میدان میں مدت دراز کا تجربہ رکھنے کی بناء پر ان کا تحریر کردہ ہر مضمون فی نفسہ خود جہت بالغہ تھا۔ مگر ان کے ارشاد فرمانے کی بناء پر اس سیاہ کار نے

اپنی سعادت جان کر یہ چند سطور اس مبارک کتاب پر تحریر کیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے اور قبولیت سے سرفراز فرما کر اپنی مخلوق کے لئے مفید بنائے اور ذکر اللہ و مجالس ذکر کے شیوع کا ذریعہ بنا کر اپنی رضا و خوشنودی کا ذریعہ بنائے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و سید رسلہ و خاتم انبیاء سیدنا و جبینا و قرۃ أعیننا و نبینا و مولانا محمد النبی الامی الکریم و علی اکرو اصحابہ و ازواجہ و اتباعہ اجمعین و بارک و سلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

کتبہ الفقیر الی رحمۃ ربہ اکرم

عبد الحفیظ الہکی

یوم الاحد ۲۹ شوال ۱۴۲۸ھ

☆☆☆

☆☆☆

شمار نمبر	تفصیل عنوانات
1	مقدمہ کتاب
2	ذکر الہی کا بیان
3	ذکر الہی کا بیان اور قوت و محبت کا اصل مصرف
4	محبت کا ابتدائی اور کامل درجہ
5	محبت کس کے ساتھ کی جائے؟
6	حب الہی کیسے پیدا کی جائے؟
7	ذکر الہی کیا ہوتا ہے؟
8	ذکر الہی کائنات اور اعمال شریعہ کی روح ہے
9	یاد حق کی شکلیں اور اسکی صورتیں
10	انسان ذکر اللہ کی ان تمام صورتوں اور شکلوں کی ادائیگی کا مکلف ہے
11	اطاعت الہی سے اعراض کرنے والے ذکر نہیں بلکہ کافر ہیں
12	جو لوگ احکام الہی میں کوتاہی کرتے ہیں وہ بھی حقیقی ذکر اور صوفی نہیں ہیں
13	ذکر اللہ زندگی کی بنیادی ضرورت اور دین اسلام کا اصل مقصد اور مغز ہے
14	فضائل ذکر
15	فضائل ذکر کے بارے میں قرآن مجید کی آیات
16	اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات پر صحیح طور پر عمل کب ہو سکتا ہے
17	ایک سخت تنبیہ
18	ذکر کی عظیم فضیلت
19	عقلمند لوگ کون ہیں؟
20	یاد الہی ہر حال میں مطلوب ہے
21	کائنات میں غور و فکر
22	نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع کون کر سکتا ہے
23	مومن کی صفات اور دین اسلام کا منبع اور اس کا محافظ یاد الہی ہے
24	اسلام اور ایمان
25	قنوت

صفحہ نمبر	تفصیل عنوانات
1	مقدمہ کتاب
4	محبت کا ابتدائی اور کامل درجہ
4	محبت کس کے ساتھ کی جائے؟
5	حب الہی کیسے پیدا کی جائے؟
6	ذکر الہی کیا ہوتا ہے؟
6	ذکر الہی کائنات اور اعمال شریعہ کی روح ہے
10	یاد حق کی شکلیں اور اسکی صورتیں
11	انسان ذکر اللہ کی ان تمام صورتوں اور شکلوں کی ادائیگی کا مکلف ہے
11	اطاعت الہی سے اعراض کرنے والے ذکر نہیں بلکہ کافر ہیں
12	جو لوگ احکام الہی میں کوتاہی کرتے ہیں وہ بھی حقیقی ذکر اور صوفی نہیں ہیں
13	ذکر اللہ زندگی کی بنیادی ضرورت اور دین اسلام کا اصل مقصد اور مغز ہے
13	فضائل ذکر
13	فضائل ذکر کے بارے میں قرآن مجید کی آیات
14	اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات پر صحیح طور پر عمل کب ہو سکتا ہے
14	ایک سخت تنبیہ
14	ذکر کی عظیم فضیلت
15	عقلمند لوگ کون ہیں؟
16	یاد الہی ہر حال میں مطلوب ہے
16	کائنات میں غور و فکر
16	نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع کون کر سکتا ہے
17	مومن کی صفات اور دین اسلام کا منبع اور اس کا محافظ یاد الہی ہے
17	اسلام اور ایمان
17	قنوت

54	ذکر اللہ سے غفلت کا انجام حسرت و محرومی اور دل کی قساوت
55	ذکر اللہ کے سو (100) فائدے
56	کلمات ذکر اور ان کی فضیلت و برکت
57	کلمات ذکر سو سو بار پڑھنے کی فضیلت
58	تسبیحات فاطمہؓ اور کچھ دوسرے کلمات ذکر کی فضیلت
59	تسبیحات کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں اور دنیوی مجلس کا کفارہ
60	کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی خاص فضیلت
61	کلمہ توحید کی خاص عظمت و برکت
62	لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کی خاص فضیلت
63	اسمائے حسنیٰ کا ذکر
64	اسمائے حسنیٰ کے ذکر کی اہمیت
65	اسم ذات اور اسمائے حسنیٰ کے بارے میں قرآنی آیات
66	اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لفظ ”اللہ“ بڑا ہی بابرکت ہے
67	اسمائے حسنیٰ کے بارے میں احادیث
68	اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک آدمی بھی ”اللہ اللہ“ کہنے والا موجود ہو
69	اسم ذات ”اللہ اللہ“ کا ذکر روحانی ترقی اور نور ایمان میں ترقی کیلئے بہت مفید ہے
70	اسمائے حسنیٰ کی تعداد
71	ننانوے اسماء حسنیٰ جو سب کے سب قرآن مجید میں ہیں
72	اسم اعظم
73	قرآن مجید کی تلاوت
74	قرآن مجید کی عظمت و فضیلت / قرآن کی تلاوت قلب کا صیقل
75	ماہر قرآن کا مقام
76	قرآن مجید کے سیکھے سکھانے کی فضیلت
77	قرآن مجید یاد کرنے اور اپنی اولاد کو حفظ پر لگانے کی فضیلت
78	جس شخص کو قرآن مجید کی کچھ سورتیں یا آیتیں یاد نہ ہوں اس کا دل ویران گھر کی مانند ہے
79	قرآن مجید سے تکیہ نہ لگاؤ
80	تلاوت قرآن کا اجر و ثواب
81	قرآن اور قوموں کا عروج و زوال

82	خاص خاص سورتوں اور آیتوں کی برکات
83	سُورَةُ الْكَهْفِ
84	سُورَةُ يُسُ
85	سُورَةُ الْاِنشَاءِ
86	سُورَةُ الْمُلْكِ
87	آلَمُ تَنْزِيلِ
88	مَعُوذَتَيْنِ
89	آیۃ الکرسی
90	سورة البقرة کی آخری آیتیں
91	آل عمران کی آخری آیات
92	آداب
93	ظاہری آداب
94	باطنی آداب
95	مسئلہ
96	دُعا کا بیان
97	صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں
98	ہمارا پروردگار ہماری جانوں سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے
99	اپنی فطرت اور وجدان کو ذکر و دعا سے نورانی بناؤ
100	اللہ تعالیٰ جل شانہ لازمًا بندے کی پکار کا جواب دیتے ہیں
101	اللہ تعالیٰ جل شانہ ضرور دُعا قبول فرماتے ہیں بشرطیکہ.....؟
102	دُعا کی اہمیت
103	دُعا کا مقام اور اس کی عظمت
104	دُعا کی مقبولیت اور نافعیت
105	دُعا سے متعلق ہدایات
106	دُعا میں غلطی کی ممانعت
107	حرام کھانے اور پہننے والے کی دُعا قبول نہیں
108	وہ دعائیں جن کی ممانعت ہے
109	دُعا کے چند آداب



110	دوسرے سے پہلے اپنے لئے دُعا
111	ہاتھ اٹھا کے دُعا کرنا
112	دُعا سے پہلے حمد و صلوٰۃ
113	دُعا کے آخر میں اٰمین
114	اپنے چھوٹوں سے بھی دُعا کی درخواست
115	وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں
116	قبولیت دُعا کے خاص احوال و اوقات
117	دُعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں
118	استغفار کے فضائل
119	توبہ و استغفار بلند ترین مقام
120	توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ حسنہ
121	گناہوں کی سیاہی اور توبہ و استغفار سے اس کا ازالہ
122	مرنے والوں کیلئے بہترین تحفہ استغفار
123	عام مؤمنین کیلئے استغفار
124	توبہ و استغفار کے خاص کلمات
125	سید الاستغفار
126	استغفار کی برکات
127	استغفار پوری امت کیلئے امان
128	صلوٰۃ و سلام
129	صلوٰۃ علی النبی کا مطلب اور ایک اشکال کا حل
130	صلوٰۃ و سلام کی عظمت و اہمیت
131	صلوٰۃ و سلام کے بارے میں فقہاء کے مسالک
132	درویش شریف کی امتیازی خاصیت
133	درویش و سلام کا مقصد
134	درویش و سلام کی خاص حکمت
135	احادیث میں درویش و سلام کی ترغیبات اور فضائل و برکات
136	جب نبی کریم ﷺ کا تذکرہ آئے تو درویش شریف پڑھنا چاہیے
137	درویش شریف پڑھنے والے قیامت کے روز نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہوں گے

138	نبی کریم ﷺ کو ہمارا درویش و سلام پہنچایا جاتا ہے
139	زیادہ سے زیادہ درویش شریف پڑھا کریں یہ کفایت کریگا
140	درویش شریف دُعا کی قبولیت کا وسیلہ
141	آپ ﷺ کے ذکر کے وقت بھی درود سے غفلت کر نیوالوں کی محرومی اور ہلاکت
142	جو شخص آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس درویش شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سنوا دیتا ہے
143	درویش و سلام کی حکمتیں و فوائد
144	درویش شریف سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے
145	درویش و سلام دراصل اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے
146	درویش شریف کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفا داری کی دلیل ہے
147	درویش شریف کی وجہ سے آپ ﷺ کی توجہات بڑھ جاتی ہیں
148	درویش شریف کے سبب نبی کریم ﷺ کی محبت بڑھ جاتی ہے
149	کثرت درود سے حسن اخلاق نصیب ہوتے ہیں
150	درویش شریف کے سبب سچی اتباع نصیب ہوتی ہے
151	درویش شریف نفاق کا علاج ہے
152	درویش شریف کی کثرت سے روحانی و ایمانی ترقی نصیب ہوتی ہے
153	درویش شریف کے سبب قیامت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت نصیب ہوگی
154	درویش و سلام پڑھنے والے انعامات اور اجر و ثواب کا اجمالی بیان
155	درویش شریف کے خاص کلمات
156	استدعاء ”صلوٰۃ“ کے بعد ”برکت“ مانگنے کی حکمت
157	درویش شریف میں لفظ ”آل“ کا مطلب
158	درویش شریف کا اول و آخر اللھم..... اِنَّا نَعْبُدُکَ بِحَمْدِکَ
159	حضور اقدس ﷺ سے منقول درویش شریف کے چند صیغے
160	مختصر درویش و سلام
161	نبی کریم ﷺ پر منقولہ درویش و سلام کے علاوہ خود اچھے کلمات درویش و سلام بھی تجویز کئے جاسکتے ہیں لیکن.....
162	درویش شریف کے مسائل و آداب
163	آداب
164	مسائل

## ذکر کی اقسام اور ان کے احکام

165	166	ذکر لسانی و زبانی کی اقسام
167	168	ذکر جہری کی اقسام
169	170	ذکر سری و جہری کے احکام
171	172	عام حالات میں جہر معتدل متفقہ طور پر جائز ہے
173	174	جہر اور سری کی حیثیت
175	176	جہر معتدل کا جواز اور اس کی شرائط اور منکر کا حکم
177	178	الدر المختار اور ملا علی قاریؒ کی عبارتوں کا مطلب
179	180	علامہ قاضی خان کی عبارت کا مطلب
181	182	جہر شدید کب جائز ہے
183	184	جہر شدید یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر بعض اوقات میں بالاتفاق ناجائز ہے
185	186	مساجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور فقہائے کرام
187	188	مساجد میں آواز بلند کرنے کے عدم جواز کی بنیاد
189	190	جہر شدید ضرورت کے وقت بالاتفاق جائز ہے
191	192	فتاویٰ عالمگیری کی رو سے مساجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے
193	194	علامہ کردریؒ اور ذکر جہر
195	196	علامہ ابن عابدینؒ کے نزدیک ذکر جہر
197	198	امام ابن حجر مکی شافعیؒ کے نزدیک مجالس ذکر اور ذکر جہری
199	200	علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ کی رائے میں مساجد میں ذکر جہری کی مجالس
201	202	محقق علامہ آلوسی حنفیؒ کے نزدیک ذکر جہری
203	204	علامہ سید احمد طحاوی حنفیؒ کے نزدیک ذکر جہری کی مجالس
205	206	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ذکر جہر
207	208	اکابر علماء دیوبند کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجالس
209	210	بہتان اور جھوٹے پروپیگنڈے
211	212	جہر کی حد کیا ہے؟
213	214	عصر حاضر کے جید علماء اور مفتیان کرام سے ذکر جہری کے متعلق سوال
215	216	دارالعلوم کراچی کا جواب
217	218	دارالعلوم حقایقہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ

193	194	جامعہ خیر المدارس کا فتویٰ
195	196	دارالعلوم فیصل آباد کا جواب
197	198	مدرسہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد کا جواب
199	200	جامعہ امداد العلوم پشاور
201	202	صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت
203	204	حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مسجد میں جہری دعا
205	206	مذکورہ بالا عبارتوں کا خلاصہ
207	208	جہری ذکر افضل ہے یا سری
209	210	عبادات اور سر و جہر میں افضلیت کی بنیاد
211	212	ذکر لسانی جہری کی افضلیت کے متعلق محقق علماء کا فیصلہ
213	214	ذکر خفی اور ضرب خیالی
215	216	ذکر خفی سے مراد کون سا ذکر ہے؟
217	218	ذکر خفی اور حدیث
219	220	جہاں ذکر ضروری ہے وہاں ذکر لسانی معتبر ہے نہ کہ قلبی
221	222	ذکر وتلاوت اور دُعائیں اخفاء کا مطلب
223	224	اگرچہ اخفاء سر لسانی سے حاصل ہوتا ہے لیکن.....
225	226	علماء اور فقہاء کی عبارتوں سے غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ
227	228	علماء جب کہتے ہیں کہ فلاں چیز مستحب نہیں اس میں غلط فہمی.....
229	230	جب کوئی چیز مطلقاً ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی صورت وغیرہ کو ناجائز یا بدعت کہنے والا برہان و دلیل پیش کرے گا
231	232	وہ امور جو مطلق جائز کو ناجائز یا بدعت بناتے ہیں
233	234	جائز کام جواز کی حد پر قائم رکھنا بھی ضروری ہے
235	236	کوئی کام فی نفسہ بدعت نہیں ہوتا لیکن کسی عارض یا تخصیص کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بدعت بن جاتا ہے
237	238	کیا جہر صرف اذان وغیرہ میں درست ہے؟
239	240	رفع الصوت کا مطلب
241	242	رفع الصوت حدیث اور محدثین کی اصطلاح میں
243	244	بسا اوقات اختلاف بہت کم نوعیت کا ہوتا ہے لیکن بعد والے اس کو بڑھاتے رہتے ہیں
245	246	ذوق کے اختلاف سے ذکر جہر کی افضلیت میں اختلاف



220	کسی عالم یا فقیہ کی ایک مقام پر لکھی ہوئی عبارت کو لے کر دوسرے مقام پر لکھی ہوئی عبارت کو چھوڑ دینا
221	نفل عبارت میں علماء سے تسامح ہو سکتا ہے:
222	صحابہ کرامؓ تین مقامات پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے، اس کا مطلب؟
223	جب بعض علماء کہتے ہیں کہ جہر یہ ہے کہ خود سننے اس میں غلط فہمی
224	ذکر جہر اور حدیث ”اربعوا علی انفسکم“
225	حدیث ”اربعوا“ اور محققین علماء
226	حدیث اربعوا کا خلاصہ
227	ذکر جہر کے خلاف قرآن مجید سے استدلال اور اس پر بحث
228	اُدْعُوا اَرْکُم کا مطلب کیا ہے؟
229	تَضَرُّعًا کے معنی: تَضَرُّعًا کے معنی میں جہر
230	مذکورہ بالا آیات کریمہ اور اسکے متعلقہ اقوال کا موازنہ
231	خاص حالات میں جہر مفرط کے ساتھ دُعا مانگنا بھی اعتداء میں شامل نہیں
232	(اُدْعُوا اَرْکُم) آیت کا سیاق و سباق
233	(وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ) کے متعلق چند معتد اقوال کا خلاصہ
234	”جہر“ اور ”دون الجہر“ کے معنی
235	”دون“ کے معنی
236	دون الجہر کے معنی ادنیٰ جہر نہیں اور فقہاء کی عبارتوں سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ
237	بعض مفسرین کی عبارتوں سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ
238	خلاصہ بحث آیت ”دون الجہر“: جہر شدید کیلئے ضرورت کی مثالیں
239	جہر معتدل تو قرآن وحدیث سے ثابت ہے
240	عصر حاضر کے جید علماء ومفتیان کی تحقیق
241	قرآن مجید کی آیتیں اور ذکر جہری
242	ذکر کے متعلق قرآن مجید کی مطلق آیتیں
243	قرآن مجید میں بعض آیتیں ایسی ہیں جن سے ذکر جہری صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً ثابت ہوتا ہے
244	قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جہری دُعا
245	قرآن مجید میں جہری دعا کی تعلیم
246	حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر جہر
247	دُعا وتلاوت اور ذکر جہر کے حق میں نبی کریم ﷺ کے اعمال اور ارشادات

248	جہری تلاوت
249	نبی کریم ﷺ کا تلاوت کو سننا اور رونا
250	صحابہ کرامؓ کا قرأت کرنا اور سننا
251	خوش آوازی اور جہری تلاوت کی ترغیب
252	تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کی تلاوت
253	حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قرأت اور تلاوت قرآن
254	خفیہ اور علانیہ ذکر کی ترغیب اور بندہ کے گمان کے مطابق معاملہ
255	اللہ تعالیٰ کو اس قدر یاد کرو کہ لوگ مجھ کو کہنے لگیں
256	مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانیؒ کا ذکر جہری
257	مسجد میں جہر معتدل بلکہ ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا اور نبی کریم ﷺ کا معمول
258	فرض نمازوں کے بعد جہر مستحب اور مسنون نہیں
259	نبی کریم ﷺ کے دائمی معمول کی وجہ سے کوئی چیز مسنون یا واجب ہو جاتی ہے لیکن.....
260	نذر اور سنت مؤکدہ اور شرعاً لازم عمل میں فرق
261	نبی کریم ﷺ سے جہر اُدْعَاؤ کا ثبوت
262	احلال کے لغوی معنی اور پھل بھن کا مطلب
263	کیا اسی طرح کی ساری حدیثیں تعلیم کیلئے تھیں کہ ان سے جہر ثابت نہ ہو؟
264	نوافل اور مختلف اوقات میں نبی کریم ﷺ کی بعض دُعائیں جس سے جہر ہی ثابت ہوتا ہے
265	نبی کریم ﷺ کا دوسروں کیلئے جہر اُدْعَا کرنا
266	سفر، لڑائی اور مسجد بنانے کے اوقات میں نبی کریم ﷺ کا لوگوں کے سامنے دُعائیں مانگنا، بلکہ صحابہ کرامؓ سے مل کر موزوں دُعا بار بار پڑھنا اور اکیلے میں جہری دُعائیں پڑھنا
267	نبی کریم ﷺ کی کفار و مشرکین اور ظالموں کیلئے جہر اُبد دُعائیں
268	بالکل آخر وقت میں آپ ﷺ سے جہر اُدْعَا کا ثبوت
269	نبی کریم ﷺ کا جہر اُستغفار
270	صحابہ کرامؓ کا ذکر وتلاوت اور دُعَاؤں میں جہر اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان کے جہر کی تائید
271	مسجد میں معتدل جہر کے ساتھ دُعا اور آداب دُعا کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد
272	مسجد میں جہری دُعائیں اور بلند آواز کے ساتھ تلاوت
273	صحابہ کرامؓ ذکر جہر کے بدعت ہونے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے
274	حضرت عمرؓ کا شدید جہر یعنی بلند آواز کے ساتھ دُعا



275	حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور صحابہ کرام کا ذکرِ جہری
276	بعض علماء بلا ضرورت بھی جہر مفرط غیر موذی کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں؟
277	بلند آواز کے ساتھ بلا ضرورت بھی ذکر جائز ہے بلکہ افضل ہے
278	شدید جہر کے ساتھ ذکر و تلاوت کے فضائل
279	ذکر و تلاوت سے شیاطین اور فاسق جنات بھاگ جاتے ہیں اور فرشتے آ جاتے ہیں
280	جہر شدید کے جواز و استحباب میں بھی بحث و کلام کی پوری گنجائش ہے
281	<b>مجالس ذکر اور ان کے فوائد</b>
282	شیطان مجالس ذکر سے جڑ بڑھ جاتا ہے
283	مجالس ذکر کے مراکز مساجد اور خانقاہیں ہیں
284	دشمنان اسلام کو خطرہ کس سے ہے؟
285	مجالس ذکر کو ختم کرنے کے لئے شیطانی سازشیں
286	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب روایت اور اس کی حیثیت
287	جس چیز کا جواز اور حلال ہونا ثابت ہو اس کے متعلق قرآن مجید کا اصول
288	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کس چیز پر تھا
289	:حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ذکرِ جہری
290	مجلس ذکر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
291	مجالس ذکر شیطان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں
292	اثر ابن مسعودؓ کے متعلق محققین علماء کی آراء
293	امت مسلمہ کے ساتھ خیر خواہی
294	عوام کی اکثریت مرغوبات نفس کے ساتھ ہوتی ہے
295	جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے روکے اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا
296	شیطان کا اصل ہدف لوگوں کو ذکرِ الہی سے روکنا ہے
297	انسان کیلئے حفاظت کا قلعہ
298	مجالس ذکر کو فروغ دیجئے
299	مجالس ذکر کے متعلق فقہاء اور علمائے اسلام کے اقوال اور احوال
300	حضرت حافظ ابن تیمیہؒ اور مجالس ذکر
301	حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور مجالس ذکر
302	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور مجالس ذکر

303	حضرت علامہ خیر الدین رملی حنفیؒ اور مجالس ذکر
304	علامہ سیوطیؒ کی تحقیق
305	مساجد وغیرہ میں ذکرِ جہری کے حلقہ بالاتفاق جائز ہیں
306	علمائے دیوبند کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ
307	:حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجلس
308	حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق
309	امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مسجد کے اند ذکرِ جہر
310	گنگوہ شریف کی خانقاہ
311	بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ کا ذکرِ جہری
312	ہنگلہ والی مسجد مرکز تبلیغ میں ذکرِ جہر اور مجلس ذکر
313	مسجد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
314	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ کا برکات ذکرِ بالجہر
315	حضرت مدنیؒ وغیرہ کا برکات لوگوں کو ذکرِ بالجہر سکھانا
316	شیخ الہندؒ کی ذکرِ جہری کی تلقین و تعلیم
317	سراج الاولیاء حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دینپوریؒ اور مجالس ذکر
318	امام الاولیاء شیخ النفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مجالس ذکر
319	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ
320	حضرت شیخ الحدیثؒ اور مجالس ذکر
321	حضرت شیخ الحدیثؒ کی دارالعلوم فیصل آباد میں مجلس ذکرِ جہری
322	حضرت شیخ کے ہاں روزانہ کی مجلس ذکر
323	حضرت شیخ کی ہفتہ وار مجلس ذکر
324	حضرت شیخ اپنے متعلقین کو اجتماعی ذکر کی ترغیب دیتے تھے
325	حضرت شیخ کا اہل مدارس کو مجالس ذکر کے قیام و انعقاد کی ترغیب
326	حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی عیادت اور آپ کے ساتھ مجالس ذکر کے قیام پر گفتگو
327	حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے نام خطوط
328	حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے جوابی خطوط کے اقتباسات
329	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مجالس ذکر
330	مذکورہ اقتباسات کا حاصل

331	اہل مدارس کو تین اور شریعوں سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے
332	مفسدوں اور شریعوں کی پہچان
333	دارالعلوم دیوبند میں مجالس ذکر
334	مساجد میں مجالس ذکر جہری کے متعلق حضرت مولانا عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کا مدلل فتویٰ
335	علمائے دیوبند پر جھوٹ اور بہتان باندھنے والے
336	تداعی کا مسئلہ
337	تداعی الی النوافل کا مطلب
338	تداعی الی النوافل اور تداعی الی مجالس الذکر میں فرق
339	فرشتوں کا مجلس ذکر کی طرف بلانا
340	بحث کا خلاصہ
341	مجالس ذکر جہری کے جواز و انتخاب کا اصل ماخذ
342	ذکر اللہ کا اصطلاحی معنی اور اصطلاحات کے ساتھ ظلم
343	اصطلاحات کے سلسلے میں قرآن مجید کی آیات
344	اصطلاحات کے سلسلے میں چند احادیث
345	شرعی اصطلاحات کا خلاصہ
346	مجالس ذکر سے مراد تسبیح و تہلیل وغیرہ اذکار کی مجالس ہی ہیں
347	مجالس ذکر کی فضیلت
348	حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر جہر اور مجلس ذکر
349	اجتماعی ذکر کے فوائد
350	مجالس ذکر کے متعلق احادیث شریفہ
352	اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے مسجد میں ذکرین کی جماعت پر فخر کرتے ہیں
353	اہل الذکر اور مجالس ذکر کو فرشتے ڈھونڈتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی مجالس میں بیٹھنے والوں کی مغفرت فرماتے ہیں
354	مجالس ذکر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برسی ہے: اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذکر کی مجلس والے عزت والے ہیں
355	مجلس ذکر والوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور ان کی خطائیں نیکیوں سے بدل دی جاتی ہیں
356	مجلس ذکر والے قیامت کے دن موتیوں کے منبروں پر ہوں گے
357	مجالس ذکر کی غنیمت اور بدلہ جنت ہے
358	مسجد میں مجلس ذکر اور صبح کی نماز کے بعد اشراق تک ذکر کرنے والوں کی فضیلت

359	مجالس ذکر کو مضبوط پکڑو
360	نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام سے مل کر جہراً لا الہ الا اللہ کا ذکر کرنا
361	مجالس ذکر میں ایمان ترقی کرتا ہے
362	نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کا مل کر جہراً سبحان اللہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھنا
363	ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں
364	مساجد میں ذکر کی مجالس اور ان میں چرنے اور لگ جائیکی ترغیب اور ان میں چرنا کیا ہے؟ وہ تہلیل و تسبیح وغیرہ ہیں
365	حضرت عمرؓ کی جہری اور اجتماعی دعا
366	صحابہ کرامؓ کی جہری اور اجتماعی دعائیں اور اذکار
367	جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توہین ہوتی ہے یا کسی کی غیبت یا جھوٹ بولا جاتا ہے یا غلط حدیث بیان کی جاتی ہے وہ مجالس ذکر میں داخل نہیں
368	ذکر جہری اور مجالس ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیتوں اور سنکڑوں احادیث سے ثابت ہیں:
369	لمحہ فکر یہ
370	ذکر و تلاوت سے کسی دوسرے ذکر، نمازی، قاری یا کسی دوسرے مسلمان کو اذیت و تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے
371	مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ اور احکام الذکر والدعاء

نام کتاب..... ذکر اللہ کے فضائل و مسائل

مصنف..... حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب مدظلہ

طبع اول..... 2007ء طبع دوم..... 2009ء طبع سوم..... 2012ء

تعداد..... 2200

ملنے کے پتے

جامعہ ذکر یا دارالایمان، کربونہ شریف کوہاٹ۔ فون نمبر: 0925-662313

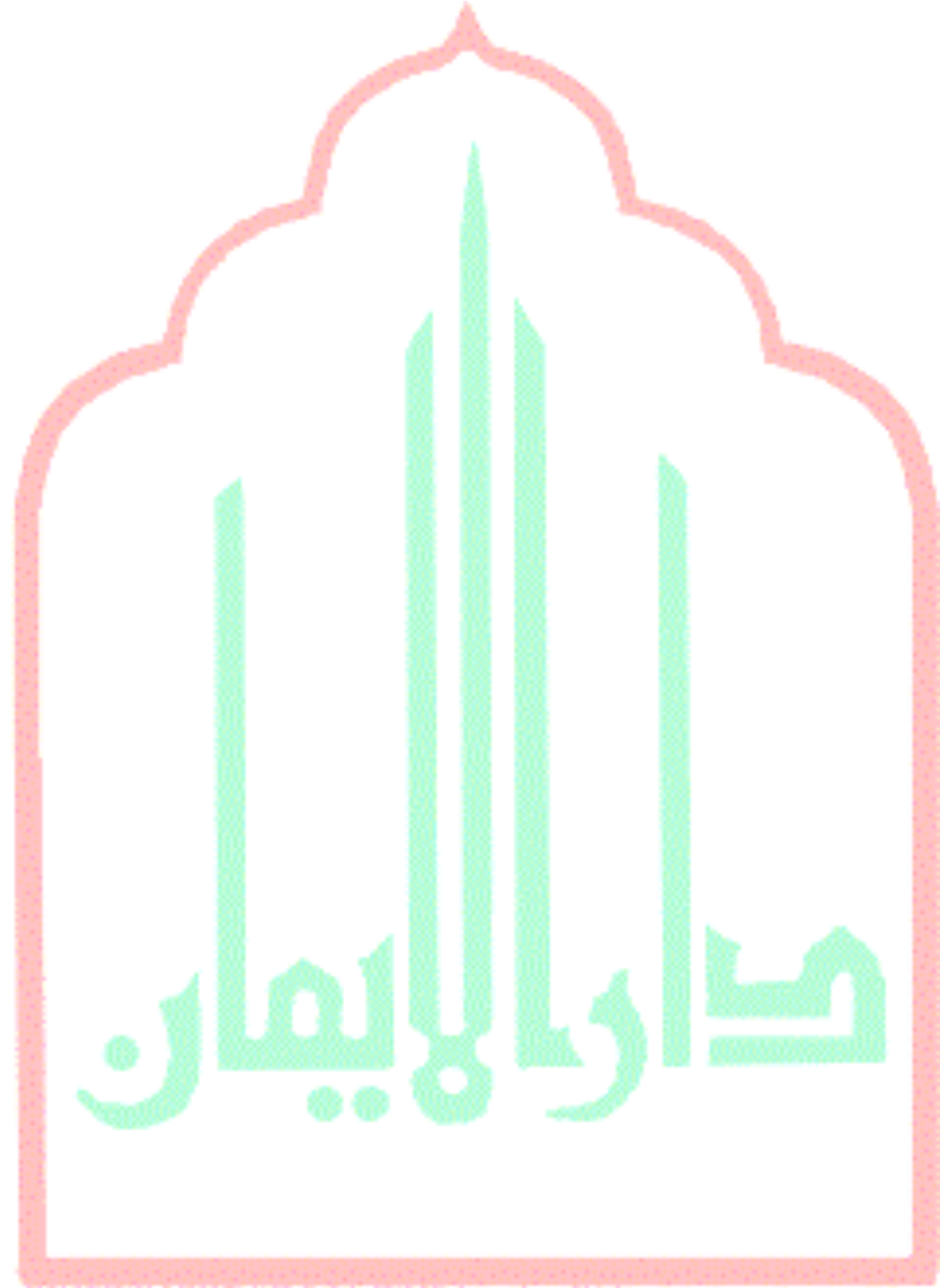
دارالایمان، ایمان منزل، مکان نمبر B-375، بلاک 10، فیڈرل بی ایریا کراچی۔ فون نمبر: 0321-3040666

مکتبہ انوار القرآن، محلہ جنگی، قصہ خوانی بازار، پشاور۔ ضیاء الرحمن فون نمبر: 0300-5722681

جامعہ ذکر یا للعلوم الاسلامیہ، ولی آباد، بیرون کوہاٹی گیٹ، پشاور سٹی۔ شبیر احمد خان فون نمبر: 03005902003

دارالایمان والتقویٰ، سورانہ، بنوں۔ مولانا ذبیح اللہ۔ فون نمبر: 0331-2441353، 0928630062





## مقدمہ کتاب

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِهِ الدِّیْنِ اصْطَفٰی

اللہ تعالیٰ بے انتہا بڑے ہیں ان کی یاد بھی بہت بڑی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ: اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (عنکبوت) اس کی یاد سے انسان کے دل کو حقیقی اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَیْنُ الْقُلُوبُ: اچھی طرح سن لو، دلوں کو اطمینان یاد الہی سے حاصل ہوتا ہے۔

یہی اطمینان و سکون انسان کے اندر وہ عزم اور حوصلہ پیدا کر دیتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر خوف اور ہر طمع سے بے پرواہ کر دیتا ہے یہی وہ اصل قوت اور حقیقی جوہر ہے جو ایمان اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے حاصل ہوتا ہے جس شخص اور جس قوم کو حقیقی معنوں میں ایمان اور یاد الہی کی نعمت نصیب ہوتی ہے وہ شخص اور وہ قوم حقیقی عزت و ترقی کی راہ پر بڑھتی ہے اور یہی ایمان و یاد الہی پوری شریعت کی روح ہے۔ تمام اعمال حسنہ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حقوق العباد اور جہاد وغیرہ اعمال صالحہ کی شکلیں اور صورتیں ہیں ان اعمال کی روح اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اگر یہ اعمال ذکر اللہ کی روح سے خالی ہو جائیں تو ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور جس عمل کے اندر جس قدر خلوص و محبت اور یاد الہی ہوگی اسی قدر وہ عمل قیمتی اور وزنی ہوتا ہے۔

پھر یہ یاد الہی صرف پوری شریعت اور اعمال حسنہ کی روح نہیں بلکہ موجودہ دنیا کی روح بھی اللہ تعالیٰ کی اختیاری یاد ہے جب تک پوری دنیا میں ایک بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اللہ اللہ کہتا ہوگا تب تک آسمان وزمین کا یہ نظام باقی رہیگا اور جب پوری دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور ہو اور جو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارے اور اس کی طرف بلائے تو قیامت برپا ہو جائے گی اور موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اللہ کی یاد سے بڑھ کر نہ کوئی چیز ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور اس کی یاد میں ترقی کرنے کیلئے جس طرح صحیح عقیدہ اور ایمان کی ضرورت ہے اسی طرح اس کو ترقی دینے کیلئے آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات میں غور و فکر اور دل وزبان سے سرّاً و جہراً اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی ضروری اور مفید ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے کچھ زبانی اور عملی اذکار سرّاً و جہراً خاص مقدار میں فرض و واجب قرار دیئے ہیں جن کی ایک کامل صورت نماز ہے نیز فرض و واجب مقدار کے علاوہ کثرت سے ذکر کی ترغیب دی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی طرف بڑھنے کا راستہ کھلا رہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جس عمل کی اہمیت اور ضرورت سب سے زیادہ ہے، جس عمل کے بارے

میں قرآن وحدیث میں سب سے زیادہ ترغیب دی گئی ہے اور جس عمل کی کمی کے باعث امت مسلمہ کی اجتماعی روح کمزور ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں اس عظیم عمل یعنی ذکر الہی کی اہمیت اور قدر و قیمت کو مختلف انداز سے گھٹایا جا رہا ہے حالانکہ اس وقت امت مسلمہ کے ساتھ بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی تو یہ تھی کہ لوگوں کو کثرت ذکر اور آخرت کی طرف متوجہ کیا جاتا لیکن بعض لوگوں نے اس معاملہ میں کچھ ایسا رویہ اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں میں تو کیا دینی طلباء و علماء میں بھی یاد الہی کا جذبہ کمزور پڑتا جا رہا ہے ان لوگوں کی زبان عام طور پر اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے اپنے اپنے لیڈروں کے ذکر سے تر رہتی ہے ان میں سے بعض نے یہ رویہ اختیار کیا ہوا ہے کہ جب وہ کسی ایسے طالب علم کو دیکھتے ہیں جو صوم و صلوة کا زیادہ پابند ہے اور عمامہ باندھتا ہے تو ایسے طالب علم کو شیخ اور صوفی وغیرہ کے نام سے یاد کر کے اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس طرح وہ لوگوں کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی سنتوں عمامہ وغیرہ اور یاد الہی کی قدر و قیمت کم کرتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ مجالس ذکر کے انعقاد کا انکار کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ احناف کے نزدیک تداعی الی النوافل درست نہیں۔ حالانکہ یہ اصول صرف نوافل کی جماعت کے ساتھ خاص ہے۔ کہ نفلی نماز کی جماعت کو اذان سے نہ بلایا جائے مطلقاً نفلی کاموں اور اذکار کی طرف بلانا اور پھر اس کے انکار کو احناف کی طرف منسوب کرنا احناف کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے اور ان کو عملی میدان میں بدنام کرنا ہے حالانکہ مجالس ذکر کی طرف بلانا اور ایسی مجالس کے انعقاد کی ترغیب دینا تو خود واضح نصوص اور احادیث سے ثابت ہے اور جس طرح شریعت میں ذکر کی ترغیب موجود ہے اس طرح مجلس ذکر کی ترغیب بھی موجود ہے۔

ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ذکر جہر کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور اپنے مدعا کی تائید اور دلیل میں ادعوار بکم تضرعاً و خفیه (القرآن) و اذکر ربک فی نفسک تضرعاً و خیفۃ و دون الجہر من القول (القرآن) اور اربعو اعلیٰ انفسکم (الحدیث) کو پیش کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ ان آیات کے سیاق و سباق، ان کے الفاظ ”تضرعاً“ ”جہراً“ ”دون الجہر“ اور ”اربعو“ کے معانی میں غور و فکر کرتے اور پھر قرآن وسنت کے دوسرے نصوص کے ساتھ ان کو ملاتے تو ان کو قرآن وسنت میں کوئی تضاد، ٹکراؤ اور اختلاف نظر نہ آتا۔ نیز اگر وہ شریعت مطہرہ کے احکامات اور تواتر سے ثابت شدہ اعمال کو سامنے رکھتے جن کا آدھے سے زائد حصہ جہری ہی ہے تو یہ لوگ قطعاً اس طرح کی رائے قائم نہ کرتے پھر حیرانی یہ ہے کہ استفتاء میں صرف جہری قراءت ہی نہیں بلکہ اس میں جہراً دعائیں بھی مانگی جاتی ہیں اور لوگ پیچھے آئین آئین بھی کہتے ہیں ختم قرآن اور دوسرے اجتماعات کے موقع پر لمبی لمبی اجتماعی دعائیں لاؤڈ اسپیکر پر مانگی جاتی ہیں حرمین شریفین میں رمضان المبارک کے ختم القرآن کے موقع پر نماز کے اندر جہراً دعائیں مانگی جاتی ہیں اور جہر کے منکر خود بھی عملاً اجتماعی دعاؤں میں جہراً دعا پڑھتے ہیں پھر بھی جو آیت ”ادعوا ربکم“ دعا کے بارے میں صریح اور واضح ہے



اس آیت کو ذکر جہر کی ممانعت میں پیش کرتے ہیں۔ منکرین جہر کی تحریروں ان کی تقریروں اور ان کے عمل کو دیکھا جائے تو ان سے یہی ثابت ہوگا کہ وہ اپنے مدعا میں ڈانواں ڈول ہیں۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یا تو ان کی تحقیقات صرف گروہی تعصب اور خالص مناظرانہ رویہ پر مبنی ہیں یا پھر انہوں نے جہر کے اس اختلاف کے مفہوم میں ٹھوکر کھائی ہے جس کو رفع الصوت ”جہر“ یعنی جہر کامل، جہر شدید اور جہر مفطر کہا جاتا ہے یہ وہ آواز ہے جس کو گلا پھاڑ کر نکالا جائے اور اس کو اردوزبان میں پکارنا اور بلند آواز کہا جاتا ہے یہی وہ آواز ہے جو اذان اور اعلان میں نکالی جاتی ہے ایسے جہر میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس جہر کے ساتھ ذکر جائز ہے اور بعض اس کو مکروہ سمجھتے ہیں باقی رہا جہر معتدل تو اس میں نہ کبھی دورائے ہوئی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں یہ بالاتفاق جائز ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس میں بھی شک نہیں کہ بعض لوگوں کا اندازِ جہر اور اس کی عملی صورت اس قدر بے ڈھنگی اور غیر سنجیدہ ہوتی ہے کہ اس سے واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے نام کی بے ادبی اور توہینِ محسوس ہوتی ہے یا ان کے جہر کی وجہ سے لوگوں کی نمازوں میں خلل پڑتا ہے لیکن بعینہ یہ بلکہ اس سے زیادہ ایذا رسانی اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بے ادبی عام مروجہ جلسوں، جلوسوں اور رات کے وقت شبیوں میں لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے ہوا کرتی ہے یقیناً ایسے جلسے جلوسوں پر نکیر لازم ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو ایذا رسائی ہو یا اللہ تعالیٰ کا نام ایسے اچھل کود کر لیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین ہو

اس بات کا آسان حل یہی ہے کہ جہر اور مجلس ذکر پر نکیر نہ کی جائے اور عام اصول کو پھیلایا جائے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نام محبت و عظمت سے لیا جائے۔ اور ایسے انداز سے قطعاً پرہیز کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی عزت و عظمت مجروح ہوتی ہو، کسی نمازی کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو، سوئے ہوئے یا جسمانی مریض کو اس سے ایذا اور نقصان پہنچتا ہو یا اس قدر شدید جہر ہو جس کی وجہ سے خود ذکر کرنے والے کو ایذا اور نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا جنگی موقع پر کیا جائے جس کی وجہ سے دشمن کو اسلامی فوج کے ٹھکانوں کا پتہ چلے یا اپنی مجلس ذکر پر اس قدر زور دیا جائے کہ اس میں اگر کوئی نہ بیٹھے تو اس پر لعن طعن کیا جائے اور اس کو اپنی نفلی حیثیت سے بڑھا کر فرضیت کے درجے پر پہنچا دیا جائے تو یہ وہ عام اصول ہیں جن کی وجہ سے کوئی جائز اور نفلی کام ناجائز ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں فضائل اذکار کے ساتھ ذکر جہر اور مجالس ذکر جہر کی پر بھی مفصل بحث کی گئی ہے اور ان غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی گئی ہے جو عام طور پر ذکر جہر اور مجالس ذکر جہر کی متعلق پھیلائی جاتیں ہیں۔

بندہ

مختار الدین

کربو غہ شریف

۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ



## ذکر الہی کا بیان اور قوت و محبت کا اصل مصرف

انسان کے اندر ایک عظیم قوت محبت ہے جس چیز کے ساتھ اسکی محبت ہو جاتی ہے، اسی چیز کی یاد اسکو آنے لگتی ہے۔ اور جب اس چیز کی محبت دوسری چیزوں پر غالب آ جاتی ہے، تو اس کو عشق کہا جاتا ہے پھر اسی عشق اور شدید محبت کے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک بے شمار درجات ہیں۔ اور جس کا لاؤڈ محبت جس قدر دوسروں سے کٹ کر اپنے محبوب کی طرف بہہ نکلتا ہے۔ اسی قدر وہ اپنے محبوب کی محبت میں ڈوبتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ جب، محبت زیادہ شدت اختیار کر جاتی ہے تو انسان خود بھی محبوب کی خوشنودی میں ایسا گم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو بھی نہیں پا سکتا۔ اور اسکی اپنی کوئی مرضی نہیں رہ جاتی۔

## محبت کا ابتدائی اور کامل درجہ:

ہر محبت کے ظہور کے بے شمار درجات ہیں۔ اس کا ابتدائی درجہ میلان کہلاتا ہے اور اس کے اعلیٰ درجہ کا نام عشق ہے۔ پھر عشق کے اعلیٰ سے بھی اعلیٰ بے شمار درجات ہو سکتے ہیں۔

بعض لوگوں نے محبت کے اس جذبے کو دنیا کی بے شمار چیزوں سے وابستہ کر رکھا ہے۔ اس طرح اسکی طاقت بکھرنے کی وجہ سے اس جذبہ کا کوئی نمایاں اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور جن لوگوں نے دنیا کی پرکشش چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے اس جذبہ کو وابستہ کیا۔ تو ان کو اس سلسلہ کی نمایاں ترقی حاصل ہوئی۔ لیکن یہ محبت اس قدر گھٹیا ہوتی ہے کہ ان چیزوں سے محبت کرنے والے کو کوئی عاشق کے نام سے نہیں پکارتا۔

ہاں! بعض لوگوں نے مخلوق میں سے اشرف المخلوقات یعنی انسان کے کسی فرد سے محبت کی اور اس محبت میں اسکو کافی ترقی ہوئی۔ کیونکہ انسان میں محبت کرنے کی وجوہات (حسن و جمال، کردار و گفتار وغیرہ) دیگر ساری مخلوقات سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اور خود ان معشوقوں میں بھی محبت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ بھی عاشق کے جذبہ عشق کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتے ہیں۔ اور اس کی قوت و محبت کو مجتمع کر کے صرف اپنی طرف لگا دیتے ہیں۔

## محبت کس کے ساتھ کی جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ محبت کی جائے تو کس سے؟ انسان کی اس عظیم قوت کے مصرف کا مستحق وہی ہو سکتا ہے۔ جو محبت کا لائق و مستحق ہو۔ وہ ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہیں! اس میں انسان کی فلاح و نجات ہے اسی میں راحت و سکون، اور اس کے برعکس دنیا اور دنیا کی چیزوں سے محبت سراسر پریشانی و سرگردانی، بے چینی و بے اطمینانی اور دنیا و آخرت کی ہلاکت ہے۔ کیونکہ دنیا کی چیزیں، خواہ وہ مال و متاع ہو یا جاہ و منصب یا کوئی انسان، بہر حال فانی چیزیں اور ناپائیدار ہیں۔ اسلئے ان تمام چیزوں کے ساتھ محبت کی وجہ سے انسان پریشان و سرگرداں رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کیوں نہ کی جائے جبکہ وہ حتیٰ و قیوم ذات ہے۔ راحت و تکلیف، غم و خوشی، خوف و اطمینان کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ حسن و جمال اور ساری صفات کمال اس کی ذاتی اور لاحدود ہیں۔ اس نے آسمان و زمین کی چیزیں ہمارے لئے بنائیں۔ اور ان چیزوں کو مسخر کر کے ہمارا غلام اور تابع بنایا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آخرت کی دائمی زندگی میں ہمارے لئے راحتوں اور خوشیوں کا سامان کیا پھر وہ محبوب بھی ایسے محبت کرنے والے اور مہربان ہیں۔ کہ جو ان کے ساتھ تھوڑی سی بھی محبت کرتا ہے۔ اور تھوڑا سا بھی ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جو جس قدر زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسی قدر اس کو وہ اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیتے ہیں۔ جس کو وہ ذات اپنی رحمت میں لے لے۔ تو ایسے شخص کو حزن ہو سکتا ہے اور نہ ملال، نہ کسی کا خوف ہوتا ہے نہ غم۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ**: سن لو؛ اللہ تعالیٰ کے دوستو کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے (یونس ۶۲) اور یہی حبان الہی، انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد اولیاء اللہ ہیں۔ جو دنیا میں بڑے بڑے اصلاحی انقلابات لاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے بجائے دنیا کی چیزوں سے محبت رکھنا خالق، حقیقی مالک اور محبوب حقیقی کے ساتھ عظیم بے وفائی ہے۔ اور اسکی نعمتوں کی عظیم ناقدری اور ناشکری ہے۔ اسلئے حکم دیا جا رہا ہے۔

**فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ:**

پس تم مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری نہ کرو (بقرہ، ۱۵۲)

## حُبّ الہی کیسے پیدا کی جائے؟

اللہ تعالیٰ کی محبت جو دنیا و آخرت میں چین و سکون اور فلاح کا سبب ہے کیسے حاصل ہو؟ اس کے لئے

۱۔ اس کے مفصل بیان کیلئے کتاب جواہر الاسلام میں ”اللہ تعالیٰ کے خاص حقوق میں شرک“ کو پڑھ لیجئے۔ نیز ”عقیدہ اور عقیدت“ میں بھی اسکی کچھ تفصیل موجود ہے

بہت بڑی رکاوٹ انسان کا خود اپنا نفس ہے اس سے لڑ کر اسے اپنے پروردگار کی مرضی اور اسکی تعلیم و ہدایت کے مطابق و موافق بنانے کی کوشش کرنے سے (جسکو مجاہدہ نفس کہتے ہیں) اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے جن کے اندر اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ بھڑکتی رہتی ہے یہ محبت حاصل ہو سکتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت قائم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ یہی وہ یاد حق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں ڈال دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عشق و محبت اور اپنی یاد نصیب فرمائے۔ آمین؛

## ذکر الہی کیا ہوتا ہے؟

ذکر کے لفظی معنی ’یاد کرنے‘ اور ’یاد رکھنے‘ کے ہیں۔ اور اسکی ضد غفلت اور نسیان ہے۔ اور یہ بات تو بالکل ظاہر ہے۔ کہ یاد کا تعلق دل سے ہے، اور اسکی اصل جگہ دل ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ آدمی کسی کا نام بھول جاتا ہے اور اس کے الفاظ یاد نہیں رہتے، البتہ اسکی ذات اور شخصیت دل میں باقی رہتی ہے۔ یا مثلاً کوئی چیز آپ سے گم ہوگئی ہے، اور آپ اس کو ڈھونڈ رہے ہیں، لیکن اس چیز کا نام آپ بھول گئے ہیں۔ تو ایسی صورت میں وہ چیز آپ کو یاد رہتی ہے۔ اگرچہ اسکا نام یاد نہیں آتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کا تعلق اور اصل جگہ بھی دل ہے۔ البتہ الفاظ ذکر و فکر سے یہ یاد دل میں پیدا ہوتی ہے، اور الفاظ سے ذکر کرتے کرتے انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ بالآخر یاد الہی انسان کے دل کی صفت بن جاتی ہے۔

## ذکر الہی کائنات اور اعمال شریعہ کی روح ہے:

اس دنیا میں ہر چیز کی زندگی روح سے ہے۔ محض بدن سے کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب تک بدن کے اندر روح ہے، زندگی کہلاتی ہے جیسے ہی روح نکل جاتی ہے۔ آدمی کو مردہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اسے باقی رکھا جائے۔ وہی انسان جس سے محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ روح نکلنے کے بعد اس سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعلق اور محبت درحقیقت بدن سے نہیں بلکہ اس کے اندر جو روح سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس سے ہوتا ہے۔ اسی طرح پوری کائنات بھی کسی روح سے زندہ ہے۔ جب تک یہ روح کائنات میں موجود ہے۔ یہ زندہ کہلائے گی اور جب یہ روح نکل جائے گی تو عالم کائنات کی موت واقع ہو جائے گی۔ اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

عالم کائنات کی روح کیا ہے؟ اس کے متعلق خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللَّهُ اللَّهُ“ (قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اس دنیا میں ایک آدمی بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہو) جسکا مطلب یہ ہے کہ جب ایک آدمی بھی ایسا نہ رہے جو اللہ اللہ کہتا ہو تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور عالم کائنات کو موت آ جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم کائنات کی روح اختیار



کے ساتھ یادِ الہی ہے۔ اور جب یہ روح نہ رہے گی تو عالم کائنات کا وجود ختم ہو جائے گا۔ شاید انکی وجہ یہ ہو کہ یہ موجودہ آسمان و زمین تو انسان ہی کیلئے بنائے گئے ہیں جب کائنات میں ایسا انسان ہی باقی نہ رہا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو، جس کی وجہ سے وہ اللہ اللہ کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ آسمان و زمین کا ہونا فضول ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان اور حکمت کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ ایک لمحہ کیلئے بھی کسی بے کار اور فضول نظام کو چلائے رکھے (واللہ اعلم)۔

غرض اصل بنیادی چیز روح ہے۔ بغیر روح کے زندگی ہے اور نہ ہی کسی چیز کیلئے بقاء۔ تو جس طرح مادی اشیاء کی زندگی اور بقاء کا تعلق روح سے ہے۔ اسی طرح اعمال شرعیہ بھی روح ہی سے زندہ ہوتے ہیں۔ اعمال شرعیہ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قتال فی سبیل اللہ وغیرہ یہ سارے اعمال کی شکلیں اور صورتیں ہیں۔ ان اعمال کی روح یادِ خداوندی ہے۔ اگر یہ ذکر اللہ کی روح سے یکسر خالی ہوں۔ تو انکی کوئی بھی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اور جس عمل میں جہدِ ر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا، وہ عمل اسی قدر وزنی اور قیمتی ہوگا۔ ذکر سے مراد یہاں ”دل کی بیداری“، اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے دلی لگاؤ ہے۔ صرف الفاظِ ذکر مراد نہیں۔ کیونکہ الفاظِ ذکر بھی یادِ الہی کی ایک صورت ہیں۔ پس اگر نماز میں یادِ الہی کے بجائے غفلت آ جائے تو نماز ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ ”اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِی“: نماز قائم کرو میری یاد کیلئے (القرآن الکریم)۔ جب نماز یادِ الہی سے خالی رہی۔ مثلاً نماز کی نیت ہی صحیح نہ ہو کہ ریاء و شہرت کیلئے ہو۔ تو روح نماز بالکل ختم ہو جائے گی۔ اب محض قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ کی ترکیب نماز کا بے روح ڈھانچہ ہوگا۔ جسکی کوئی قدر و قیمت عند اللہ نہ ہوگی۔ اور ایسی نماز جس میں ذکر اللہ اور یادِ الہی نہ ہو وہ نماز بے روح ہوگی۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔ ”إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ“: بلاشبہ نماز فحش (گندے، بے حیائی) اور برے کاموں سے روکتی ہے (قرآن مجید)۔ اب ہم نماز بھی پڑھتے ہیں، نوافل کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم ظاہری اور باطنی ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو یہ ہے کہ نماز فحش اور منکرات سے بچا دیتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ اگر ہماری نمازوں کے اندر ذکر ہوتا تو یہی کچھ ہوتا۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن ہم نے نمازوں کا ڈھانچہ تو قائم کیا ہے۔ اور جو روح اور یادِ حق ہے وہ ہماری نمازوں کے اندر نہیں ہے جسکی وجہ سے ہماری نمازیں بے روح اور مردہ ہیں۔ تو یہ بے جان اور مردہ نمازیں منکرات اور برائیوں سے کیسے بچائیں گی؟ نماز میں جان ہو تو تب منکرات سے بچانے والی ہوگی۔

اسی طرح اگر روزہ کے اندر یادِ الہی نہ رہی تو یہ بھی محض بے روح ڈھانچہ ہوگا۔ اور فاقہ کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ نیت کی سچائی اور اس میں یادِ الہی ہونے سے روزہ زندہ ہو کر عبادت بن جاتا ہے۔ ورنہ عبادت کے بجائے رسم و عادت بن جاتا ہے۔

زکوٰۃ میں یادِ حق اور سچی نیت نہ ہو تو زکوٰۃ بے روح ہو جائے گی۔ اسلئے اعمال میں ذکر اللہ کو سب سے زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔ اس سے بڑھکر کوئی بھی عمل نہیں۔ بلکہ ہر عمل کی مقبولیت ذکر اللہ اور یادِ خداوندی کی مرہونِ منت ہے۔

غرض سارے اعمال شرعیہ کی روح اور جان درحقیقت ذکر اللہ اور یادِ خداوندی ہے۔ اگر یہ روح نکل جائے۔ تو عبادت، عبادت کے بجائے رسم و عادت بن جاتی ہے۔ رسم اور عبادت میں یہی فرق ہوتا ہے کہ رسم و عادت محض صورت اور ڈھانچہ ہوتا ہے جس میں یادِ الہی نہیں ہوتی اور عبادت ایسا ڈھانچہ اور صورت ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے۔ خواہش نفس کی آمیزش نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اگر ہم دن رات اللہ اللہ کرتے جائیں لیکن غفلت سے کریں روح کے اندر بیداری نہ ہو اور دل میں خلوص نہ ہو۔ دکھلاوے کیلئے ہو۔ تو یہ اللہ اللہ کرنا بھی صرف ذکر کی صورت اور ڈھانچہ ہوگا۔ جو کہ روح اور یادِ حق سے خالی ہوگا۔ اور اسکا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ روح ہی سے قدر و قیمت بڑھتی ہے اور اسی سے وزن قائم رہتا ہے۔ صرف زبان سے ”اللہ“ کہہ دینا کافی نہیں جس کے ساتھ دل کی یاد شامل نہ ہو۔ مولانا رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

بر زبان تسبیح و در دل گاہ و خ  
این چنین تسبیح کے دارد اثر

یعنی زبان پر تسبیح جاری ہے۔ مگر دل میں گھر بار کا خیال آ رہا ہے، بات دکان کی سوچ رہا ہے، دل کے اندر دوسروں کیلئے گڑھے کھود رہا ہے۔ اور زبان پر اللہ اللہ جاری ہے۔ یہ ذکر تو ہے۔ مگر قلبی نہیں زبانی ذکر ہے۔ تو جو صرف زبان سے اللہ اللہ کہتا جائے دل ساتھ نہ ہو وہ کافی نہیں۔

غرض اللہ اللہ کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں جان و مال سے لڑنا وغیرہ سارے اعمال ڈھانچے اور صورتیں ہیں۔ انکی روح ذکر اللہ اور یادِ خداوندی ہے۔ جو دل کی بیداری اور اللہ تعالیٰ سے لگاؤ ہے۔ یہی یاد اور ذکر اللہ اعمال شرعیہ کی روح ہیں۔ قیامت میں صرف صورتوں اور ڈھانچوں کی نمائش نہ ہوگی۔ بلکہ ان اعمال کا وزن ہوگا، جن میں یادِ حق ہوگی اور ان ڈھانچوں کا ظہور ہوگا، جن میں یادِ الہی کی روح چمکتی ہو۔ چنانچہ بہت چھوٹی سی پرچی جس کے اندر یہ روح پائی جائے۔ ننانوے دفتروں پر غالب آئے گی یہ اس لئے کہ اس بندہ خدا نے لا الہ الا اللہ کے صرف الفاظ نہیں کہے تھے بلکہ اس میں اس کا اخلاص اور دلی لگاؤ بھی شامل تھا۔

حاصل یہ نکلا کہ جس طرح کائنات کی روح اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اسی طرح پوری شریعت کی روح بھی یادِ الہی ہے۔ یہ جب دل میں ہوگی تو چھوٹے سے چھوٹے عمل کی بھی قدر و قیمت ہوگی اور اگر شریعت میں سے روح کو نکال دیا جائے تو یہ بے جان ڈھانچہ ہو کر عادت بن جائے گی اور جب پوری کائنات میں ایک بھی آدمی

یا دِحق رکھنے والا نہ ہوگا تو یہ دنیا بے جان ہو کر ختم ہو جائے گی۔ اسلئے قرآن کریم نے فرمایا ہے ”وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ“ جسکا مطلب یہ ہے کہ سب سے زیادہ وزنی چیز اور سب سے زیادہ پر عظمت چیز اللہ تعالیٰ کی یاد ہے کہ دنیا و مافیہا اسکا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس پورے مضمون سے کبھی کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہمارے اعمال ذکر و عبادت میں یاد الہی تو ہے نہیں۔ ہمارے اعمال تو محض صورتیں اور ڈھانچے ہیں۔ اس لئے ان کے کرنے سے کیا فائدہ؟ لہذا ان کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ آپ برابر نماز، روزہ اور ذکر اللہ وغیرہ، اعمال کرتے رہیے۔ اگر ان صورتوں میں روح نہیں تو انکی صورت کو اچھی سے اچھی بنانے کی کوشش کرتے رہیے کہ اچھی شکل و صورت میں اچھی حقیقت آ جاتی ہے۔ اور ان میں یادِ حق کو بتکلف لانے کی کوشش کریں (محنت اور تکلف سے یاد الہی لانے کی کوشش کریں گے تو ثواب بھی دوہرا ملے گا۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص قرآن کریم پڑھنے میں مشقت اٹھاتا ہے اسکو دوہرا اجر ملے گا)۔ چنانچہ ان اعمال کی وجہ سے اور تکلف کے ساتھ ایسا کرنے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد جڑ پکڑے گی اور یادِ حق آ جائے گی۔ لہذا یہ وسوسہ دل میں نہ آنے دینا چاہیے کہ میرے عمل میں روح یعنی یادِ حق اور اخلاص نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ۔ بلکہ آپ برابر فرض اعمال، نوافل اور آداب شرعیہ بجالاتے رہیں۔ اور ان میں بتکلف یادِ حق لانے کی کوشش کریں۔ مثلاً آپ نماز کا عمل کرتے ہیں۔ اگرچہ نماز میں مکمل استحضار نہیں لیکن جب تکبیر تحریمہ کے وقت دل کو حاضر کر کے اللہ تعالیٰ کیلئے نماز کی نیت کریں گے۔ تو ایسی صورت میں اگرچہ اسی قدر ثواب میں کمی ہوگی جس قدر خشوع کم ہوگا۔ کیونکہ نماز کے جتنے حصے میں خشوع نہ ہو اسکا پورا ثواب تو نہیں ملیگا بلکہ اسی قدر ثواب میں کمی ہوگی۔ لیکن اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا اور تارک الصلوٰۃ لوگوں میں شامل ہونے سے بچ جائیں گے۔ اسی طرح اللہ اللہ کرنے میں یادِ حق نہیں تو زبانی ذکر میں اتنی نیت تو ضرور ہو کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کر رہا ہوں۔ اگر استحضار نہ بھی ہو اور دل دوسری طرف متوجہ ہو تو بھی ذکر لسانی تو ہو جائے گا اور بالآخر اللہ تعالیٰ اس میں روح اور یادِ حق بھی ڈال دیں گے۔ اسی طرح فرض عبادات کے علاوہ نوافل کا بھی اہتمام کیجیے ان میں بھی بتکلف یادِ حق لانے کی کوشش برابر کرتے رہیں۔ محنت کرنے سے رفتہ رفتہ ان اعمال میں روح اور یادِ حق آ جائے گی آپ کے ان اعمال کا وزن اور اسکی قدر و قیمت بڑھ جائے گی اور ان کے اثرات ظاہر ہوں گے۔ پھر اس یادِ حق کو بڑھانے اور اس کے اندر ترقی کرنے میں مرتے دم تک کوشش کرتے رہیں کبھی بھی یہ خیال نہ آنے دیں کہ میں یادِ حق میں کمال تک پہنچ گیا اور ذکر کی کیفیت بڑھانے کیلئے فضائل ذکر سننے اور پڑھنے کا اہتمام کیجیے، نیک لوگوں کی صحبت میں رہیے یا ذکر کثرت سے کیجیے اور اس میں دل کو بیدار رکھنے کی کوشش کریں۔ تخلیق کائنات، آسمان و زمین اور ان میں سمائی ہوئی چیزوں میں غور و فکر کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ یادِ حق پیدا کرنے کی ایک آسان صورت یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی اہل دل

عالم کے سپرد کیجئے وہ اس کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں جو نسخہ تجویز کرے اس پر عمل کیجئے۔

## یادِ حق کی شکلیں اور اسکی صورتیں:

ذکر کے معنی و مفہوم جاننے اور اسکا موضع محل معلوم کرنے کے بعد جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کی مختلف صورتیں اور شکلیں تعلیم فرمائی ہیں اور حکم دیا ہے کہ انہی صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں۔ اسلئے دین اسلام کے تمام احکامات کو بھی مجازاً ذکر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں بھی بعض احکامات کیلئے ذکر ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ہم یہاں بطور نمونہ چند آیات پیش کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ

ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ: اے ایمان والو! تمہیں تمہارے اموال اور تمہاری

اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو کوئی ایسا کرے گا (کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر

سے غافل ہو جائے) تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں (المنفقون- ۹)

اس آیت کریمہ میں ذکر سے مراد تمام فرائض و واجبات اور اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں۔ کہ ان فرائض و واجبات میں کوتاہی خسران اور نقصان کا باعث ہے۔ بد امنی اور خوف کی حالت میں نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَالَكُمْ تَكُونُوا

تَعْلَمُونَ: اگر پھر تمہیں (کسی دشمن وغیرہ کا) خوف ہو اور اندیشہ ہو تو چاہے پیدل ہوں یا

سوار (جس طرح بھی بن پڑے) نماز پڑھو۔ پھر جب امن پاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر (نماز) اس

طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے۔ جسکو تم پہلے نہ جانتے تھے (البقرہ ۲۳۹)۔

اس آیت میں نماز کو ذکر اللہ کہا گیا ہے۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَ نَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

أَعْمَى: اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اسکی زندگی بھی تنگ ہوگی اور اسے ہم قیامت

کے روز اندھا اٹھائیں گے (طہ- ۱۲۳)۔

یہاں ذکر سے مراد قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمات ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے اور جس پر عمل کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ کی پیروی بھی لازمی شرط ہے۔ تو آیت کریمہ کا حاصل یہ ہوا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم، نصیحت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرے گا تو اس کا انجام دنیا و آخرت کی بے چینی، بے اطمینانی اور بربادی ہے۔

غرضیکہ ہر وہ چیز جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ الفاظ و اقوال ہوں یا اعمال اور نقل و





اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریز کرتا ہوا اور غلط کاموں میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کو خوب سمجھنا چاہیے کہ اس کو یاد الہی کی حقیقت حاصل نہیں بلکہ یہ تکبر اور ایک دوسرے جو شیطان اس کے دل میں ڈال رہا ہے۔

## ذکر اللہ زندگی کی بنیادی ضرورت اور دین اسلام کا اصل مقصد اور مغز ہے:

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ”ذکر اللہ“ محض ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں بلکہ وہ زندگی کی بنیادی ضرورت اور فطرت انسانی کا ایک خاصہ ہے یہ روح کی غذا اور دل کی دوا ہے اس کے متعلق حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ ”کتاب اللہ اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ امت کو رسول ﷺ سے دین و شریعت کی جو نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے اس کے تمام شعبوں میں ذکر و دعا کی حیثیت اصل مقصود اور مغز کی ہے حتیٰ کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ عبادات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کا خاص مقصد اور ان کی روح ذکر و دعا ہے نیز بتایا گیا ہے کہ بندے کا کوئی عمل اور اس کی کوئی قربانی خواہ دنیا میں اس کو کتنا ہی بڑا سمجھا جاتا ہو اللہ کی نگاہ میں ذکر و دعا کے برابر نہیں۔ بلکہ جس طرح کوئی غذا معدہ کے لئے اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں نمک یا شربنی یا ترشی کی آمیزش نہ ہو اسی طرح اللہ کے یہاں کوئی عمل قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ذکر و دعا کا عنصر شامل نہ ہو۔“

پھر یہ بھی ایک معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ ذکر و دعا اللہ تعالیٰ کے قرب خصوصی اور حصول مقام ولایت کا خاص الخاص وسیلہ ہے اور امت میں جن لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کو یہ دولت نصیب ہوئی ان کی زندگیوں میں ذکر و دعا کا عنصر غالب اور نمایاں رہا ہے۔ (معارف الحدیث جلد پنجم ۱۳ تا ۱۴)۔

## فضائل ذکر

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے فضائل قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں اس قدر ہیں کہ اس کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں یہاں ان بے شمار فضائل اور تاکیدات میں سے بعض کو نقل کر دیتا ہوں۔

## فضائل ذکر کے بارے میں قرآن مجید کی آیات

ذاکرین کو اللہ تعالیٰ یاد فرماتا ہے؛

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرْ لِي وَلَا تَكْفُرُون :

پس تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری نہ کرو

(بقرہ، ۱۵۲)۔

گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے ان احسانات و انعامات کو بیان فرماتے ہیں جو انہوں نے مسلمانوں پر کئے ہیں

اس کے بعد اب حکم دیا جا رہا ہے کہ ان احسانات اور انعامات کے رو سے تم پر یہ لازم ہے کہ تم اپنے دل اپنی زبان اور اپنے اعضاء جوارح سے مجھے یاد کرو اور ان تمام ذمہ داریوں اور فرائض کو یاد رکھو اور ان کی بجا آوری کرو جو امت مسلمہ کے سپرد کئے جا رہے ہیں اور اس پر یہ وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یاد کرے گا اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ رہے گا اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی و نصرت، فتح مندی و سرخروئی اور طرح طرح کے انعامات اور رحمتوں سے تمہیں نوازے گا۔

## اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات پر صحیح طور پر عمل کب ہو سکتا ہے:

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات پر صحیح طور پر اس وقت عمل ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریوں اور فرائض کو بندہ اس وقت کما حقہ پورا کر سکتا ہے جب اس کا دل یاد الہی سے معمور ہو اور اس کے لئے یاد الہی کی کثرت ناگزیر ہے۔ کثرت سے ذکر کرنے سے جب یاد الہی دل میں رچ بس جاتی ہے تو انسان کا پورا وجود ذکر الہی میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کی ہر حرکت و سکون اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے حکم کی بجا آور ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کے دل و زبان اور تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری میں لگ جاتے ہیں اور جس شخص کا دل یاد الہی سے خالی ہو جاتا ہے تو وہ خود سری اور ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریوں اور فرائض کو اخلاص کے ساتھ پورا نہیں کر سکتا اور اس کے تمام تر دینی اور دنیاوی امور میں بھاگ دوڑ کا مقصد دنیا کے مفادات اور ہوائے نفس کا حصول ہو کے رہ جاتا ہے۔

## ایک سخت تنبیہ:

آخر میں اللہ تعالیٰ نے ”وَلَا تَكْفُرُون“ کے الفاظ سے ایک سخت تنبیہ فرمائی کہ میری ناشکری نہ کرنا ورنہ اگر تم نے ناشکری کی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور احکامات الہی سے منہ موڑ گئے اور اپنی ذمہ داریوں میں غفلت کی تو جس طرح یہود و غیرہ ناشکری کر کے کفر کردار کو پہنچے اس طرح تم بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کی زد سے نہیں بچ سکو گے۔

## ذکر کی عظیم فضیلت:

ذکر کی فضیلت میں اگر کوئی اور آیت نہ ہو تو صرف یہی ایک آیت اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے ایک بندے کے لئے اس سے زیادہ فخر اور اس سے بڑا انعام اور کیا ہو سکتا ہے کہ معبود حقیقی اور محبوب حقیقی اور پوری کائنات کا خالق و مالک اور بادشاہ اس کو یاد کرے اور اس کی طرف متوجہ ہو اور پھر اس کا یاد کرنا بھی صرف یاد کرنا نہیں بلکہ اس کا یاد کرنا اپنے انعامات اور عنایات اور نصرتوں، عزتوں اور عظیم کامیابیوں کا عطا کرنا بھی ہے۔ اللہ



تعالیٰ ہم سب کو اپنی یاد کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔

ابو عثمان نہدیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ ہمیں یاد فرماتے ہیں لوگوں نے پوچھا کہ آپکو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے فرمایا اس لئے کہ قرآن مجید کے وعدے کے مطابق جب کوئی مومن اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے اس لئے سب کو یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ جس وقت ہم اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہونگے تو اللہ تعالیٰ بھی ہمیں یاد فرمائے گا (قرطبی ۱/۷۱ ج ۲)۔

## عقل مند لوگ کون ہیں؟

عقل مند لوگ کون ہیں؟ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا ۖ وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے باری باری آنے میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں (یہ عقل مند وہ لوگ ہیں) جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں (تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے تو (اس بات سے) پاک ہے (کہ کوئی عبث اور فضول کام کرے) پس تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا (آل عمران آیت ۱۹۰-۱۹۱)

ان آیتوں میں ارباب بصیرت اور حقیقی معنوں میں عقل مند لوگوں کا بیان ہو رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ اور ہر حال میں یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور ان کی تمام چیزوں پر برابر غور و فکر کرتے ہیں اس ذکر اور غور فکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ان کے دل یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ کارخانہ کائنات بے مقصد نہیں ہو سکتا کائنات کی ہر چیز عدل و حکمت پر مبنی اور بنی ہوئی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جو چیزیں انسان کے لئے پیدا کی گئیں ہیں ان میں تو عدل اور حکم کا فرما ہوا اور خود انسان کے لئے عدل کا یہ قانون موجود نہ ہو لہذا ضرور ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں انسان کے بارے عدل کا ظہور ہوگا جس میں گنہگار اور نیکوکار لوگ اپنے اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے جزا و سزا کے اس تصور سے انکے دل کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس بات کے لئے شدید داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو اس عذاب و رسوائی سے پناہ و نجات ملے جو ان لوگوں کے لئے مقرر ہے جو اس دنیا کو بس کھیل تماشا سمجھ کر اس میں غیر ذمہ دارانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

یاد الہی ہر حال میں مطلوب ہے:

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد ہر حال میں مطلوب ہے اور زیر بحث آیات میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اولوالالباب کی خاص صفت یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔

..... کائنات میں غور و فکر:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین اسلام میں جس طرح ذکر اور یاد الہی مطلوب ہے اس طرح فکر یعنی کائنات میں غور و فکر بھی مطلوب ہے اگر ذکر ہوگا اور فکر نہ ہو تو ذکر صرف زبان کا ایک شغل بن کر رہ جائیگا اگرچہ صرف زبانی ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے لیکن اس سے معرفت الہی کے دروازے نہیں کھلتے اور نہ آخرت کا کامل یقین اور آخرت کے دلی مشاہدہ کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ یہ نعمتیں تو کثرت ذکر اور دھیان کے ساتھ ذکر اور کائنات میں غور و فکر ہی سے ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ عظیم نعمتیں نصیب فرمائے۔

## نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع کون کر سکتا ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع وہی بندہ کر سکتا ہے جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو اور جس کا دل یاد الہی سے معمور ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا: بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول (ﷺ) کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (لیکن اس سے ہر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا بلکہ یہ فائدہ ہے) اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور روز آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو (احزاب-۲۱)۔

اس آیت کریمہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے اور آپ ﷺ کی اتباع میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع ہر مدعی کا کام نہیں بلکہ اس راہ کی آزمائشوں سے وہی لوگ عہد برآ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور روز آخرت کے امیدوار اور اس کے منتظر ہوں اور ان کے دل ہر وقت یاد الہی سے معمور ہوں اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنیوالے ہوں اس آیت سے یہ بات بھی اچھی معلوم ہوئی کہ دین اسلام پر استقامت اور نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ جن کے اندر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر مضبوط ایمان و یقین ہو اور برابر اپنے اس ایمان و

یقین کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے تازہ رکھیں۔ ورنہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوں ان کی ایمانی قوت کمزور بلکہ ختم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع سے محروم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

## مومن کی صفات اور دین اسلام کا منبع اور اس کا محافظ یاد الہی ہے:

قرآن مجید نے ایک مقام پر مومن کی دس صفات گنوائی ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنِينَ وَالْقَنِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا: اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے (احزاب۔ ۳۵)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو جو معاشرہ مطلوب اور محبوب ہے اس کی صفات یہ ہونی چاہیں یہ دس صفات گویا آئینہ ہیں کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو سنواریں، یہاں جو دس صفات بیان ہوئی ہیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی اخلاق و کردار کے تمام پہلو ان دس صفات کے اندر سمٹ آئے ہیں ان صفات میں سے کچھ کا تعلق اصلاح نفس کے ساتھ ہے۔

### اسلام اور ایمان:

دین، اسلام کی جامع تعبیر ہے ایمان دین اسلام کا باطن ہے اور اسلام دین اسلام کا ظاہر ہے اور یہ دونوں بیک وقت مطلوب ہیں۔

### قنوت:

اللہ تعالیٰ کی اس بندگی اور اس کے رسول کی اس فرمانبرداری کی تعبیر ہے جو دل کی پوری یکسوئی، پوری نیاز مندی، کامل عاجزی اور پورے اخلاص کے ساتھ دائماً ہو۔

۱۔ مومن کی صفات کی پوری تفصیل کیلئے ”آئینہ ایمان“ کو پڑھ لیجئے

### صدق:

راست بازی ارادہ، قول اور فعل تینوں کی مطابقت اور استواری کی تعبیر کے لئے آتا ہے، صادق وہ ہے جس کی زندگی قول و فعل کے تضاد سے خالی ہو۔

### صبر:

صبر ثابت قدمی، استقلال و استقامت کے معنی میں آتا ہے جو بندہ ہر خوف، ہر طمع و لالچ کے مقابلے میں خواہ وہ خود اس کے اندر کی اپنی خواہشات نفس ہوں یا خارجی دشمن ہو حق پر ڈٹا رہے اور اپنے رب سے راضی اور مطمئن رہے۔ اور صبر و استقامت کے ساتھ تمام دین اسلام پر قائم رہے اسے صابر کہتے ہیں۔

### خشوع:

خشوع کا مفہوم عاجزی، فروتنی اور خاکساری ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کی عظمت و جلال کے صحیح تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ صفت بندے کو اپنے ”رب“ اللہ عز و جل کے سامنے بھی جھکاتی ہے اور اس کے بندوں کے معاملہ میں بھی اس کو مہربان و حلیم اور متواضع بناتی ہے خشوع تکبر اور استکبار کی ضد ہے جو تمام انفرادی اور اجتماعی برائیوں کی جڑ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خشوع عبادت کی روح بھی ہے اور بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی روح بھی۔

### تصدق:

صدقہ و خیرات کرنا، اس کا تعلق خاص طور پر بندوں کے حقوق کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ کا جو بندہ اپنی خواہشات کو دبا کر اور اپنی ضروریات میں ایثار کر کے اپنا مال دوسرے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں خرچ کرتا ہے یا اپنے مال و جان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس سے اس کے ایمان کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ چیز درجہ بدرجہ اس کے ایمان کو پختہ اور مضبوط کرتی جاتی ہے۔

### صوم:

صوم یعنی روزہ یہ ضبط نفس اور تربیت صبر کی خاص ریاضت ہے اس سے بندے کو نفس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے اسلئے یہ روزہ صبر و تقویٰ کی تربیت کیلئے بہت بڑا ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ روزہ حقیقی معنوں میں روزہ ہو۔

۱۔ صدق و صبر کی تفصیل کیلئے کتاب ”جواہر الاسلام کا باب الاخلاق“ دیکھئے۔



شرمگاہ کی حفاظت:

یہ عفت اور پاکدامنی کی تعبیر ہے جو ضبطِ نفس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جو بندے کو بے حیائی کی طرف لیجاتے ہیں۔ مثلاً بدنظری وغیرہ۔ عقیف اور پاکدامن شخص تمام بے حیائیوں سے بچتا رہتا ہے۔

ذکر اللہ:

اللہ تعالیٰ کی یاد تمام مذکورہ بالا صفات کا منبع بھی ہے اور انکی محافظ بھی۔ جو بندہ جس قدر زیادہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور یاد رکھتا ہے اتنی ہی یہ صفات اس کے اندر پختہ ہوتی ہیں اور یہ نہ ہوتو آدمی ہوائے نفس کا شکار ہو کر بھٹک جاتا ہے۔

اور جس شخص کے اندر مذکورہ بالا صفات ہوں، اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ ہے اور جس کے اندر جس قدر یہ صفات زیادہ پائی جائیں گی اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اجر کا زیادہ مستحق ہوگا۔

**تلاشِ رزق اور کام کاج میں بھی کثرت سے ذکر کرنے کا حکم:**

رزق کی تلاش اور کام کاج کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ ذکرُ اللہ کی کثرت کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ: اے ایمان والو جب جمعہ کے دن کی نماز کیلئے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو اور (تلاشِ رزق اور کام کاج کے وقت بھی) اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (الجمعة، ۹-۱۰)۔

مطلب یہ ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد تمہارے لئے رزق کی تلاش اور اس کیلئے بھاگ دوڑ پر کوئی پابندی نہیں البتہ یہ ضرور ہو کہ کام کاج اور تلاشِ رزق کی مشغولیت میں اللہ تعالیٰ اور آخرت کو نہ بھولو اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خوب نگہداشت کرو، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکموں کو یاد

رکھو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو یہی ذکر الہی شیطان کے مکر و فریب اور فتنوں سے بچائے گا ورنہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو گئے تو شیطان تمہیں اس طرح اندھا بنا دے گا کہ حلال و حرام کا امتیاز نہیں رہے گا اور تمہاری دوڑ دھوپ ساری کی ساری دنیا کیلئے ہو کر رہ جائیگی، لہذا ضروری یہ ہے کہ معاشی سرگرمیوں کے دوران برابر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں اور کثرت سے اس کا ذکر کریں۔

**ذاکر کی زندگی اطمینان والی اور پرسکون ہوتی ہے:**

دولت، حکومت، منصب جاگیر اور شان و شوکت وغیرہ کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون اور اطمینان نہیں دلا سکتی یہ اطمینان و سکون صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور قوی تعلق سے حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ط أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ:

وہ لوگ جو ایمان لائے اور جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں سن لو؛ اللہ

تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے (الرعد-۲۸)۔

**اطمینان و سکون کس ذکرُ اللہ سے حاصل ہوتا ہے؟**

مطلب یہ ہے کہ ان کھول کرسن لو کہ اگر دلوں کا اطمینان و سکون چاہتے ہو تو یہ نعت صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم تو شب و روز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تہلیل و تحمید اور تمجید و تسبیح کرتے ہیں لیکن ہمیں اطمینان و سکون حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا ذکر ان کے دل و دماغ میں رچا بسا نہیں ہوتا ہے اور بندے کے دل میں ذکر حقیقی اور یاد الہی اس وقت خوب گھر کر لیتی ہے جب ان کے عقائد درست ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت و قوت اور آخرت پر غیر متزلزل یقین حاصل ہو اور یہ محکم ایمان و یقین اللہ تعالیٰ اور اس کی صفاتِ جمال و کمال، کائنات میں غور و فکر، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے احساس و شکر اور کثرتِ ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر مضبوط ایمان و یقین اور کثرتِ ذکر سے دلوں کا اضطراب اور وحشت دور ہو جاتی ہے روح کی پرورش ہوتی ہے دل و دماغ پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور قوی تعلق نہ ہو تو صرف زبانی ذکر سے حقیقی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ اَللّٰهُمَّ اَعِنَا عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (آمین)

## دعوت و تبلیغ اور دینی جدوجہد کے موقع پر کثرتِ ذکر کا حکم:

دعوت و تبلیغ ہو یا دین اسلام کیلئے کوئی اور جدوجہد ہو اس میں بھی کثرتِ ذکر مطلوب ہے بلکہ ایسے مواقع پر ذکر میں کوتاہی بھی دینی جدوجہد کو بے نور اور بے روح بنا دیتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کو فرعون کے پاس بھیجا تو ان دونوں کو جو خاص تاکید کی تھی وہ کثرتِ ذکر اور ذکر میں کوتاہی نہ کرنے کی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ارشاد فرماتے ہیں کہ:

إِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي:

(اے موسیٰ) تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرنا (طہ-۴۳)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں پوری مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال اور اوقات میں عموماً اور دعوت و تبلیغ و دینی جدوجہد کے وقت خصوصاً اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور اس میں سستی نہ کرو۔

## مصلح اور داعی کیلئے کثرتِ ذکر کی ضرورت:

یاد رکھیں کہ دعوت و تبلیغ کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں کیونکہ اس کی طرف اور اس کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے لہذا دعوت دینے والے کا جس قدر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا اسی قدر اس کی دعوت میں جان اور قوت ہوگی اور اسی قدر اس سے خیر پھیلے گی لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق کمزور ہو جائے تو اس کی یہ دعوت بے روح اور بے جان ہو جاتی ہے اور اگر یہ تعلق بالکل ہی منقطع ہو جائے تو پھر وہ دعوت بالکل شیطانی دعوت بن کر رہ جاتی ہے اگرچہ اس میں نام اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا لیا جائے۔ اس لئے ایسے مواقع پر اور زیادہ ذکر الہی کی ضرورت ہے! کیونکہ ذکر الہی ہی تعلق مع اللہ کا محافظ ہے اور اس کے سبب یہ تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہتا ہے نیز یہی کثرتِ ذکر اہل اللہ و داعیانِ حق اور مصلحین کی کامیابی کا بہت بڑا سبب بھی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں بہترین اور اول نمبر کا ہتھیار بھی ہے۔ اس سے انسان کے اندر عزم و ہمت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی ذکر کرنے والوں میں شمار کرے (آمین)۔

## جہاد میں کثرتِ ذکر کا حکم اور اس کی ضرورت:

کفار و مشرکین اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ لڑنے اور جہاد کے وقت کثرتِ ذکر کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ:

اے ایمان والو جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (انفال-۴۵)۔

انسان کی اصل قوت دل کی قوت ہے اور دل کی قوت ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر اللہ کی کثرت ایمان کو تازہ رکھتی ہے اور اس کے نور کو بڑھاتی رہتی ہے اس لئے ذکر الہی صبر و استقامت اور ثابت قدمی کا بہت بڑا ذریعہ ہے اس لئے جب حالات سخت ہوں اور جن میں صبر و استقامت کی زیادہ ضرورت ہو وہاں زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے مواقع میں کثرتِ ذکر کا حکم فرمایا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کا سب سے بڑا ہتھیار نماز، تسبیح و تہلیل، تکبیر وغیرہ اور اذکار کی کثرت تھی۔

## ذکر الہی کے بغیر جہاد صرف جنگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے:

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی جہاد صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے اور حق کی حمایت کیلئے ہو، ظاہر ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا اسی قدر حق کی حمایت اور جہاد میں اخلاص و للہیت ہوگی اور جس قدر یہ تعلق کمزور ہوگا اسی قدر جہاد بے نور اور بے روح ہوگا اور اگر یہ تعلق بالکل منقطع ہو تو یہ جہاد کے بجائے قومی، ملکی اور دنیوی مفادات کے حصول کی جنگ بن جائیگا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ”تغلبون“ کے بجائے ”تفلسحون“ کا لفظ استعمال فرمایا اور فلاح ایک جامع لفظ ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی کامیابیوں اور ترقیوں پر مشتمل ہے لہذا یہاں فلاح سے مطلب صرف یہ نہیں کہ تم غلبہ حاصل کرو کیونکہ فتح اور غلبہ تو کبھی بغیر ذکر الہی کے بھی حاصل ہوتا ہے، کافر و مشرک تو میں بھی ایک دوسرے پر فتح و غلبہ حاصل کرتی رہتی ہیں بلکہ کبھی حق و باطل کی جنگ میں بھی عارضی طور پر اہل حق کو شکست ہو جاتی ہے۔ لہذا ہر غلبہ اور فتح فلاح کا ذریعہ نہیں ہو سکتا بلکہ فلاح صرف اسی غلبہ اور فتح سے حاصل ہوگی جس کی بنیاد ذکر الہی پر ہو۔

## مردانِ خدا کون لوگ ہیں؟

مردانِ خدا اور اللہ تعالیٰ کے سچے بندے وہی لوگ ہیں جو کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ

الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ: وہ (جوان) مرد جن کو

تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی اور نہ نماز کے قیام و اہتمام

سے اور نہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے، وہ ایک ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں

الٹ (اور مضطرب) ہو جائیں گے (نور-۳۷)۔



## مؤمن کی شان ہمہ وقت یادِ الہی ہے:

لفظ رجال سے ان لوگوں کی انتہائی درجہ کی تعریف واضح ہے یعنی یہ وہ مردانِ خدا ہیں کہ انہیں دنیا کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی انہیں ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی رضا و خوشنودی مطلوب ہے اور مؤمن کی شان یہی ہے کہ وہ تجارت خرید و فروخت کسب و ہنر سب کچھ کرے لیکن وہ کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے فرائض و احکام کی بجا آوری سے غافل نہ ہو۔

## منافع اور مؤمن کی تجارت ولین دین میں فرق:

مؤمن بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اس کے حکموں کو یاد رکھتا ہے۔ اس کے برعکس منافق دنیا کی محبت اور لالچ میں اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون میں منافق اور ڈانواں ڈول قسم کے لوگوں کے رویہ کو بیان کر کے اس کے بعد مؤمنوں کو خطاب فرمایا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ

ذَلِكَ فَآلَيْكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ: اے ایمان والو! تمہیں تمہارے اموال اور تمہاری

اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو کوئی ایسا کرے گا (کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر

سے غافل ہو جائے) تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں (منافقون-۹)۔

اس آیت کریمہ میں مؤمنوں کو منافقوں کے طریقہ کار اور رویہ سے پرہیز کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ ان لوگوں کے اموال اور اولاد نے ان کو اپنے پروردگار کے ذکر سے اور اس کے فرائض و احکامات سے غافل کر دیا ہے؛ اے مسلمانوں تم ایسا نہ کرنا کیونکہ جو شخص دنیا کی محبت میں کھو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ سراسر خسارے اور نقصان میں پڑ جاتا ہے اور حقیقی نفع و فلاح پانے والے لوگ وہی ہیں جو اپنی زندگی کے لمحات اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نبی کریم ﷺ کی اتباع میں بسر کر دیتے ہیں۔

## اللہ اکبر – وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ:

اللہ تعالیٰ بے انتہا بڑے ہیں اور ان کا ذکر اور ان کی یاد بھی بہت ہی بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ: اور نماز کو قائم کرو بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے

روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

(عنکبوت-۴۵)۔

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ نماز آدمی کو تمام برائیوں سے روکتی ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں جو لوگ نماز کو اس کی شرائط و آداب اور پورے خشوع اور اخلاص و اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں تو وہ ایسی نماز کے سبب برائیوں سے رک جاتے ہیں جیسا کہ اس کی پوری تفصیل اس کتاب کی ابتداء میں گذر چکی ہے۔ نماز کے قیام و اہتمام کے حکم کے بعد فرمایا کہ ”وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ“ اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ اس کی وجہ بتائی گئی کہ نماز برائیوں سے روکنے والی ہے کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور جس شخص کا دل یادِ الہی سے معمور ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات اپنے دنیوی مفادات اور خواہشات نفس سے زیادہ محبوب ہونگے اور وہ ہر اس کام سے نفرت کرے گا جو اس کے محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوں۔

## ذکر اللہ کی خاصیتیں

اللہ تعالیٰ کا ذکر دل کو نرم و روشن اور اللہ تعالیٰ کی طرف مائل کر دیتا ہے بندے کے دل کو بری عادتوں اور برے اخلاق سے پاک کر دیتا ہے اور اچھے اخلاق و جذبات سے دل کو سنوارتا ہے، ذکر کے نور سے ذکر کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص نسبت و تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کے بعد وہ اللہ عز و جل کی رضا و خوشنودی اور اس کے قرب کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی بے چون و چرا تعمیل اور نواہی سے پرہیز اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے ذکر کی قوت ذکر کو ہر وقت اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کے حصول میں سرگرم رکھتی ہے۔ ذکر کے نور اور تجلیات سے شبہات اور بے یقینی کے اندھیرے بھاگ جاتے ہیں یہ روح کی غذا ہے اور اس سے روح کو تقویت ملتی ہے اور اس سے انسان کے اندر نیکی کی پوشیدہ صلاحیتیں نشو و نما پاتی ہیں اس کی وجہ سے بندے کو قلبی اطمینان اور سکون کی نعمت حاصل ہوتی ہے ذکر اس کے دل کو گھبراہٹ اور اضطراب سے بچا لیتا ہے اس کے اندر عزم و حوصلہ اور ہمت کو بڑھا دیتا ہے یہی وہ چیز ہے جو نماز، جہاد، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اوراد وغیرہ تمام عبادات اور تمام دینی اعمال کی روح ہے یہ نہ ہو تو عبادت جسد بے روح بن جاتی ہے اور یہی ذکر وہ قوت ہے جو انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ جنتوں پر پہنچا دیتی ہے اس لئے ذکر اللہ اور یادِ الہی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، اصل فضیلت اسی کو ہے یوں عارضی طور پر اگر کوئی عمل ذکر اللہ سے سبقت لے جائے وہ دوسری بات ہے بلکہ بہر حال اللہ تعالیٰ کی یاد تمام اعمال سے افضل اور بڑھ کر ہے اور جب وہ نماز کی صورت اور اس کے ضمن میں ہو تو وہ افضل تر ہوگا لہذا بندے کو چاہیے کہ کسی وقت بھی ذکر الہی سے غافل نہ ہو اور بندہ ہمیشہ اس حقیقت کو یاد رکھے کہ جو ذکر ذکر کو احکام الہی کا پابند اور ظلم و زیادتی اور بے حیائی کے کاموں سے نہ روکے تو اس کو ذکر کی حقیقت حاصل نہیں اور اب تک اس کا ذکر، ذکر نہیں بلکہ صرف ورد ہے۔

## فضائل ذکر کے بارے میں احادیث

فضائل ذکر کے بارے میں جو احادیث اور ان کی تشریح و تفصیل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور جو احادیث حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنی کتاب معارف الحدیث میں لکھی ہیں ان میں سے کچھ کو مع ان کی تشریح و تفصیل کے ساتھ یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث ”احادیث ذکر“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں، جبکہ اس مضمون میں قرآن پاک کی آیات اس کثرت سے موجود ہیں تو احادیث کا کیا پوچھنا کیونکہ قرآن مجید کے کل تیس پارے ہیں اور حدیث شریف کی لاتعداد کتابیں ہیں اور ہر کتاب میں بے شمار حدیثیں ہیں ایک بخاری شریف ہی کے بڑے بڑے تیس پارے ہیں اور ابوداؤد شریف کے بتیس پارے ہیں اور کوئی کتاب بھی ایسی نہیں کہ اس مبارک ذکر سے خالی ہو اس لئے احادیث کا احاطہ تو کون کر سکتا ہے نمونہ اور عمل کے واسطے ایک آیت اور ایک حدیث بھی کافی ہے اور جس کو عمل ہی نہیں کرنا اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہیں۔ گَمَثِلِ الْجِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شَيْئًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْسِي أَتَيْتُهُ هَرُولَةً. رواه احمد و البخارى و مسلم و الترمذى و النسائى و ابن ماجة و البيهقى فى الشعب و اخرج احمد و البيهقى فى الاسماء و الصفات عن انس بمعناه بلفظ يا ابن ادم اذا ذكرتنى فى نفسك الحديث و فى الباب عن معاذ بن انس عند الطبرانى باسناد حسن و عن ابن عباس عند البزار باسناد صحيح و البيهقى و غيرهما و عن ابى هريرة عند ابن ماجة و ابن حبان و غيرهما بلفظ انا مع عبدى اذا ذكرنى و تحركت بى شفتاه كما فى الدر المنثور و الترغيب للمندرى و المشكوة مختصراً و فيه برواية مسلم عن ابى ذر بمعناه و فى الاتحاف علقه البخارى عن ابى هريرة بصيغة الجزم و رواه ابن حبان من حديث ابى الدرداء ٥١: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور

اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

(ف) اس حدیث شریف میں کئی مضمون وارد ہیں۔ اوّل یہ کہ بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ کرتا ہوں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ سے اس کے لطف و کرم کی امید رکھنا چاہیے اس کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے۔ یقیناً ہم لوگ گنہگار ہیں اور سراپا گناہ اور اپنی حرکتوں اور گناہوں کی سزا اور بدلے کا یقین ہے لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہونا چاہیے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ شانہ محض اپنے لطف و کرم سے بالکل ہی معاف فرمادیں۔ کلام اللہ شریف میں وارد ہے کہ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ: حق تعالیٰ شانہ شرک کے گناہ کو تو معاف نہیں فرمائیں گے اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے سب کچھ معاف فرمائیں گے، لیکن ضروری نہیں کہ معاف فرما ہی دیں اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ ایمان امید و خوف کے درمیان ہے حضور اقدس ﷺ ایک نوجوان صحابی کے پاس تشریف لے گئے وہ نزاع کی حالت میں تھے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کس حال میں ہو عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں یعنی امید و خوف جس بندہ کے دل میں ایسی حالت میں ہوں! تو اللہ جل شانہ جو امید ہے وہ عطا فرمادیتے ہیں اور جس کا خوف ہے اس سے امن عطا فرمادیتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ مومن اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور وہ پہاڑ اس پر گرنے لگا اور جا فرخض گناہ کو ایسا سمجھتا ہے گویا ایک مکھی بیٹھی تھی اڑادی یعنی ذرا پروا نہیں ہوتی مقصود یہ ہے کہ گناہ کا خوف اس کے مناسب ہونا چاہیے اور رحمت کی امید اس کے مناسب۔

حضرت معاذ طاعون میں شہید ہوئے انتقال کے قریب زمانہ میں بار بار غشی ہوتی تھی جب افاقہ ہوتا تو فرماتے یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے تیری عزت کی قسم تجھے یہ بات معلوم ہے جب بالکل موت کا وقت قریب آ گیا تو فرمایا کہ اے موت ترا آنا مبارک ہے کیا ہی مبارک مہمان آیا مگر فاقہ کی حالت میں یہ مہمان آیا ہے اس کے بعد فرمایا اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں ہمیشہ تجھ سے ڈرتا رہا آج تیرا امیدوار ہوں یا اللہ مجھے زندگی کی محبت تھی مگر نہریں کھودنے اور باغ لگانے کے واسطے نہیں تھی بلکہ گرمیوں کی شدت پیاس برداشت کرتے اور (دین کی خاطر) مشقیں جھیلنے کے واسطے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس جم کر بیٹھنے کے واسطے تھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث بالا میں گمان کے موافق معاملہ عام حالات کے اعتبار سے ہے خاص مغفرت کے متعلق

۱۔ یعنی مرتے وقت کی حالت میں جس کو امید بھی ہو اور خوف بھی۔





(ف) جدائی کے وقت کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ کو اہل یمن کی تبلیغ و تعلیم کیلئے یمن کا امیر بنا کر بھیجا تھا، اس وقت رخصت کے وقت حضور ﷺ نے کچھ وصیتیں بھی فرمائی تھیں اور انھوں نے بھی کچھ سوالات کئے تھے۔ شریعت کے احکام بہت سے ہونیکا مطلب یہ ہے کہ ہر حکم کی بجا آوری تو ضروری ہے ہی لیکن ہر چیز میں کمال پیدا کرنا اور اس کو مستقل مشغلہ بنانا دشوار ہے اس لئے ان میں سے ایک چیز جو سب سے اہم ہو مجھے ایسی بتا دیجئے کہ اس کو مضبوط پکڑ لوں اور ہر وقت ہر جگہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرتا رہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو یہ مل جائیں اس کو دین و دنیا کی بھلائی مل جائے۔ ایک وہ زبان جو ذکر میں مشغول رہنے والی ہو۔ دوسرے وہ دل جو شکر میں مشغول رہتا ہو۔ تیسرے وہ بدن جو مشقت برداشت کرنے والا ہو۔ چوتھے وہ بیوی جو اپنے نفس میں اور خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے۔ نفس میں خیانت یہ ہے کہ کسی قسم کی گندگی میں مبتلا ہو جائے۔ رطبُ اللسان کا مطلب اکثر علماء نے کثرت کا لکھا ہے اور یہ عام محاورہ ہے۔ ہمارے عرف میں بھی جو شخص کسی کی تعریف یا تذکرہ کثرت سے کرتا ہے تو یہ بولا جاتا ہے کہ فلاں کی تعریف میں رطبُ اللسان ہے۔ مگر بندہ ناچیز کے خیال میں ایک دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ جس سے عشق و محبت ہوتی ہے اس کے نام لینے سے منہ میں ایک لذت اور مزہ محسوس ہوا کرتا ہے جن کو باب عشق سے کچھ سابقہ پڑ چکا ہے وہ اس سے واقف ہیں۔ اس بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس لذت سے اللہ کا پاک نام لیا جائے کہ مزہ آجائے۔ میں نے اپنے بعض بزرگوں کو بکثرت دیکھا ہے کہ ذکر بالجبر کرتے ہوئے ایسی طراوت آ جاتی ہے کہ پاس بیٹھنے والا بھی اس کو محسوس کرتا ہے اور ایسا منہ میں پانی بھر جاتا ہے کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا ہے مگر یہ جب حاصل ہوتا ہے کہ جب دل میں چمک ہو اور زبان کثرت ذکر کے ساتھ مانوس ہو چکی ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ سے محبت کی علامت اس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ سے بغض کی علامت اس کے ذکر سے بغض ہے۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہتی ہے وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُنبِئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعَهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ انْفَاقِ الدَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ قَالَ ذِكُرُوا اللَّهَ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ أَبِي الدُّنْيَا وَالحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ وَالبَيْهَقِيُّ كَذَافِي الدِّر وَالْحَصْنُ الْحَصِينُ قُلْتُ قَالَ الْحَاكِمُ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَخْرُجَاهُ وَاقْرَهُ عَلَيْهِ الذَّهَبِيُّ وَرَقْمَ لَهُ

۱۔ اللہ کے ذکر سے بغض کا مطلب ہے کہ آدمی کو وہ پسند نہ ہو اور ذکر نہ کرتا ہو۔

فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِالصَّحَّةِ وَ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ كَذَافِي الدِّر وَفِيهِ اِيضًا بِرَوَايَةِ أَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالبَيْهَقِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنِ الْعَاذِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِينَ حَتَّى يَنْكَسِرَ وَ يَخْتَضِبَ دَمًا لَكَانَ الذَّاكِرُونَ اللَّهَ أَفْضَلَ مِنْهُ دَرَجَةً: حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور بتادیں، آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کا ذکر ہے

(ف) یہ عام حالت اور ہر وقت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا ہے ورنہ وقتی ضرورت کے اعتبار سے صدقہ جہاد وغیرہ امور سب سے افضل ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ان چیزوں کی افضلیت بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ کہ انکی ضرورتیں وقتی ہیں اور اللہ پاک کا ذکر دائمی چیز ہے اور سب سے زیادہ اہم اور افضل ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کیلئے کوئی صاف کر نیوالی اور میل پکیں دور کر نیوالی چیز ہوتی ہے (مثلاً کپڑے اور بدن کیلئے صابون، لوہے کیلئے آگ کی بھٹی وغیرہ وغیرہ) دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس حدیث میں چونکہ ذکر کو دل کی صفائی کا ذریعہ اور سبب بتایا ہے اس سے بھی اللہ کے ذکر کا سب سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ ہر عبادت اسی وقت عبادت ہو سکتی ہے جب اخلاص سے ہو اور اس کا مدار دلوں کی صفائی پر ہے اسی وجہ سے بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے نہ کہ زبانی ذکر اور ذکر قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ کیساتھ وابستہ ہو جائے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ حالت ساری عبادتوں سے افضل ہے اس لئے کہ جب یہ حالت ہو جائے تو پھر کوئی عبادت چھوٹ ہی نہیں سکتی کہ سارے اعضاء ظاہرہ و باطنہ دل کے تابع ہیں۔ جس چیز کے ساتھ دل وابستہ ہو جاتا ہے سارے ہی اعضاء اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ عشاق کے حالات سے کون بے خبر ہے۔ اور بھی بہت سی احادیث میں ذکر کا سب سے افضل ہونا وارد ہوا ہے۔ حضرت سلمانؓ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عمل کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا۔ قرآن پاک میں ہے۔ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ کوئی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں۔ حضرت سلمانؓ نے جس آیت شریفہ کی طرف



اشارہ فرمایا وہ اکیسویں پارہ کی پہلی آیت ہے۔ صاحب مجالس الابراہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے ذکر کو صدقہ اور جہاد اور ساری عبادات سے افضل اس لئے فرمایا کہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ساری عبادتیں اس کا ذریعہ اور آلہ ہیں اور ذکر بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک زبانی اور ایک قلبی جو زبان سے بھی افضل ہے اور وہ مراقبہ اور دل کی سوچ ہے اور یہی مراد ہے اس حدیث سے جس میں آیا کہ ایک گھڑی کا سوچنا ستر برس کی عبادت سے افضل ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت سہلؓ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا ذکر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے سات لاکھ حصے زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ صدقہ اور جہاد وغیرہ جو وقتی چیزیں ہیں وقتی ضرورت کے اعتبار سے ان کی فضیلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ لہذا ان احادیث میں کوئی اشکال نہیں جن میں ان چیزوں کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر کا اللہ کے راستہ میں کھڑا ہونا اپنے گھر پر ستر سال کی نماز سے افضل ہے۔ حالانکہ نماز بالاتفاق افضل ترین عبادت ہے۔ لیکن کفار کے ہجوم کے وقت جہاد اس سے بہت زیادہ افضل ہو جاتا ہے<sup>۱</sup> (فضائل ذکر، ص ۱۲ تا ۲۰)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيرُ فِي طَرِيقٍ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلَى جَبَلٍ يُقَالُ لَهُ، جَمْدَانُ فَقَالَ سِيرُوا هَذَا جَمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُونَ، قَالُوا وَمَا الْمُفَرِّدُونَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ الدَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّكِرَاتُ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لئے جا رہے تھے، راستے میں جمدان نامی پہاڑ پر سے گزر رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پہاڑ جمدان ہے، مُفَرِّدُونَ سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا مُفَرِّدُونَ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور زیادہ ذکر کرنے والی بندیاں (رواہ مسلم)۔

(تشریح) جمدان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہی ایک دن کی مسافت پر ہے۔ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس کا شعور و احساس اس حصہ زمین کو ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ۔ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ کیا آج اللہ کا نام لینے والا کوئی بندہ تجھ پر سے گزرا؟ جب وہ بتاتا ہے کہ ہاں گزرا تو وہ کہتا ہے کہ تجھے بشارت ہو، مبارک ہو،۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمدان پہاڑ پر سے گزرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات مشکف ہوئی کہ جو زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں ہیں انھوں نے قبول و رضا کے بڑے مقامات حاصل کر لئے اور وہ بہت آگے بڑھ گئے، تو آپ نے یہ بات فرمائی کہ مُفَرِّدُونَ یعنی بہت زیادہ ذکر کرنے والے سبقت لے گئے۔ مُفَرِّدُونَ کے لغوی معنی ہیں

۱۔ اس کی پوری تفصیل راقم الحروف کی کتاب ”مسک اعتدال“ میں پڑھ لیجئے۔

اپنے کو سب سے الگ اور اکیلا اور ہلکا پھلکا کر لینے والے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے قرب و رضا کی طلب میں اپنے کو اس دنیا کی الجھنوں سے ہلکا کر لیں، اور سب طرف سے کٹ کے اکیلے اللہ کے ہو جائیں، یہی مقام تفرید ہے۔ اور یہی قرآن مجید کی خاص اصطلاح میں تبذل ہے (وَإِذْ كَرَّمْنَا رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِلًا) پس ”الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا“ کے مصداق وہی بندے ہیں جن کا یہ حال ہو اور جنھوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ جل جلالہ کو اپنا قبلہ و مقصود بنالیا ہو (معارف الحدیث، ج ۵، ص ۳۳ تا ۳۵)۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ، كَانَ يَقُولُ لِكُلِّ شَيْءٍ صِفَالَةٌ وَصِفَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ قَالُوا وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ وَلَا أَنْ يَضْرِبَ بِسَيْفِهِ حَتَّى يَنْقَطِعَ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ، ہر چیز کی صفائی کیلئے کوئی صیقل ہے، اور قلوب کی صیقل (یعنی ان کی صفائی کا خاص مسالہ) ذکر اللہ ہے، اور اللہ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر مؤثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز مؤثر نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں؛ وہ جہاد بھی عذاب خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر مؤثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہاد کرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں ذکر اللہ افضل اور عند اللہ محبوب تر ہے (وَلَسَدِ كُرُّ اللَّهِ أَكْبَرُ) بندے کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب اور اس کی وجہ سے جو سعادت اور شرف ذکر کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا، بشرطیکہ یہ ذکر عظمت اور محبت و خشیت اور دل کی توجہ کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ؛

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ: تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا

اور حدیث قدسی؛

أَنَا جَلِيسٌ مَنْ ذَكَرَنِي -- وَ أَنَا مَعَ عَبْدِي إِذَا ذَكَرَنِي وَ تَحَوَّكْتُ بِي شَفَتَاهُ: میں اپنے ذکر کرنے والے بندے کے ساتھ اور اس کا ہم نشین رہتا ہوں: اور میرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرا ذکر کرنے سے حرکت کرتے ہیں تو بس اس کے بالکل پاس اور ساتھ ہوتا ہوں۔

بہر حال قرآن وحدیث کے ان واضح نصوص کا مدعا یہی ہے کہ تمام اعمال صالحہ میں ذکر اللہ ہی افضل اور عند اللہ

محبوب تر اور اس کے قرب و رضا کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس ذکر میں نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ اس قسم کی عبادات سب داخل ہیں۔

## خاص ذکر لسانی کی فضیلت:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ قَالَ جَاءَ أَغْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فَقَالَ طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمْرُهُ، وَحَسَنَ عَمَلُهُ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ أَنْ تَفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ: حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کے آدمیوں کا انجام زیادہ اچھا ہو نیوالا ہے)، آپ نے فرمایا وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اعمال میں کون عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم دنیا کو خیر باد کہو اور اس وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو (رواہ احمد و الترمذی)۔

(تشریح) پہلے سوال کے جواب میں رسول اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کے ساتھ عمر جتنی زیادہ ہوگی بندہ اتنی ہی ترقی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوگا۔ دوسرے سوال کے جواب میں آپ نے سب سے اچھا عمل یہ بتایا کہ مرتے دم تک اور خاص کر آخری وقت میں بندہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہو۔ یعنی اس کی زبان پر ذوق اور لذت کے ساتھ اللہ کا نام ہو۔ بلاشبہ یہ عمل اور یہ حال بڑا ہی عزیز اور قیمتی ہے، اور جو بندہ اس کی قدر جانتا ہو وہ سب کچھ دے کے بھی اس کو لینے کیلئے خوشی سے آمادہ ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بات اسی بندے کو نصیب ہوگی جو زندگی میں اللہ کے ذکر سے خاص مناسبت پیدا کر لے، اور ذکر اللہ اس کی روح کی لذیذ غذا بن جائے (معارف الحدیث، ج ۵، ۳۸ تا ۳۹)۔

## ذاکرین زندہ ہیں اور ذکر نہ کرنے والے مردہ:

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ، وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ، مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَ الْمُسْلِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ كَذَا فِي الدَّرَوَالِ الْمَشْكُوتِ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

(ف) زندگی ہر شخص کو محبوب ہے اور مرنے سے ہر شخص ہی گھبراتا ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ زندہ بھی مردے ہی کے حکم میں ہے اس کی زندگی بیکار ہے۔

نقوال گفت حیاتے کہ مراست  
زندہ آنست کہ باد وست وصالے دارد ۱

بعض علماء نے فرمایا ہے یہ دل کی حالت کا بیان ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کا دل زندہ رہتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کا دل مر جاتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا کی تشبیہ نفع و نقصان کے اعتبار سے ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے شخص کو جو ستائے وہ ایسا ہے جیسا کسی زندہ کو ستائے کہ اس سے انتقام لیا جائے گا اور وہ اپنے کئے کو بھگتے گا اور غیر ذاکر کو ستانے والا ایسا ہے جیسا مردے کا ستانے والا کہ وہ خود انتقام نہیں لے سکتا۔ صوفیا کہتے ہیں کہ اس سے ہمیشہ کی زندگی مراد ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے اخلاص کیساتھ کرنے والے مرتے ہی نہیں بلکہ وہ اس دنیا سے منتقل ہو جانے کے بعد بھی زندوں ہی کے حکم میں رہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں شہید کے متعلق وارد ہوا ہے: بَلْ أَحْيَا ۖ عَنْهُمْ رَبُّهُمْ اِسی طرح ان کے لئے بھی ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔ حکیم ترمذی کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کو تر کرتا ہے اور نرمی پیدا کرتا ہے اور جب دل اللہ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے تو نفس کی گرمی اور شہوت کی آگ سے خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے اور سارے اعضاء سخت ہو جاتے ہیں۔ اطاعت سے رک جاتے ہیں اگر ان اعضاء کو کھینچو تو ٹوٹ جائیں گے جیسے کہ خشک لکڑی کہ جھکانے سے نہیں جھکتی صرف کاٹ کر جلا دینے کے کام کی رہ جاتی ہے۔

## ذکر اللہ کے بغیر گزرے ہوئے لمحے جنت میں باعثِ حسرت ہونگے:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ يَتَحَسَّرُ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلَّا أَعْلَى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ تَعَالَى فِيهَا أَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ كَذَا فِي الدَّرَوَالِ فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الشَّعْبِ وَرَقَمَ لَهُ بِالْحَسَنِ وَ فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَرَجَّاهُ ثَقَاتُ وَ فِي شَيْخِ الطَّبْرَانِيِّ خِلَافَ وَ أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ عَائِشَةَ بِمَعْنَاهُ مَرْفُوعًا كَذَا فِي الدَّرَوَالِ فِي التَّرْغِيبِ بِمَعْنَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا وَقَالَ رَوَاهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا قلق و افسوس نہیں ہوگا۔ بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو ۲

۱۔ کہتے ہیں کہ وہ زندگی ہی نہیں ہے جو میری ہے..... زندہ وہ ہے جس کو دوست کا وصال حاصل ہو

۲۔ کیونکہ وہاں دنیا کی ہر چیز سے بہتر چیزیں ہوں گی مگر عمل کا موقع نہ ہوگا۔



(ف) جنت میں جانے کے بعد جب یہ منظر سامنے ہوگا کہ ایک دفعہ اس پاک نام کو لینے کا اجر و ثواب کتنی زیادہ مقدار میں ہے کہ پہاڑوں کے برابر مل رہا ہے۔ تو اس وقت اپنی اس کمائی کے نقصان پر جس قدر بھی افسوس ہوگا ظاہر ہے ایسے خوش نصیب بندے بھی جن کو دنیا ہی بغیر ذکر اللہ کے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ بن حجر نے منہیات میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معاذ رازیؒ اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے۔

إِلٰهِي لَا يَطْلُبُ اللَّيْلُ إِلَّا بِمُنَاجَاتِكَ وَلَا يَطْلُبُ النَّهَارُ إِلَّا بِطَاعَتِكَ وَلَا تَطْلُبُ الدُّنْيَا إِلَّا بِذِكْرِكَ وَلَا تَطْلُبُ الْآخِرَةُ إِلَّا بِعَفْوِكَ وَلَا تَطْلُبُ الْجَنَّةُ إِلَّا بِرُؤُوتِكَ: یا اللہ رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ اور دن اچھا نہیں معلوم ہوتا مگر تیری عبادت کے ساتھ اور دنیا اچھی نہیں معلوم ہوتی مگر تیرے ذکر کے ساتھ اور آخرت بھلی نہیں مگر تیری معافی کے ساتھ اور جنت میں لطف نہیں مگر تیرے دیدار کے ساتھ۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جرحائی کو دیکھا کہ ستو پھانک رہے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ خشک ہی پھانک رہے ہو کہنے لگے کہ میں نے روٹی چبانے اور پھانکنے کا جب حساب لگایا تو چبانے میں اتنا وقت خرچ ہوتا ہے کہ اس میں آدمی ستر مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے اس لئے میں نے چالیس برس سے روٹی کھانا چھوڑ دی ستو پھانک کر گزر کر لیتا ہوں۔ منصور بن معتمر کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک عشاء کے بعد کسی سے بات نہیں کی۔ ربیع بن ہشیم کے متعلق لکھا ہے کہ بیس برس تک جو بات کرتے اس کو ایک پرچہ پر لکھ لیتے اور رات کو اپنے دل سے حساب کرتے کہ کتنی بات اس میں ضروری تھی اور کتنی غیر ضروری (فضائل ذکر ہس۔ ۲۱ تا ۲۴)۔

## عذاب قبر سے نجات دینے والا عمل:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ آدَمِيُّ عَمَلًا أَنْجَحَهُ لَهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ آخِرُ حَرْفِهِ أَحْمَدُ كَذَا فِي الدَّرَوَالِي أَحْمَدُ عَزَاهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بَلْفَظْ أَنْجَحَهُ لَهُ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ وَرَقْمَ لَهُ بِالصَّحِيحَةِ وَفِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَجَالَهُ رَجَالُ الصَّحِيحِ إِلَّا أَنْ زِيَادًا لَمْ يَدْرِكْ مُعَاذًا ثُمَّ ذَكَرَهُ بِطَرِيقٍ آخَرَ وَقَالَ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَرَجَالَهُ رَجَالُ الصَّحِيحِ قُلْتُ وَفِي الْمَشْكُوتِ عَنْهُ مَوْقُوفًا بَلْفَظْ مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا أَنْجَحَهُ لَهُ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَقَالَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ أَهْ قُلْتُ وَهَكَذَا رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَاقِرُهُ عَلَيْهِ الذَّهَبِيُّ وَفِي الْمَشْكُوتِ بِرَوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ فِي الدَّعَوَاتِ عَنْ ابْنِ عَمْرِو مَرْفُوعًا بِمَعْنَاهُ قَالَ الْقَارِي رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ أَبِي الدُّنْيَا وَذَكَرَهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرَوَايَةِ

الْبَيْهَقِيُّ فِي الشَّعْبِ وَرَقْمَ لَهُ بِالضَّعْفِ وَزَادَ فِي أَوَّلِهِ لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةً وَصَقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ وَفِي الزَّوَائِدِ بِرَوَايَةِ جَابِرٍ مَرْفُوعًا نَحْوَهُ وَقَالَ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الصَّغِيرِ وَالْأَوْسَطِ وَرَجَالُهُمَا رَجَالُ الصَّحِيحِ اه: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے۔

(ف) عذاب قبر کتنی سخت چیز ہے اس سے وہی لوگ واقف ہیں جن کے سامنے وہ احادیث ہیں جو عذاب قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنت کے دوزخ کے ذکر سے ایسا نہیں روتے جیسا کہ قبر کے سامنے آ جانے سے روتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے جو شخص اس سے نجات پالے، بعد کی سب منزلیں اس پر سہل ہو جاتی ہیں اور جو اس سے نجات نہ پالے بعد کی منزلیں دشوار ہی ہوتی جاتی ہیں۔ پھر آپ نے حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد سنایا کہ حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ گھبراہٹ والا نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت زیدؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم ڈرو اور خوف کی وجہ سے مردوں کا دفن کرنا چھوڑ دو گے۔ ورنہ میں اس کی دعا کرتا کہ اللہ جل شانہ تمہیں بھی عذاب قبر سنا دے۔ آدمیوں اور جنات کے سوا اور جاندار عذاب قبر کو سنتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جا رہے تھے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی بدکنے لگی۔ کسی نے پوچھا حضور ﷺ کی اونٹنی کو کیا ہوا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے اس کی آواز سے بدکنے لگی۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو اکثر یاد کیا کرو تو یہ بات نہ ہو۔ کوئی دن قبر پر ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ یہ اعلان نہیں کرتی کہ میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، کیڑوں اور جانوروں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مؤمن (کامل ایمان والا) دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرا آنا مبارک ہے، تو نے بہت ہی اچھا کیا کہ آگیا۔ جتنے لوگ میری پشت پر یعنی زمین پر چلتے تھے تو ان سب میں مجھے بہت محبوب تھا۔ آج تو میرے سپرد ہوا تو میرا حسن سلوک بھی دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ اس قدر وسیع ہو جاتی ہے کہ منہائے نظر تک کھل جاتی ہے اور جنت کا ایک دروازہ اس میں کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوائیں خوشبوئیں وغیرہ پہنچتی رہتی ہیں اور جب کافر کا دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ے کہ تیرا آنا منحوس اور نامبارک ہے کیا ضرورت تھی تیرے آنے کی جتنے آدمی میری پشت پر چلتے تھے سب میں زیادہ بغض مجھے تجھ سے تھا آج تو میرے حوالہ ہوا تو میرا معاملہ بھی

دیکھے گا۔ اس کے بعد اسکو اس قدر زور سے بھینچتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں جس طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے انگلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ اس کے بعد نوے یا ننانوے اڑ دھے اس پر مسلط ہو جاتے ہیں جو اسکو نوچتے رہتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک اڑ دھا بھی ان میں سے زمین پر پھنکار مار دے تو قیامت تک زمین میں گھاس نہ اُگے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا۔ ایک حدیث میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ کا دو قبروں پر گذر ہوا، ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک کو غلخوری کے جرم میں دوسرے کو پیشاب کی احتیاط نہ کرنے کے جرم میں (کہ بدن کو اس سے بچانا نہ تھا) ہمارے کتنے مہذب لوگ ہیں جو استنجہ کو عیب سمجھتے ہیں اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ علماء نے پیشاب سے نہ بچنا گناہِ کبیرہ بتایا ہے۔ ابن حجرؒ مکی نے لکھا ہے کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا کہ قبر میں سب سے پہلے مطالبہ پیشاب کا ہوتا ہے بالجملہ عذاب قبر سخت چیز ہے اور جیسا کہ اس کے ہونے میں بعض گناہوں کو خاص دخل ہے اسی طرح اس سے بچنے میں بھی بعض عبادات کو خصوصی شرافت حاصل ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ سورۃ تبارک الذی کا ہر رات کو پڑھتے رہنا عذاب قبر سے نجات کا سبب ہے اور عذاب جہنم سے بھی حفاظت کا سبب ہے اور اللہ کے ذکر کے بارے میں تو حدیث بالا ہے ہی (فضائل ذکر ص، ۳۱-۳۳)۔

**اتنی کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تم کو مجنون اور دیوانہ کہنے لگیں:**

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَكْثَرُ مَا ذَكَرَ اللَّهُ حَتَّى يَقُولُوا مَجْنُونٌ. رواه احمد وابو يعلى وابن حبان والحاكم في صحيحه وقال صحيح الاسناد وروى عن ابن عباس مرفوعاً بلفظ أَذْكَرُ اللَّهِ ذِكْرًا يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ إِنَّكُمْ مُرَاؤُونَ رواه الطبرانی ورواه البيهقي عن أبي الجوزاء مرسلاً كذا في الترغيب والمقاصد الحسنة للسخاوي وهكذا في الدر المنثور للسيوطي الا انه عزاه حديث أبي الجوزاء الى عبد الله ابن احمد في زوائد الزهد وعزاه في الجامع الصغير الى سعيد بن منصور في سننه والبيهقي في الشعب ورقم له بالضعف و ذكر في الجامع الصغير ايضاً برواية الطبرانی عن ابن عباس مسنداً ورقم له بالضعف وعزاه حديث أبي سعيد الى احمد وابي يعلى في مسنده وابن حبان والحاكم والبيهقي

فی الشعب ورقم له، بالحسن: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمہیں ریا کار کہنے لگیں۔

(ف) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں یا بیوقوفوں کے ریا کار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں اور مجنون جب ہی کہا جائیگا جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے آہستہ میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے کوئی چیز بندوں پر ایسی فرض نہیں فرمائی جس کی کوئی حد مقرر نہ کر دی ہو اور پھر اس کے عذر کو قبول نہ فرمالیا ہو بجز اللہ کے ذکر کے کہ نہ اس کی کوئی حد مقرر فرمائی اور نہ عقل رہنے تک کسی کو معذور قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: اَذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا: اللہ جل شانہ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو، رات میں، دن میں، جنگل میں، دریا میں سفر میں، حضر میں، فقر میں، تونگری میں، بیماری میں، صحت میں، آہستہ اور پکار کر اور ہر حال میں۔ حافظ ابن حجرؒ نے منہبات میں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے قرآن پاک کے ارشاد دو کان تختہ، کنز لہما میں منقول ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں سات سطریں لکھی ہوئی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ (۱) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کو جانتا ہو پھر بھی بنے۔ (۲) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ دنیا آخر ایک دن ختم ہونے والی ہے پھر بھی اس میں رغبت کرے۔ (۳) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ ہر چیز مقدر سے ہے پھر بھی کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس کرے۔ (۴) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت میں حساب کا یقین ہو پھر بھی مال جمع کرے۔ (۵) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا علم ہو پھر بھی گناہ کرے۔ (۶) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو جانتا ہو پھر کسی اور چیز کا ذکر کرے۔ (۷) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جنت کی خبر ہو پھر دنیا میں کسی چیز سے راحت پائے۔ بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو شیطان کو دشمن سمجھے پھر بھی اس کی اطاعت کرے۔ حافظؒ نے حضرت جابرؓ سے حضور ﷺ کا بھی ارشاد نقل کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام، مجھے اللہ کے ذکر کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا بغیر ذکر کے کوئی چیز نفع نہ دیگی۔ ان سب روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر کی جتنی بھی کثرت ممکن ہو در بے نہ کرے۔ لوگوں کے مجنون یا ریا کار کہنے کی وجہ سے اس کا چھوڑ دینا اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ اول وہ ذکر سے اس خیال سے روکتا ہے کہ لوگ دیکھیں گے۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا وغیرہ وغیرہ، پھر شیطان کو روکنے کیلئے یہ ایک مستقل ذریعہ اور حیل مل جاتا ہے اسلئے یہ تو ضروری ہے کہ دکھلانے کی نیت سے کوئی عمل نہ کرے لیکن اگر کوئی دیکھ لے تو بلا سے دیکھے اس وجہ سے چھوڑنا بھی نہ چاہیے۔



## روز آخرت میں سات قسم کے آدمی اللہ کی رحمت کے سائے کے نیچے ہونگے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَالشَّابُّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّتَا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَى ذَلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَاتَتْفِقُ يَمِينُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ. رواه البخاری و مسلم وغيرهما كذا في الترغيب والمشكوة و في الجامع الصغير برواية مسلم عن ابی هريرة و ابی سعيد معا و ذكر عدة طرقه اخرى : حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ہیں جن کو اللہ جل شانہ اپنے (رحمت کے) سایہ میں ایسے دن جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک عادل بادشاہ، دوسرا وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو، تیسرے وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹک رہا ہو۔ چوتھے وہ دو شخص جن میں اللہ ہی کے واسطے محبت ہو اسی پران کا اجتماع ہو اسی پر جدائی، پانچویں وہ شخص جس کو کوئی حسین شریف عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہدے کہ مجھے اللہ کا ڈر مانع ہے، چھٹے وہ شخص جو ایسے مخفی طریق سے صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو، ساتویں وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں۔

(ف) آنسو بہنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دیدہ و دانستہ اپنے معاصی اور گناہوں کو یاد کر کے رونے لگے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غلبہ شوق میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں، بروایت ثابت بنانی ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ میری کون سی دعا قبول ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہو جاتا ہے۔ فرمانے لگے کہ جس دعا سے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل دھڑکنے لگتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ ان سات آدمیوں میں جن کا ذکر حدیث پاک میں وارد ہوا، ایک وہ شخص بھی ہے جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور رونے لگے۔ اس شخص میں دو خوبیاں جمع ہیں اور دونوں اعلیٰ درجے کی ہیں۔ ایک اخلاص کہ تنہائی میں اللہ کی یاد میں مشغول ہوا۔ دوسرے اللہ کا خوف یا شوق کہ دونوں میں رونا آتا ہے اور دونوں کمال ہیں۔

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یاد دلبر میں

ہماری نیند ہے محو خیال یار ہو جانا

حدیث کے الفاظ ہیں: رَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا: ایک وہ آدمی جو اللہ کا ذکر کرے اس حال میں کہ خالی ہو، صوفیاء نے لکھا ہے کہ خالی ہونیکے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ آدمیوں سے خالی ہو جس کے معنی تنہائی کے ہیں، یہ عام مطلب ہے۔ دوسرے یہ کہ دل اغیار سے خالی ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل خلوت یہی ہے اس لئے اکمل درجہ تو یہ ہے کہ دونوں خلوتیں حاصل ہوں لیکن اگر کوئی شخص مجمع میں ہو اور دل غیروں سے بالکل خالی ہو اور ایسے وقت اللہ کے ذکر سے کوئی شخص رونے لگے تو وہ بھی اس میں داخل ہے کہ مجمع کا ہونا نہ ہونا اس کے حق میں برابر ہے۔ جب اس کا دل مجمع تو درکنار غیر اللہ کے التفات سے بھی خالی ہے تو اس کو مجمع کیا مضر ہو سکتا ہے۔ اللہ کی یاد میں یا اس کے خوف سے رونا بڑی ہی دولت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہ میسر فرمادیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ اس وقت تک جہنم میں نہیں جاسکتا جب تک کہ دودھ تھنوں میں واپس جائے (اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ پس ایسے ہی اس کا جہنم میں جانا بھی ناممکن ہے) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے حتیٰ کہ اس کے آنسوؤں میں سے کچھ زمین پر ٹپک جائے تو اس کو قیامت کے دن عذاب نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جو اسلام کی اور مسلمانوں کی کفارسے حفاظت کرنے میں جاگی ہو۔

### ذاکرین کا بہت بڑا اعزاز:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِي مُنَادٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ابْنَ أُولَى الْأَلْبَابِ، قَالُوا أَيُّ أُولَى الْأَلْبَابِ تُرِيدُ قَالَ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَ قُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ عُقِدَ لَهُمْ لَوَاءٌ فَاتَّبَعَ الْقَوْمُ لِوَاءَهُمْ وَقَالَ لَهُمْ اذْخُلُوهَا خَالِدِينَ. اخرجه الاصبهانی فی الترغیب کذا فی الدر: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ عقلمند لوگ کہاں ہیں؟ لوگ پوچھیں گے کہ عقلمندوں سے کون مراد ہیں۔ جواب ملے گا کہ وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے تھے کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے (یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے) آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یا اللہ آپ نے یہ سب بے فائدہ تو پیدا کیا ہی نہیں ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں۔ آپ ہم

کو چہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اس کے بعد ان لوگوں کیلئے ایک جھنڈا بنایا جائیگا جس کے

پیچھے یہ سب جائینگے اور ان سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کیلئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(ف) آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی قدرت کے مظاہر اور اس

کی حکمتوں کے عجائب سوچتے ہیں جس سے اللہ جل جلالہ کی معرفت میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

الہی یہ عالم ہے گلزار تیرا

معرفت الہی کی کنجی آسمانوں اور زمین میں غور و فکر ہے:

ابن ابی الدنیا نے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کی ایک جماعت کے

پاس تشریف لے گئے جو چپ چاپ بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا بات ہے کس سوچ میں بیٹھے ہو؟

عرض کیا مخلوقات الہیہ کی سوچ میں ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اللہ کی ذات میں غور نہ کیا کرو (کہ وہ

وراء الراء ہے) اس کی مخلوقات میں غور کیا کرو۔ حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی

عجیب بات سنا دیجئے فرمایا حضور ﷺ کی کوئی بات ایسی تھی۔ جو عجیب نہ تھی۔ ایک مرتبہ رات کو تشریف لائے۔

میرے بسترے پر میرے لحاف میں لیٹ گئے پھر ارشاد فرمایا چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کرونگا۔ یہ فرما کر

اٹھے وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ کر رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آنسو سیدھا مبارک پر بہتے رہے۔ پھر اسی

طرح رکوع میں روتے رہے۔ پھر سجدہ میں اسی طرح روتے رہے۔ ساری رات اسی طرح گذر دی حتیٰ کہ صبح کی

نماز کے واسطے حضرت بلالؓ بلانے کیلئے آگئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ تو بخشے بخشائے ہیں پھر

آپ اتنا کیوں روئے ارشاد فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں پھر فرمایا میں کیوں نہ روتا، حالانکہ آج یہ

آیتیں نازل ہوئیں (یعنی الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ) پھر فرمایا کہ ہلاکت ہے

اس شخص کیلئے جو ان کو پڑھے اور غور و فکر نہ کرے عامر بن عبد قیس کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

سنا ہے ایک سے دو سے تین سے نہیں (بلکہ ان سے زیادہ سے سنا ہے) کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر

ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا آسمان اور ستاروں کو دیکھ رہا

تھا، پھر کہنے لگا خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ تمہارا پیدا کر نیوالا بھی کوئی ضرور ہے، اے اللہ تو میری مغفرت

فرما دے۔ نظر رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہو گئی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک

ساعت کا غور تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت ابودرداءؓ اور حضرت انسؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند و برتر ہے، اسکی ذات کے بارے میں سوچ و فکر کرنا گمراہی ہے۔

حضرت انسؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک ساعت کا غور ان چیزوں میں اسی سال کی عبادت سے افضل ہے۔

اُم درداءؓ سے کسی نے پوچھا کہ ابودرداءؓ کی افضل ترین عبادت کیا تھی، فرمایا غور و فکر، بروایت ابو ہریرہؓ حضور

اقدس ﷺ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔

لیکن ان روایتوں کا یہ مطلب نہیں کہ پھر عبادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر عبادت اپنی جگہ جو درجہ رکھتی

ہے، فرض ہو یا واجب سنت ہو یا مستحب اس کے چھوڑنے پر اسی درجہ کی وعید عذاب یا ملامت ہوگی۔ جس درجہ کی

وہ عبادت ہوگی۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ غور و فکر کو افضل عبادات اس لئے کہا گیا کہ اس میں معنی ذکر کے تو موجود ہوتے

ہی ہیں دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی معرفت اس لئے کہ غور و فکر معرفت کی کنجی ہے، دوسری اللہ کی

محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے یہی غور و فکر ہے جس کو صوفیاء مراقبہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔ بہت سی روایات سے

اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مسند ابویعلیٰ میں بروایت حضرت عائشہؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ

وہ ذکر خفی جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستر درجہ دو چند ہوتا ہے جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ تمام مخلوق کو

حساب کیلئے جمع فرمائینگے اور کراما کا تین اعمال مانے لیکر آئیں گے، تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندہ کے اعمال دیکھو کچھ

اور باقی ہیں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو اور محفوظ نہ تو ارشاد ہوگا کہ

ہمارے پاس اس کی ایسی نیکی باقی ہے جو تمہارے علم میں نہیں وہ ذکر خفی ہے ۲۔ یہی نے شعب میں حضرت

عائشہؓ سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے کہ جس ذکر کو فرشتے بھی نہ سن سکیں وہ اس ذکر پر جس کو وہ سین ستر درجے بڑھا

ہوا ہے۔ یہی مراد ہے اس شعر سے جس میں کہا گیا ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزے است

کر امانا کاتبیں راہم خبر نیست

کہ عاشق و معشوق میں ایسی رمز بھی ہوتی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو

ایک لحظہ بھی غفلت نہیں ہوتی کہ انکی ظاہری عبادات تو اپنے اپنے اجر و ثواب حاصل ہی کریں گی یہ ہر وقت کا ذکر و فکر

پوری زندگی کے اوقات میں ستر گنا مزید براں۔ یہی چیز ہے جس نے شیطان کو دق کر رکھا ہے۔ حضرت جنیدؒ سے نقل

کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ خواب میں شیطان کو بالکل ننگا دیکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی

آدمیوں کے سامنے ننگا ہوتا ہے وہ کہنے لگا کہ یہ کوئی آدمی ہیں، آدمی وہ ہیں جو شونیز یہ کی مسجد میں بیٹھے ہیں جنھوں

نے میرے بدن کو دلا کر دیا اور میرے جگر کے کباب کر دیئے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں شونیز یہ کی مسجد میں

گیا۔ میں نے دیکھا کہ چند حضرات گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں مشغول ہیں۔ (فضائل ذکر، ص ۳۷ تا ۴۳)

۱۔ یعنی غور و فکر سے یہ پیدا ہوتی ہے کیونکہ غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات سمجھ میں آئیں گے اور ہر صاحب کمال سے آدمی

کے دل میں محبت ہونا لازمی ہے۔ ۲۔ یعنی دل دل میں کیا ہوا ذکر۔



## ذکر اللہ سے غفلت کا انجام حسرت و محرومی اور دل کی قساوت:

..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تَبَرَةً وَمَنْ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تَبَرَةٌ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کہیں بیٹھا اور اس نشست میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ نشست اس کیلئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہوگی، اور اسی طرح جو شخص کہیں لیٹا اور اس میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ لیٹنا اس کیلئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہوگا (رواہ ابوداؤد)۔

..... عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْثُرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللَّهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللَّهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنْ أَبْعَدَ النَّاسُ مِنَ اللَّهِ الْقَلْبَ الْقَاسِي: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو، کیونکہ اس سے دل میں قساوت (سختی اور تجسی) پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں وہ آدمی اللہ سے زیادہ دور ہے جس کے قلب میں قساوت ہو (ترمذی)۔

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ کے ذکر کے بغیر زبان زیادہ چلانے کا عادی ہوگا، اس کے دل میں قساوت یعنی تجسی اور بے نوری پیدا ہوگی اور وہ اللہ کے قرب اور اس کی خاص رحمت سے محروم رہے گا۔ اعاذنا اللہ منہ (معارف الحدیث، ج ۵، ص ۴۰ تا ۴۱)۔

## ذکر اللہ کے سو (100) فائدے:

حافظ ابن قیمؒ ایک مشہور محدث ہیں۔ انھوں نے ایک مبسوط رسالہ عربی میں ”الکواہل الصیب“ کے نام سے ذکر کے فضائل میں تصنیف کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ذکر میں سو (۱۰۰) سے بھی زیادہ فائدے ہیں۔ ان میں سے نمبر وار اناسی (۷۹) فائدے انھوں نے ذکر فرمائے ہیں جن کو مختصر اس جگہ ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ بہت سے فوائد ان میں ایسے ہیں جو کئی کئی فائدوں کو شامل ہیں اس لحاظ سے یہ سو (۱۰۰) سے زیادہ کوشتمل ہیں۔

(۱) ذکر شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔ (۲) اللہ جل جلالہ کی خوشنودی

کا سبب ہے۔ (۳) دل سے فکر و غم کو دور کرتا ہے۔ (۴) دل میں فرحت سرور اور انبساط

پیدا کرتا ہے۔ (۵) بدن کو اور دل کو قوت بخشتا ہے۔ (۶) چہرہ اور دل کو ممتوڑ کرتا ہے۔

(۷) رزق کو کھینچتا ہے۔ (۸) ذکر کر نیوالے کو ہیبت اور حلاوت کا لباس پہناتا ہے یعنی اس کے دیکھنے سے رعب پڑتا ہے اور دیکھنے والوں کو حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ (۹) اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت پیدا کرتا ہے اور محبت ہی اسلام کی روح اور دین کا مرکز ہے۔ اور سعادت اور نجات کا مدار ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی محبت تک اس کی رسائی ہو اس کو چاہیے کہ اس کے ذکر کی کثرت کرے جیسا کہ پڑھنا اور تکرار کرنا علم کا دروازہ ہے اسے طرح اللہ کا ذکر اس کی محبت کا دروازہ ہے۔ (۱۰) ذکر سے مراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبہ احسان تک پہنچا دیتا ہے۔ یہی مرتبہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی نصیب ہوتی ہے گویا اللہ جل شانہ کو دیکھ رہا ہے (یہی مرتبہ صوفیاء کا منتہائے مقصد ہوتا ہے)۔ (۱۱) اللہ کی طرف رجوع پیدا کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ یہ نوبت آ جاتی ہے کہ ہر چیز میں حق تعالیٰ شانہ اس کی جائے پناہ اور مامی و ملجا بن جاتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ (۱۲) اللہ کا قرب پیدا کرتا ہے اور جتنا ذکر میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا ہے اور جتنی ذکر سے غفلت ہوتی ہے اتنی ہی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔ (۱۳) اللہ کی معرفت کا دروازہ کھولتا ہے۔ (۱۴) اللہ جل شانہ کی ہیبت اور اس کی بڑائی دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ حضوری پیدا کرتا ہے۔ (۱۵) اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں ذکر کا سبب ہے چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے: فَادْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ اور حدیث میں وارد ہے: مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ، فِي نَفْسِي (الحدیث)، چنانچہ آیات اور احادیث کے بیان میں پہلے مفصل گزر چکا ہے اگر ذکر میں اس کے سوا اور کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تب بھی شرافت اور کرامت کے اعتبار سے یہی ایک فضیلت کافی تھی چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سی فضیلتیں ہیں۔ (۱۶) دل کو زندہ کرتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (حافظ ابن قیمؒ کے استاد) کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کیلئے ایسا ہے جیسا مچھلی کیلئے پانی۔ خود غور کر لو کہ بغیر پانی کے مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے۔ (۱۷) دل اور روح کی روزی ہے۔ اگر ان دونوں کو اپنی روزی نہ ملے تو ایسا ہے جیسا بدن کو اس کی روزی (یعنی کھانا) نہ ملے۔ (۱۸) دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ ہر چیز پر اس کے مناسب زنگ اور میل کچیل ہوتا ہے۔ دل کا میل اور زنگ، خواہشات اور غفلت ہیں۔ یہ اس کیلئے صفائی کا کام دیتا ہے۔ (۱۹) لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔ (۲۰) بندہ کو اللہ جل شانہ

۱۔ حلاوت کا مطلب مٹھاس یعنی لوگوں کو اسے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔

سے جو وحشت ہو جاتی ہے اس کو دور کرتا ہے کہ غافل کے دل پر اللہ کی طرف سے ایک وحشت رہتی ہے جو ذکر ہی سے دور ہوتی ہے۔ (۲۱) جواز کار بندہ کرتا ہے وہ عرش کے چاروں طرف بندہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ (۲۲) جو شخص راحت میں اللہ جل شانہ کا ذکر کرتا ہے اللہ جل شانہ مصیبت کے وقت اسکو یاد کرتا ہے۔ (۲۳) اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ (۲۴) سکینہ اور رحمت کے اترنے کا سبب ہے اور فرشتے ذکر کرنے والے کو گھیر لیتے ہیں۔ (۲۵) اس کی برکت سے زبان غیبت، چغلی خوری، جھوٹ، بدگوئی اور لغو گوئی سے محفوظ رہتی ہے۔ چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ جس شخص کی زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہو جاتی ہے وہ ان اشیاء سے عموماً محفوظ رہتا ہے اور جس کی زبان عادی نہیں ہوتی ہر نوع کی لغویات (فضول باتوں میں) میں مبتلا رہتا ہے۔ (۲۶) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں اور لغویات اور غفلت کی مجلسیں شیطان کی مجلسیں ہیں۔ اب آدمی کو اختیار ہے جس قسم کی مجلسوں کو چاہے پسند کر لے اور ہر شخص اسی کو پسند کرتا ہے جس سے مناسبت رکھتا ہے۔ (۲۷) ذکر کی وجہ سے ذکر کرنے والا بھی سعید (نیک بخت) ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی اور غفلت یا لغویات میں مبتلا ہونے والا خود بھی بد بخت ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی۔ (۲۸) قیامت کے دن حسرت سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہے۔ (۲۹) ذکر کے ساتھ اگر تنہائی کا رونا بھی نصیب ہو جائے تو قیامت کے دن کی تپش اور گرمی میں جبکہ ہر شخص میدانِ حشر میں پلپلا رہا ہوگا، یہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔ (۳۰) ذکر میں مشغول رہنے والوں کو ان سب چیزوں سے زیادہ ملتا ہے جو دعائیں مانگنے والوں کو ملتی ہیں۔ حدیث میں اللہ جل شانہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص کو میرے ذکر نے دعا سے روک دیا اس کو میں دعائیں مانگنے والوں سے افضل عطا کروں گا۔ (۳۱) باوجود سہل ترین عبادت ہونے کے تمام عبادتوں سے افضل ہے اس لئے کہ زبان کو حرکت دینا بدن کے اور تمام اعضاء کو حرکت دینے سے سہل ہے۔ (۳۲) اللہ کا ذکر جنت کے پودے ہیں۔ (۳۳) جس قدر بخشش اور انعام کا وعدہ اس پر ہے اتنا کسی اور عمل پر نہیں ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ سو (۱۰۰) مرتبہ کسی دن پڑھے تو اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور سونئیاں اس

کیلئے لکھی جاتی ہیں اور سونائیاں اس سے معاف کر دی جاتی ہیں اور شام تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ اور دوسرا کوئی شخص اس سے افضل نہیں ہوتا مگر وہ شخص کہ اس سے زیادہ عمل کرے اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ذکر کا افضل اعمال ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (۳۴) دوام ذکر کی بدولت اپنے نفس کو بھولنے سے امن نصیب ہوتا ہے جو سبب ہے دارین کی شقاوت کا ۱۔ اسلئے کہ اللہ کی یاد کو بھلا دینا سبب ہوتا ہے خود اپنے نفس کے بھلا دینے کا اور اپنے تمام مصالح کے بھلا دینے کا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے؛ وَلَا تَسْكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ: تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے اللہ سے بے پروائی کی۔ پس اللہ نے انکو اپنی جانوں سے بے پروا کر دیا یعنی ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ اپنے حقیقی نفع کو نہ سمجھا (حشر، رکوع ۳) اور جب آدمی اپنے نفس کو بھلا دیتا ہے تو اس کی مصالح ۲ سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ سبب ہلاکت کا بن جاتا ہے جیسا کہ کسی شخص کی کھیتی ہو یا باغ ہو اور اس کو بھول جائے اس کی خبر گیری نہ کرے تو لاحالہ وہ ضائع ہوگا۔ اور اس سے امن جب ہی مل سکتا ہے جب اللہ کے ذکر سے زبان کو ہر وقت تروتازہ رکھے اور ذکر اس کو ایسا محبوب ہو جائے جیسا کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی اور بھوک کے وقت کھانا اور سخت گرمی اور سخت سردی کے وقت مکان اور لباس بلکہ اللہ کا ذکر اس سے زیادہ کا مستحق ہے اسلئے کہ ان اشیاء کے نہ ہونے سے بدن کی ہلاکت ہے جو روح کی اور دل کی ہلاکت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ (۳۵) ذکر آدمی کی ترقی کرتا رہتا ہے۔ بسترے پر بھی اور بازار میں بھی، صحت میں بھی اور بیماری میں بھی، نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ مشغولی میں بھی اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر وقت ترقی کا سبب بنتی ہو جی کہ جس کا دل نور ذکر سے متور ہو جاتا ہے وہ سوتا ہوا بھی غافل شب بیداروں سے بڑھ جاتا ہے۔ (۳۶) ذکر کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے اور آخرت میں پل صراط پر آگے آگے چلتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے؛ أَوْ مَنْ كَانَ مِثْنًا فَاحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلَهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا: [ایسا شخص جو پہلے مردہ یعنی گمراہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ یعنی مسلمان بنادیا اور اس کو ایسا نور دیدیا کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے یعنی وہ نور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے کیا ایسا شخص بد حالی میں اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو

۱۔ یعنی نفس کو بھولنا سبب ہے دارین کی شقاوت اور بد بختی کا۔ ۲۔ مصلحتوں سے یعنی مفید کاموں سے۔



گمراہیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہو کہ ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا (انعام رکوع ۱۵)۔ پس اوّل شخص مؤمن ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی محبت اور اس کی معرفت اور اس کے ذکر سے متور ہے اور دوسرا شخص ان چیزوں سے خالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نور نہایت مہتم بالشان چیز ہے اور اسی میں پوری کامیابی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ اس کی طلب اور دعائیں مبالغہ فرماتے تھے<sup>۱</sup> اور اپنے ہر جزو میں نور کو طلب فرماتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں متعدد دعائیں ایسی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ نے اس کی دعا فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ آپ کے گوشت میں، ہڈیوں میں، پٹھوں میں، بال میں، کھال میں، کان میں، آنکھ میں، اوپر نیچے دائیں بائیں آگے پیچھے نور ہی نور کر دے حتیٰ کہ یہ بھی دعا کی کہ خود مجھی کو سرتا پاؤں بنا دے کہ آپ کی ذات ہی نور بن جائے۔ اسی نور کی بقدر اعمال میں نور ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں کے نیک عمل ایسی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں کہ ان پر آفتاب جیسا نور ہوتا ہے اور ایسا ہی نور انکے چہروں پر قیامت کے دن ہوگا۔ (۳۷) ذکر تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیاء کے سب طریقوں میں رائج ہے جس شخص کیلئے ذکر کا درزا کھل گیا ہے اس کے لئے اللہ جلّ شانہ تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا اور جو اللہ جلّ شانہ تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جلّ شانہ کے پاس کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے۔ (۳۸) آدمی کے دل میں ایک گوشہ ہے جو اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی پر نہیں ہوتا اور جب ذکر دل پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس گوشہ کو پر کرتا ہے بلکہ ذکر کرنے والے کو بغیر مال کے غنی کر دیتا ہے اور بغیر کنبہ اور جماعت کے لوگوں کے دلوں میں عزّت والا بنا دیتا ہے اور بغیر سلطنت کے بادشاہ بنا دیتا ہے اور جو شخص ذکر سے غافل ہوتا ہے وہ باوجود مال و دولت اور حکومت کے ذلیل ہوتا ہے۔ (۳۹) ذکر پر اگندہ کو مجتمع کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ مع کرتا ہے۔ دور کو قریب کرتا ہے اور قریب کو دور کرتا ہے۔ پراگندہ کو مجتمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل پر جو متفرق مہوم غموم تفکرات پریشانیاں ہوتی ہیں ان کو دور کر کے جمیعت خاطر پیدا کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جو تفکرات مجتمع ہیں ان کو متفرق کر دیتا ہے اور آدمی کی جو لغزشیں اور گناہ جمع ہو گئے ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور جو شیطان کے لشکر آدمی پر مسلط ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے۔ اور آخرت کو جو دور ہے قریب کر دیتا ہے اور دنیا کو جو قریب ہے دور

۱۔ یعنی بہت مانگا کرتے تھے۔ ۲۔ کونہ۔ ۳۔ بکھرا ہوا اور منتشر۔

کر دیتا ہے۔ (۴۰) ذکر آدمی کے دل کو نیند سے جگاتا ہے، غفلت سے چوکتا کرتا ہے اور دل جب تک سوتا رہتا ہے اپنے سارے ہی منافع کھوتا رہتا ہے۔ (۴۱) ذکر ایک درخت ہے جس پر معارف کے پھل لگتے ہیں۔ صوفیاء کی اصطلاح میں احوال اور مقامات کے پھل لگتے ہیں اور جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی اس درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اور جتنی جڑ مضبوط ہوگی اتنے ہی زیادہ پھل اس پر آئیں گے۔ (۴۲) ذکر اس پاک ذات کے قریب کر دیتا ہے جس کا ذکر کر رہا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ معیت نصیب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا: اللہ جلّ شانہ متقیوں کے ساتھ ہے، اور حدیث میں وارد ہے: اَنَا مَعَ عَبْدِيْ مَآذٍ كَرِنِيْ: میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا رہتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ میرا ذکر کرنے والے میرے آدمی ہیں۔ میں ان کو اپنی رحمت سے دور نہیں کرتا اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو میں ان کا حبیب ہوں اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طیب ہوں کہ ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ ان کو گناہوں سے پاک کروں۔ نیز ذکر کی وجہ سے جو اللہ جلّ شانہ کی معیت نصیب ہوتی ہے وہ ایسی معیت ہے جس کے برابر کوئی دوسری معیت نہیں ہے۔ نہ وہ زبان سے تعبیر ہو سکتی ہے نہ تحریر میں آ سکتی ہے۔ اس کی لذت وہی جان سکتا ہے جس کو یہ نصیب ہو جاتی ہے (اَللّٰهُمَّ اِذْ قُنِيْ مِنْهُ شَيْئًا) ۱۔ (۴۳) ذکر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے۔ مالوں کے خرچ کرنے کے برابر ہے۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کے برابر ہے۔ بہت سی روایات میں اس قسم کے مضامین گزر بھی چکے ہیں اور آئندہ بھی آنے والے ہیں۔ (۴۴) ذکر شکر کی جڑ ہے۔ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ آپ نے مجھ پر بہت احسانات کئے ہیں مجھے طریقہ بتا دیجئے کہ میں آپ کا بہت شکر ادا کروں، اللہ جلّ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تم میرا ذکر کرو گے اتنا ہی شکر ادا ہوگا۔ دوسری حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ درخواست ذکر کی گئی ہے کہ یا اللہ تیری شان کے مناسب شکر کس طرح ادا ہو اللہ جلّ شانہ نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہر وقت ذکر کے ساتھ تروتازہ رہے۔ (۴۵) اللہ کے نزدیک پرہیزگار لوگوں میں زیادہ معزز وہ لوگ ہیں جو ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہوں اس لئے کہ تقویٰ کا منہا

۱۔ اے اللہ مجھے بھی اس میں سے کچھ عطا فرما۔

جنت ہے اور ذکر کا منتہا اللہ کی معیت ہے۔ (۴۶) دل میں ایک خاص قسم کی قسوت (خستگی) ہے جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی نرم نہیں ہوتی۔ (۴۷) ذکر دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔ (۴۸) ذکر اللہ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذکر سے غفلت اس کے ساتھ دشمنی کی جڑ ہے۔ (۴۹) اللہ کے ذکر کے برابر کوئی چیز نعمتوں کو کھینچنے والی اور اللہ کے عذاب کو ہٹانے والی نہیں ہے۔ (۵۰) ذکر کرنے والے پر اللہ کی صلوٰۃ (رحمت) اور فرشتوں کی صلوٰۃ (دعا) ہوتی ہے۔ (۵۱) جو شخص یہ چاہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کے باغوں میں رہے وہ ذکر کی مجالس میں بیٹھے کیونکہ یہ مجالس جنت کے باغ ہیں۔ (۵۲) ذکر کی مجالس فرشتوں کی مجالس ہیں (حدیث مذکورہ میں یہ مضمون مفصل گزر چکا ہے)۔ (۵۳) اللہ ذکر کر نیوالوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں۔ (۵۴) ذکر پر مداومت کرنے والا جنت میں ہنستا ہوا داخل ہوتا ہے۔ (۵۵) تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔ (۵۶) تمام اعمال میں وہ عمل افضل ہے جس میں ذکر کثرت سے کیا جائے۔ روزوں میں وہ روزہ افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو۔ حج میں وہ حج افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو۔ اسی طرح اور اعمال جہاد وغیرہ کا حکم ہے۔ (۵۷) یہ نوافل اور دوسری نفل عبادات کے قائم مقام ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا کہ کہ فقراء نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یہ مالدار لوگ بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں۔ یہ روزے نماز میں ہمارے شریک ہیں اور اپنے مالوں کی وجہ سے حج، عمرہ، جہاد میں ہم سے سبقت لیجاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس سے کوئی شخص تم تک نہ پہنچ سکے۔ مگر وہ شخص جو یہ عمل کرے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھنے کو فرمایا، حضور ﷺ نے حج، عمرہ اور جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل ذکر کو قرار دیا ہے۔ (۵۸) ذکر دوسری عبادات کے لئے بڑا معین و مددگار ہے کہ اس کی کثرت سے ہر عبادت محبوب بن جاتی ہے۔ اور عبادات میں لذت آنے لگتی ہے اور کسی عبادت میں بھی مشقت اور بار نہیں رہتا۔ (۵۹) ذکر کی وجہ سے ہر مشقت آسان بن جاتی ہے اور ہر دشوار چیز سہل ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے بوجھ میں خفت ہو جاتی ہے اور ہر مصیبت زائل ہو جاتی ہے۔ (۶۰) ذکر کی وجہ سے دل سے خوف و ہراس دور ہو جاتا ہے۔ ڈر کے مقام پر اطمینان پیدا کرنے اور خوف کے زائل کرنے میں اللہ کے ذکر کو خصوصی دخل ہے اور اس کی یہ خاص تاثیر ہے جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنا ہی

اطمینان نصیب ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔ (۶۱) ذکر کی وجہ سے آدمی میں ایک خاص قوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسے کام اس سے صادر ہونے لگتے ہیں جو دشوار نظر آتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو جب انھوں نے چلی کی مشقت اور کاروبار کی دشواری کی وجہ سے ایک خادم طلب کیا تھا تو سوتے وقت سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۳۳-۳۳ مرتبہ اور اللہ اَکْبَرُ ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ خادم سے بہتر ہے۔ (۶۲) آخرت کیلئے کام کرنے والے سب دوڑ رہے ہیں اور اس دوڑ میں ذاکرین کی جماعت سب سے آگے ہے۔ عمر مولیٰ غفرۃً سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کو اعمال کا ثواب ملے گا تو بہت سے لوگ اس وقت حسرت کریں گے کہ ہم نے ذکر کا اہتمام کیوں نہ کیا کہ سب سے زیادہ سہل عمل تھا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مفرد لوگ آگے بڑھ گئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ مفرد لوگ کون ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مٹنے والے کہ ذکر ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔ (۶۳) ذکر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ شانہ تصدیق کرتے ہیں اور اسکو سچا بتاتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ خود سچا بتائیں اس کا حشر جھوٹوں کے ساتھ نہیں ہو سکتا حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں میرے بندہ نے سچ کہا میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں سب سے بڑا ہوں۔ (۶۴) ذکر سے جنت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں۔ جب بندہ ذکر سے رک جاتا ہے تو فرشتے تعمیر سے رک جاتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں تعمیر تم نے کیوں روک دی تو وہ کہتے ہیں کہ اس تعمیر کا خرچ ابھی تک آیا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ سات مرتبہ پڑھے ایک گنبد اس کے لئے جنت میں تعمیر ہو جاتا ہے۔ (۶۵) ذکر جہنم کیلئے آڑ ہے۔ اگر کسی بد عملی کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جائے تو ذکر درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور جتنی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی پختہ آڑ ہوگی۔ (۶۶) ذکر کر نیوالے کیلئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب بندہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ کہتا ہے یا اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہتا ہے تو فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما۔ (۶۷) جس پہاڑ پر یا میدان میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ فخر کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دے کر پوچھتا ہے کوئی ذکر کرنے والا تجھ پر آج گذرا ہے اگر وہ



کہتا ہے کہ گذرا ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔ (۶۸) ذکر کی کثرت نفاق سے بری ہونے کا اطمینان (اور سند) ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہ نے منافقوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ ”لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا“: نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا سا، ”عجب احبار سے نقل کیا گیا ہے کہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے وہ نفاق سے بری ہے۔ (۶۹) نیک اعمال کے مقابلے میں ذکر کے لئے ایک خاص لذت ہے جو کسی عمل میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اگر ذکر میں اس لذت کے سوا کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تو یہی چیز اس کی فضیلت کیلئے کافی تھی۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ لذت پانیوالے کسی چیز میں بھی ذکر کے برابر لذت نہیں پاتے۔ (۷۰) ذکر کر نیوالوں کے چہرے پر دنیا میں رونق اور آخرت میں نور ہوگا۔ (۷۱) جو شخص راستوں میں اور گھروں میں، سفر میں اور حضر میں کثرت سے ذکر کرے قیامت میں اس کی گواہی دینے والے کثرت سے ہونگے۔ حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں ”يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا“ اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہؓ نے لا علمی ظاہر کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس مرد و عورت نے جو کام زمین پر کیا ہے، وہ بتائے گی کہ فلاں دن فلاں وقت مجھ پر یہ کام کیا ہے (نیک ہو یا برا) اسلئے مختلف جگہوں میں کثرت سے ذکر کر نیوالوں کے گواہ بھی بکثرت ہونگے۔ (۷۲) زبان جتنی دیر ذکر میں مشغول رہے گی لغویات، جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے محفوظ رہے گی اس لئے کہ زبان تو چپ رہتی ہی نہیں یا ذکر اللہ میں مشغول ہوگی ورنہ لغویات میں۔ اسی طرح دل کا حال ہے کہ اگر وہ اللہ کی محبت میں مشغول نہ ہوگا تو مخلوق کی محبت میں مبتلا ہوگا۔ (۷۳) شیاطین آدمی کے کھلے دشمن ہیں اور ہر طرح سے اسکو وحشت میں ڈالتے رہتے ہیں اور ہر طرف سے اسکو گھیرے رہتے ہیں۔ جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس کے دشمن ہر وقت اس کا محاصرہ کئے رہتے ہوں اس کا جو حال ہوگا ظاہر ہے اور دشمن بھی ایسے کہ ہر ایک ان میں سے یہ چاہے کہ جو تکلیف بھی پہنچا سکوں پہنچاؤں۔ ان لشکروں کو ہٹا نیوالی چیز ذکر کے سوا کوئی نہیں ہے۔ بہت سی احادیث میں بہت سی دعائیں آئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیطان قریب بھی نہیں آتا اور سوتے وقت پڑھنے سے رات بھر حفاظت رہتی ہے۔ (فضائل ذکر، ص ۴۸-۵۵)۔

## کلماتِ ذکر اور ان کی فضیلت و برکت:

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اللہ کے ذکر کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی اسی طرح اس کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے، اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا امکان تھا کہ علم و معرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ کا ذکر اس طرح کرتے جو اس کے شایانِ شان نہ ہوتا، یا جس سے بجائے حمد و ثناء کے معاذ اللہ اس کی تنقیص ہوتی۔ عارفِ رومیؒ نے اپنی مثنوی میں حضرت موسیٰؑ اور ایک چرواہے کی جو حکایت بیان کی ہے وہ اسی کی ایک مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو کلمات ذکر تلقین فرمائے ہیں وہ معنوی لحاظ سے مندرجہ ذیل چند قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہیں۔ یا تو ان میں اللہ تعالیٰ کی تزیہ اور تقدیس ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات سے منزہ اور پاک ہے جس میں عیب و نقص کا شائبہ بھی ہو) ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ کا یہی مفہوم اور مدعا ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ ساری خوبیاں اور تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ میں ہیں اور اسلئے حمد و ثناء اسی کو سزاوار ہے)۔ ”اَلْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی یہی خصوصیت ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی شانِ یکتائی کا بیان ہے چنانچہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی شان یہی ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی اس شانِ عالی کا اظہار ہے کہ ہم نے اس کے بارے میں منفی اور مثبت طور پر جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراۃ الراء ہے، ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کا یہی مفہوم و مدعا ہے۔ یا ان کلمات میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں، لہذا وہی اس کا حقدار ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے۔ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کی یہی نوعیت اور خصوصیت ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے:-

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں، ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ اور ”اَلْحَمْدُ لِلَّهِ“ اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ (مسلم)۔

(تشریح) اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ”أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعُ“ کے بجائے ”أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ أَرْبَعُ“ کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ سب کلموں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے چار کلمے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ أَقُولَ سُبْحَانَ اللَّهِ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ:  
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعاعیں پڑتی ہیں، ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ کہوں (مسلم)۔

(تشریح) ان چاروں کلموں کا اجمالی مفہوم اوپر کی تمہیدی سطروں میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ یہ نہایت مختصر اور ہلکے پھلکے چار کلمے اللہ تعالیٰ کی تمام مثبت و منفی صفات کمال پر کس قدر حاوی ہیں۔ بعض عرفاء کا ملین نے لکھا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ جو اس کی تمام صفات کمال کی ترجمانی کرتے ہیں ان میں سے کسی کا مفہوم بھی ان چار کلموں سے باہر نہیں ہے۔ مثلاً الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ اور الطَّاهِرُ جیسے اسماء حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے ہر عیب و نقص کی نفی کرتے ہیں، سُبْحَانَ اللَّهِ کا مفہوم ان سب پر حاوی ہے۔ اسی طرح الرَّحْمَنُ، الرَّحِيمُ، الْكَرِيمُ، الْعَلِيمُ، الْقَدِيرُ، السَّمِيعُ، الْبَصِيرُ، الْعَزِيزُ اور الْحَكِيمُ جیسے تمام اسماء حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب الْحَمْدُ لِلَّهِ کے احاطے میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح جو اسماء حسنیٰ اس کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی شان لاشریکی و بے مثالی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے الْوَاحِدُ اور الْأَحَدُ وغیرہ، ان کی پوری ترجمانی کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کرتا ہے۔ عَلِيٌّ هَذَا الْعَلِيِّ، الْأَعْلَى، الْكَبِيرُ اور الْمُتَعَالَى جیسے اسماء حسنیٰ جن کا مفہوم و مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کسی نے جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور ورا و الراء ہے۔ بلاشبہ کلمہ اللہ أَكْبَرُ اس حقیقت کی بہترین تعبیر ہے۔ پس جس نے دل کے شعور و یقین کے ساتھ کہا ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ اس نے اللہ کی ساری ثناء و صفت بیان کر دی، اور تمام اسماء حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی جن ایجابی یا سلبی صفات کمال کا بیان ہے دل سے ان سب کی شہادت دے دی، اسلئے یہ چار کلمے اپنی قدر و قیمت اور عظمت و برکت کے لحاظ سے بلاشبہ اس ساری کائنات کے مقابلے میں فائق ہیں جس پر سورج کی روشنی یا اس کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ جن قلوب کو ایمان کی دولت نصیب ہے ان کے لئے یہ حقیقت بالکل وجدانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ دولت نصیب فرمائے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى شَجَرَةٍ يَا بَسَّةَ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَّا ثَرَا الْوَرَقِ فَقَالَ إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ تَسَاقُطُ ذُنُوبُ الْعَبْدِ كَمَا يَتَسَاقُطُ وَرَقُ هَذِهِ الشَّجَرَةِ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے

سوکھ چکے تھے، آپ ﷺ نے اس پر اپنا عصائے مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے (اور ساتھ والوں نے وہ منظر دیکھا) پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کلمے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں، جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے (الترمذی)۔

(تشریح) نیک اعمال کی اس خاصیت کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی برکت اور تاثیر سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ ارشاد ہے: إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ: یقینی بات ہے کہ نیکیاں گناہوں کا صفایا کر دیتی ہیں۔ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز اور صدقہ وغیرہ بہت سے اعمال صالحہ کی اس تاثیر کا خصوصیت سے بیان فرمایا ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ان چار کلموں کی یہ تاثیر بیان فرمائی اور درخت کے سوکھے پتے عصا کی ایک ضرب سے جھاڑ کے صحابہ کرامؓ کو اس کا ایک نمونہ بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور ان کلموں کی عظمت و تاثیر سے استفادہ کی توفیق دے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةِ مَرَّةٍ خَطُئَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزانہ سو دفعہ کہا (سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ) ان کے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ کا مطلب وہی ہے جو ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ“ کا ہے، یعنی ہر اس بات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس جو اس کے شایان شان نہیں ہے اور جس میں ذرا بھی قصور یا عیب کا کوئی شائبہ ہے، اور اسی کے ساتھ تمام صفات کمال کا اس کی ذات عالی کیلئے اثبات اور اس کی بنا پر اس کی حمد و ثناء اس طرح یہ مختصر کلمہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ اس سب پر حاوی ہے جو سلبی یا ایجابی طور پر اللہ تعالیٰ کی ثناء و صفت میں کہا جاسکتا ہے۔ حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں اس مختصر دو حرفی کلمہ کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ جو بندہ روزانہ یہ کلمہ سو (۱۰۰) دفعہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ دور ہو جائیں گے اور وہ گناہوں کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے گا، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ گویا جس طرح تیز روشنی اندھیرے کو ایک دم ختم کر دیتی ہے، اور جس طرح سخت تپش بالخاصہ نمی اور رطوبت کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اور دوسری نیکیاں گناہوں کے گندے اثرات کو فنا کر دیتی ہیں۔ قرآن مجید کی بعض آیات اور رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کی برکت اور تاثیر سے صرف وہ خطائیں معاف ہوتی ہیں جو ”کبیرہ“ درجہ کی نہ ہوں، اسلئے بڑے درجہ کے گناہ جن کو خاص اصطلاح میں ”گناہ کبیرہ“ کہا جاتا ہے ان کی



## دُعا کا بیان

نفع و نقصان، عزت و ذلت اور خوف و غم لینے دینے کا مالک صرف ایک اللہ رب العالمین ہے اس کے سوا کوئی بھی نفع و نقصان وغیرہ کا مالک نہیں۔ اس لئے بندے کے لئے صحیح رویہ یہی ہے کہ خوف و طمع اور امید و بیم کا رشتہ صرف اپنے رب کے ساتھ رکھے اور ہر حاجت، ہر مشکل اور اندیشہ میں صرف اسی کو پکارے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے مخلوق اور اسباب سے چپے رہتے ہیں اور مشکل حالات اور اپنی حوائج میں خالق و مالک کو چھوڑ کر مخلوق اور اسباب کی طرف متوجہ رہتے ہیں وہ خواہ مخواہ ذلت و رسوائی اور دنیوی و اخروی نقصان و خسران میں اپنے آپ کو ڈال دیتے ہیں۔

غور کیجئے کہ خالق کائنات، مالک اسباب اگر کسی پر کوئی آفت اور مصیبت یا ذلت نازل کرنا چاہتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مخلوق اور اسباب کی اوٹ اور پردے میں اس ذلت و رسوائی اور نقصان سے بچ سکے۔

## صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں:

اسلئے بندے کو چاہئے کہ وہ ہر حال میں صرف اپنے رب کو پکارے اسی کا نام دُعا ہے۔ اور قرآن مجید میں اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے بہت بسط اور تفصیل سے اپنے بندوں کو سمجھایا ہے۔ قرآن مجید کے بہت سے مضامین اور بہت سے مقامات میں سے صرف ایک ہی مضمون کو پڑھ لیجئے۔ سورۃ اعراف کے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کا مالک ہے اسی کے حکم سے ستارے سیارے دن رات گردش کر رہے ہیں، دنیا کا سارا نظم و نسق صرف اسی کے اختیار میں ہے اور وہ بڑی ہی برکت و رحمت والی ہستی ہے اسلئے اس سے مانگئے کیلئے کسی واسطے اور وسیلے کی ضرورت نہیں بلکہ:

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ: اے میرے بندو! اپنے رب کو پکارو گڑ گڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے (اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارنا حدود سے تجاوز اور زیادتی ہے) بے شک اللہ تعالیٰ حدود سے تجاوز کرنے (اور زیادتی کرنے) والوں کو پسند نہیں کرتا (اور معاشرے کی اصلاح بھی اسی سے ہوئی ہے اور ہوتی ہے کہ بندے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اسی کو پکاریں

اور اسی کے حکموں پر عمل کریں، لہذا تم ملک میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ برپا کرو اور اسی کو پکارو خوف و طمع (اور امید و بیم کی حالت) میں، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں سے قریب ہے (اعراف، ۵۴ تا ۵۶)۔

## ہمارا پروردگار ہماری جانوں سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے:

ہمارا خالق کائنات ہماری جانوں سے بھی قریب ہے لیکن اس کو موجودہ مادی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں اس کے ان وسوسوں کو جو اس کے دل میں گذرتے ہیں اور ہم اس کو اس کی شہ رگ (یعنی رگ گردن) سے بھی زیادہ قریب ہیں (ق، ۱۶)۔

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ: اور ہم تم سے زیادہ اس (مرنے والے شخص) سے قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے (واقعہ، ۸۵)۔

## اپنی فطرت اور وجدان کو ذکر و دعا سے نورانی بناؤ:

بلاشبہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ عز و جل ہم سے ہماری جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن ہم اس کو موجودہ مادی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے البتہ انسان کا وجدان اپنے رب کو پالیتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل اور بے پرواہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے اپنی فطرت کو مسخ اور اپنے وجدان کو زنگ آلود کر ڈالا ہے تو وہ جانوروں کی طرح صرف مادی اور ظاہری اسباب کو دیکھتے ہیں ان کو بنی بنائی چیزوں پر حکمتِ دنیا تو نظر آتی ہے لیکن ان کے دل اندھے ہو جاتے ہیں اس لئے وہ اپنے رب کی قدرتوں اسکی قوت اور عظمت کو محسوس نہیں کرتے، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتے ہیں اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور کر دیتے ہیں اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا شکر کرتے رہتے ہیں، تو ان کا یہ وجدان اور ان کی قلبی بینائی دن بدن تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی قدرتوں کا مشاہدہ اپنے دل کی آنکھوں سے کرتے رہتے ہیں اور ان کی سرگوشیاں اور مناجات اپنے پروردگار کے ساتھ ہوا کرتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور برکتوں سے ان کی طرف متوجہ رہتا ہے اور وہ زندگی کے ہر موڑ پر ان کی مدد و نصرت فرماتا ہے۔ یہی وہ بندے ہیں جن کا سہارا مخلوق اور اسباب کے بجائے صرف اور صرف خالق و مالک اسباب اللہ رب العالمین پر ہوتا ہے۔ اور وہ ہر

حال میں اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور صرف اسی کو پکارتے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ جلّ شانہ لازمًا بندے کی پکار کا جواب دیتے ہیں:

لہذا بندوں کو چاہئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکاریں اور زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر حالت میں اسی کی طرف متوجہ رہیں اور اس کے تمام احکامات و ہدایات کی پوری نگہداشت کریں اور یہ ممکن نہیں کہ بندہ تو اپنے رب کو پکارے اور اللہ رب العالمین اس کو اسکی پکار کا جواب نہ دے اور اس کی مدد و نصرت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کریم، رحیم، وہاب ہستی خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے مانگا کرو میں دوں گا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بندہ صرف اسی سے مانگے اور اللہ تعالیٰ پھر بھی اس کو محروم کر دیں ایسا قطعاً نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ: اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو میں قریب ہوں۔ دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول کر لیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے پس (بندوں کو بھی) چاہئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر (کامل) ایمان و یقین رکھیں تاکہ وہ ہدایت پر رہیں (بقرہ، ۱۸۶)۔

## اللہ تعالیٰ جلّ شانہ ضرور دُعا قبول فرماتے ہیں بشرطیکہ.....؟

اس میں شک نہیں کہ بندہ جب اپنے رب کو پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے اور اس کی دُعا کو قبول فرماتا ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ بندہ رب کے سامنے ہاتھ پھیلائے، گرگڑائے اور اس کو مدد کیلئے پکارے اور وہ اس کی پکار کا جواب نہ دے، اس کی دُعا کو قبول نہ کرے اور اس کی مدد اور فریاد رسی نہ کرے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بندہ اخلاص اور یکسوئی و تضرّع کے ساتھ پکارے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قوت اور قدرتوں پر اسکا ایمان مضبوط یقین اور صرف اسی پر بھروسہ ہو اور اس چیز کیلئے اپنے رب کو پکارے اور دُعا کرے جس کیلئے پکارنا اور دُعا کرنا اس کو زیبا ہے، اگر بندہ ان شرائط کا لحاظ کر کے اپنے رب سے وہ چیز مانگتا ہے جو مانگنا چاہئے تو اللہ تعالیٰ وہ چیز ضرور اس کو عطا فرمائے گا، اگر اس شکل میں عطا نہ کرے جس شکل میں اس نے مانگی ہے تو اس سے بہتر شکل میں دیدیتا ہے یا اس کیلئے اس کو آخرت میں محفوظ کر دیتا ہے۔

## دُعا کی اہمیت:

دُعا کے متعلق حضرت مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن کمالات و امتیازات سے نوازا ان میں سب سے بڑا امتیاز و کمال عبدیت کا ملہ کا مقام ہے۔ عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے

حضور میں انتہائی تذلل، بندگی و سراقندگی عاجزی و لاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے، اس کے در کی فقیری و گدائی، اس سب کے مجموعہ کا عنوان مقام عبدیت ہے، جو تمام مقامات میں اعلیٰ و بالا ہے اور بلاشبہ سیدنا حضرت محمد ﷺ اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں، اور اسی لئے افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں۔ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقصد کے لحاظ سے کامل یا ناقص سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً گھوڑا جس مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے یعنی سواری اور تیز رفتاری، اس کو بڑھایا گھٹیا اسی مقصد کے پیمانے سے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح گائے یا بھینس کا جو مقصد ہے یعنی دودھ کا حاصل ہونا اس کی قدر و قیمت دودھ کی کمی یا زیادتی کے حساب سے لگائی جائے گی، و قس علیٰ هذا۔

انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے پیدا کرنے والے نے عبدیت اور عبادت بتایا ہے۔ ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ اس لئے سب سے افضل و اشرف انسان وہی ہوگا جو اس مقصد میں سب سے اکمل و فائق ہو۔ پس سیدنا حضرت محمد ﷺ چونکہ کمال عبدیت میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں، اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں آپ ﷺ کے بلند ترین خصائص و کمالات اور اللہ تعالیٰ کے آپ ﷺ پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں معزز ترین لقب کے طور پر آپ ﷺ کو عبد ہی فرمایا گیا ہے۔ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ اسراء میں فرمایا گیا ہے: ”سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ“ پھر اسی سفر معراج کی آخری منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ النجم میں فرمایا گیا: ”فَأَوْحَىٰ إِلَيَّ عَبْدِهِ مَسَٰوِجِي“۔ اور سب سے بڑی نعمت و دولت قرآن حکیم کی تزیل کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ فرقان میں ارشاد فرمایا گیا: ”تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ“ اور سورۃ کہف میں فرمایا گیا: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ“۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے اور سیدنا حضرت محمد ﷺ اس مقام کے امام یعنی اس وصف خاص میں سب پر فائق ہیں۔ اور دُعا چونکہ عبدیت کا جوہر اور خاص مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے وقت (بشرطیکہ حقیقی دُعا ہو) بندے کا ظاہر و باطن عبدیت میں ڈوبا ہوتا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے احوال و اوصاف میں غالب ترین وصف اور حال دُعا کا ہے، اور اُمت کو آپ ﷺ کے ذریعہ روحانی دولتوں کے جو عظیم خزانے ملے ہیں ان میں سب سے بیش قیمت خزانہ ان دُعاؤں کا ہے جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ ﷺ نے کیس یا اُمت کو ان کی تلقین فرمائی۔

ان میں سے کچھ دُعا ئیں ہیں جن کا تعلق خاص حالات یا اوقات اور مخصوص مقاصد و حاجات سے ہے، اور زیادہ تر وہ ہیں جن کی نوعیت عمومی ہے۔ ان دُعاؤں کی قدر و قیمت اور افادیت کا ایک عام عملی پہلو تو یہ ہے کہ



ان سے دُعا کرنے اور اللہ سے اپنی حاجتیں مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ معلوم ہوتا ہے، اور اس باب میں وہ رہنمائی ملتی ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی، اور ایک دوسرا خاص علمی اور عرفانی پہلو یہ ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح پاک کو اللہ تعالیٰ سے کتنی گہری اور ہمہ وقتی وابستگی تھی، اور آپ کے قلب پر اس کا جلال و جمال کس قدر چھایا ہوا تھا، اور اپنی اور ساری کائنات کی بے بسی و لا چاری اور اس مالک الملک کی قدرتِ کاملہ اور ہمہ گیر رحمت و ربوبیت پر آپ کو کس درجہ یقین تھا کہ گویا یہ آپ کیلئے غیب نہیں شہود تھا۔ حدیث کے ذخیرے میں رسول اللہ ﷺ کی جو سیکڑوں دُعائیں محفوظ ہیں ان میں اگر تفکر کیا جائے تو کھلے طور پر محسوس ہوگا کہ ان میں سے ہر دُعا معرفتِ الہی کا شاہکار اور آپ ﷺ کے کمال روحانی و خدا آشنائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کے صدق تعلق کا مستقل برہان ہے، اور اس لحاظ سے ہر ماثور دُعا بجائے خود آپ ﷺ کا ایک روشن معجزہ ہے۔ صَلَّی اللہ علیہ و آلہ وبارک و سلم۔

اس عاجز راقم سطور کا دستور ہے کہ جب کبھی پڑھے لکھے اور سمجھ دار غیر مسلموں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا تعارف کرانے کا موقع ملتا ہے تو آپ ﷺ کی کچھ دُعائیں ان کو ضرور سناتا ہوں۔ قریب قریب سو فی صدی تجربہ ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ کی دُعاؤں سے متاثر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کے کمالِ خداری و خدا شناسی میں ان کو شبہ نہیں رہتا۔

اس تمہید کے بعد پہلے چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی برکتیں بیان فرمائی ہیں یا دُعا کے آداب بتائے ہیں، یا اس کے بارے میں کچھ ہدایتیں دی ہیں۔ ان کے بعد ایک خاص ترتیب کے ساتھ وہ حدیثیں درج کی جائیں گی جن میں وہ دُعائیں مذکور ہیں جو مختلف موقعوں پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیں، یا اُمت کو جن کی تلقین فرمائی۔

## دُعا کا مقام اور اس کی عظمت:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ ”وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ“: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دُعائیں عبادت ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی ”وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ“ (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دُعا کرو اور مانگو، میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا، جو لوگ میری عبادت

سے متکبرانہ روگردانی کریں گے ان کو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا) (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی)۔

(تشریح) اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دُعائیں عبادت ہے“۔ غالباً حضور ﷺ کے اس ارشاد کا منشا یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کیلئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اسی طرح کی ایک کوشش دُعا بھی ہے، جو اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور اس کوشش کا پھل مل گیا اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دُعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصول مقصد کا وسیلہ ہونے کے علاوہ بذاتِ خود عبادت ہے، اور عین عبادت ہے اور اس پہلو سے وہ بندے کا ایک مقدس عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

جو آیت آپ ﷺ نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اس سے یہ بات صراحتہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعائیں عبادت ہے، آگے درج ہونے والی دوسری حدیث میں دُعا کو عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) عبادت کی حقیقت ہے اللہ کے حضور میں خضوع و تذلل اور اپنی بندگی و محتاجی کا مظاہرہ، اور دُعا کا جزو کل اور اوّل و آخر اور ظاہر و باطن یہی ہے، اس لئے دُعا بلاشبہ عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دُعا سے زیادہ عزیز نہیں (رواہ الترمذی وابن ماجہ)۔

(تشریح) جب یہ معلوم ہو چکا کہ دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہوگئی کہ انسانوں کے اعمال و احوال میں دُعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت اسی میں ہے۔

عَنْ إِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فَتَحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سئِلَ اللَّهُ شَيْئًا يَعْنِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ الْعَاقِبَةَ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم

میں سے جس کیلئے دُعا کا دروازہ کھل گیا اس کیلئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اور اللہ کو سوالوں اور دُعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دُعا کریں یعنی کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا مانگتا ہے وہ برملا اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی حفاظت اور کرم کے بغیر وہ زندہ سلامت بھی نہیں رہ سکتا اور کسی چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف سے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ پس ایسی دُعا اپنی کامل عاجزی و بے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمالِ عبدیت ہے اس لئے عافیت کی دُعا اللہ تعالیٰ کو سب دُعاؤں سے زیادہ محبوب ہے۔ دوسری بات حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جس کیلئے دُعا کا دروازہ کھل گیا یعنی جس کو دُعا کی حقیقت نصیب ہوگئی اور اللہ سے مانگنا آ گیا اس کیلئے رحمتِ الہی کے دروازے کھل گئے۔ دُعا دراصل ان دُعائیہ الفاظ کا نام نہیں ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دُعا کا لباس یا قالب کہا جاسکتا ہے، دُعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب اور رُتپ ہے، اور حدیث پاک میں اس کیفیت کے نصیب ہونے کو باب دُعا کے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کیلئے رحمت کے دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَعْصِبْ عَلَيْهِ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) دنیا میں کوئی نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو، ماں باپ تک کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر بچہ ہر وقت مانگے اور سوال کرے تو وہ بھی چڑھ جاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم اور بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے پر اسے پیار آتا ہے۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کی نگاہ میں بندے کا سب سے عزیز اور قیمتی عمل دُعا اور سوال ہے۔ لک الحمد یا رب العالمین و یا ارحم الراحمین۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُسْأَلَ وَأَفْضَلُ الْعِبَادَةِ أَنْتَظَارُ الْفَرَجِ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے اس کا فضل مانگو (یعنی دُعا کرو کہ وہ فضل و کرم فرمائے) کیونکہ اللہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے بندے اس سے دُعا کریں اور مانگیں۔ اور فرمایا کہ: (اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُمید رکھتے ہوئے)

اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ بلا اور پریشانی کو اپنے کرم سے دور فرمائے گا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے (کیونکہ اس میں عاجزانہ اور سائلانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہے) (رواہ الترمذی)۔

## دُعا کی مقبولیت اور نافعیت:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزَلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللَّهِ بِالْدُّعَاءِ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دُعا کا رآمد اور نفع مند ہوتی ہے ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے۔ پس اے خدا کے بندو دُعا کا اہتمام کرو (اور امام احمد نے مسند میں اس حدیث کو بجائے عبد اللہ بن عمرؓ کے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے) (رواہ الترمذی و رواہ احمد عن معاذ بن جبل)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کا صرف خطرہ اور اندیشہ ہے، اس سے حفاظت کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ نفع مند ہوگی۔ اور جو بلا یا مصیبت نازل ہو چکی ہے اس کے دفعیہ کیلئے بھی دُعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ وہ بھی نافع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما کر عافیت نصیب فرمائے گا۔

..... عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّ هُمًا صَفَرًا: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارے پروردگار میں بدرجہ غایت حیا اور کرم کی صفت ہے، جب بندہ اس کے آگے مانگنے کیلئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کرے (کچھ نہ کچھ عطا فرمانے کا فیصلہ ضرور فرماتا ہے) (رواہ الترمذی و ابو داؤد)۔

..... عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِكُمْ وَيَذُرُّكُمْ أَرْزَاقَكُمْ تَدْعُونَ اللَّهَ فِي لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَإِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دُعا کیا کرو رات میں اور دن میں، کیونکہ دُعا مومن کا



خاص ہتھیار (یعنی اس کی خاص طاقت ہے) (رواہ ابو یعلیٰ فی مسندہ)۔

(تشریح) دعا دراصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین و آسمان کے سارے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، اور وہ اپنے در کے سانکوں، مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے، اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا فرمائے گا، اس کے در کے سوا میں کہیں سے نہیں پاسکتا۔ اس یقین اور اپنی سخت محتاجی اور کامل بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ دعا کی روح ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بندہ جب اس اندرونی کیفیت کے ساتھ کسی دشمن کے حملہ سے یا کسی دوسری بلا اور آفت سے بچاؤ کیلئے یا وسعتِ رزق یا اس قسم کی کسی دوسری عام و خاص حاجت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کریم کا عام دستور ہے کہ وہ دعا قبول فرماتا ہے، اس لئے بلاشبہ دعا ان بندوں کا بہت بڑا ہتھیار اور میگزین ہے جن کو ایمان و یقین کی دولت اور دعا کی روح و حقیقت نصیب ہو۔

## دُعا سے متعلق ہدایات:

رسول اللہ ﷺ نے دعا کے بارے کچھ ہدایات بھی دی ہیں، ضروری ہے کہ دعا کرنے والے بندے ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءَ مَنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ سے مانگو اور دُعا کرو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور عطا فرمائے گا، اور جان لو اور یاد رکھو کہ اللہ اس کی دُعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دُعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دُعا کے وقت دل کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اس کی کریمی پر نگاہ رکھتے ہوئے یقین کے ساتھ قبولیت کی امید رکھنی چاہئے، تذبذب اور بے یقینی کے ساتھ جو دُعا ہو گی وہ بے جان اور روح سے خالی ہوگی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ اَرْزُقْنِيْ اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْرِمْ مَسْئَلَتُهُ اِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرَهَ لَهُ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی دُعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ "اے

اللہ؛ تو اگر چاہے تو مجھے بخش دے، اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما، اور تو چاہے تو مجھے روزی دے۔" بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کرے گا وہ جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے (رواہ البخاری)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور محتاجی اور فقری اور گدائی کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے ربِّ کریم سے بغیر کسی شک اور تذبذب کے اپنی حاجت مانگے، اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو ایسا کر دے، اس میں استغنا کا شائبہ ہے اور یہ مقامِ عبدیت اور دُعا کے منافی ہے، نیز ایسی دُعا کبھی جاندار دُعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس طرح عرض کرے کہ میرے مولا؛ میری یہ حاجت تو پوری کر ہی دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے گا وہ اپنے ارادہ اور مشیت سے کرے گا، کوئی ایسا نہیں ہے جو زور ڈال کر اس کی مشیت کے خلاف اس سے کچھ کرا لے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللَّهُ لَهُ، عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرُّحَاةِ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول فرمائے، تو اس کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے زمانہ میں دُعا زیادہ کیا کرے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) یہ تجربہ اور واقعہ ہے کہ جو لوگ صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی وقت ان کے ہاتھ دُعا کیلئے اٹھتے ہیں، ان کا رابطہ اللہ کے ساتھ بہت ضعیف ہوتا ہے، اور خدا کی رحمت پر ان کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دُعا میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں اللہ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے اور اللہ کے کرم اور اس کی رحمت پر ان کو بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے ان کی دُعا قدرتی طور پر جاندار ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہی ہدایت دی ہے کہ بندوں کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے دنوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دُعا کیا کریں اور مانگا کریں، اس سے ان کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے پیش آنے پر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے تو ان کی دُعا خاص طور سے قبول ہوگی۔

## دُعا میں عجلت طلبی کی ممانعت:

دُعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں معروضہ کی پیشی ہے، اور وہ مالکِ کل اور قادرِ مطلق ہے، چاہے تو اسی لمحہ دُعا کرنے والے بندے کو وہ عطا فرمادے جو وہ مانگ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ

نہیں ہے کہ وہ ظلوم و جہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی کرے۔ بلکہ بسا اوقات خود اس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ اس کی مانگ جلد پوری نہ ہو۔ لیکن انسان کے خمیر میں جو جلد بازی ہے اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ جو میں مانگ رہا ہوں وہ مجھے فوراً مل جائے، اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہو کر دُعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ قبولیتِ دُعا کا مستحق نہیں رہتا، اور گویا اس کی یہ جلد بازی ہی اس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يُعْجَلْ فَيَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری دعائیں اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے (جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دُعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھودیتا ہے، اس لئے چاہئے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بنا رہے اور مانگتا رہے، یقین کرے کہ ارحم الراحمین کی رحمت دیرسور ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔ کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دُعا جو وہ بڑے اخلاص و اضطراب سے کرتے ہیں اس لئے بھی جلدی قبول نہیں کی جاتی کہ اس دُعا کا تسلسل ان کیلئے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے، اگر ان کی منشاء کے مطابق ان کی دُعا جلدی قبول کر لی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم رہ جائیں۔

## حرام کھانے اور پہننے والے کی دُعا قبول نہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ "يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ وَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغَدَى بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مومن بندوں کو دیا ہے، پیغمبروں کیلئے اس کا ارشاد ہے۔ "اے رسولو! تم کھاؤ

پاک اور حلال غذا، اور عمل کرو صالح، میں خوب جانتا ہوں تمہارے اعمال" اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ: "اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو)"۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا، جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسی حالت میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتا ہے: "اے میرے رب، اے میرے پروردگار" اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے اور حرام غذا سے اس کا نشوونما ہوا ہے، تو اس آدمی کی دُعا کیسے قبول ہوگی (رواہ مسلم عن ابو ہریرہ)۔

(تشریح) آج بہت سے دُعا کرنے والوں کے دلوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب دُعا اور اس کی قبولیت برحق ہے اور دُعا کرنے والوں کیلئے اللہ کا وعدہ ہے، "أَدْعُوْنِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ: تم دُعا کرو میں قبول کروں گا"، تو پھر ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ اس حدیث میں اس کا پورا جواب ہے۔ آج دُعا کرنے والوں میں کتنے ہیں جنکو اطمینان ہے کہ وہ جو کھا رہے ہیں، جو پی رہے ہیں، جو پہن رہے ہیں وہ سب حلال اور طیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

## وہ دعائیں جن کی ممانعت ہے:

انسان بے صبرا اور جلد گھبرا جانے والا ہے اور اس کا علم بھی بہت محدود اور ناقص ہے اس لئے بعض اوقات وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں بھی کرنے لگتا ہے جو اگر قبول ہو جائیں تو اس میں خود اسی کا خسارہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسی دعاؤں سے منع فرمایا ہے۔

..... عَنْ جَابِرٍ ۖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْ لَدِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ لَا تَوَافِقُوا مِنَ اللَّهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عِطَاءٌ فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کبھی اپنے حق میں یا اپنی اولاد اور مال و جائداد کے حق میں بددعا نہ کرو، مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو اور تمہاری وہ دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمالے (جس کے نتیجہ میں خود تم پر یا تمہاری اولاد یا مال و جائداد پر کوئی آفت آجائے) (رواہ مسلم)۔

..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُ، إِنَّهُ إِذَا مَاتَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ وَإِنَّهُ لَا يَزِيدُ



الْمُؤْمِنِ عُمْرُهُ، إِلَّا خَيْرًا: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنی موت کی تمنا نہ کرے، نہ جلدی موت آنے کیلئے اللہ سے دُعا کرے، کیونکہ جب موت آجائے گی تو عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا (اور اللہ کی رضا و رحمت حاصل کرنے والا کوئی عمل بندہ نہیں کر سکے گا، جو عمل بھی کیا جاسکتا ہے جیتے جی ہی کیا جاسکتا ہے) اور بندہ مومن کی عمر تو اس کیلئے خیر ہی میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ ہے (اس لئے موت کی تمنا اور دُعا کرنا بڑی غلطی ہے) (رواہ مسلم)۔

..... عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوا بِالْمَوْتِ وَلَا تَسْمِنُوهُ فَمَنْ كَانَ دَاعِيًا لَا بَدَّ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ أَحْبِبْنِي مَا كَانَ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم لوگ موت کی دُعا اور تمنا نہ کرو، اگر کوئی ایسی دُعا کیلئے مضطر ہی ہو (اور کسی وجہ سے زندگی اس کیلئے دو بھر ہو) تو اللہ کے حضور یوں عرض کرے، اے اللہ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو دنیا سے مجھے اٹھالے (رواہ النسائی)۔

(تشریح) ان حدیثوں میں دراصل موت کی اس دعا اور تمنا سے ممانعت فرمائی گئی ہے جو کسی تکلیف اور پریشانی سے تنگ آ کر زبان پر آ جاتی ہے۔ بعض حدیثوں کے الفاظ میں اس کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ لَصُرْتُ نَزْلَ بِهِ: تم میں سے کوئی کسی پیش آ جانے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے"۔ اس صورت میں موت کی تمنا اور دُعا سے ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ صبر کی صفت کے خلاف ہے، اور دوسری اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے اس کیلئے توبہ استغفار کے ذریعہ اپنے کو پاک صاف کرنے کا اور حسنات و طاعات کے ذریعہ اپنے ذخیرہ آخرت میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کا مزید تقرب حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ پس موت کی دُعا اس کھلے دروازے کو بند کرنے کی دُعا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس میں بندہ کیلئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ البتہ اللہ کے خاص مقرب بندے جب ان کا وقت موعود قریب آتا ہے تو لقاء الہی کے غلبہ شوق کی وجہ سے کبھی کبھی ان سے موت کی تمنا اور دُعا کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا: "فَاطْرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَالْحَقِّقْنِي بِالصَّلْبِ حِينَ: اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مولا ہے، دنیا اور آخرت میں، مجھے اٹھالے اس حالت میں کہ تیرا فرمانبردار بندہ ہوں، اور مجھے ساتھ کر دے اپنے اچھے نیک بندوں کے" اور آخری وقت میں رسول اللہ ﷺ کی دُعا: "اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ

الْأَعْلَى: اے اللہ میں رفیقِ اعلیٰ کا طالب و سائل ہوں، اسی قبیل سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

## دُعا کے چند آداب

### دوسرے سے پہلے اپنے لئے دُعا:

دُعا کا ایک ادب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کیلئے دُعا کرنی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگے اس کے بعد دوسرے کیلئے۔ اگر صرف دوسرے کیلئے مانگے گا تو اسکی حیثیت محتاج سائل کی نہ ہوگی، بلکہ صرف "سفارشی" کی سی ہوگی، اور یہ بات دربار الہی کے کسی منگتا کیلئے مناسب نہیں ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی دستور تھا کہ جب آپ ﷺ کسی دوسرے کیلئے دعا فرمانا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے۔ عبدیتِ کاملہ کا تقاضہ یہی تھا۔

عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَكَرَ أَحَدًا فَلَدَعَا لَهُ، بَدَأُ بِنَفْسِهِ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو یاد فرماتے اور اس کیلئے دُعا کرنا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے، پھر اس شخص کیلئے دُعا فرماتے (رواہ الترمذی)۔

### ہاتھ اٹھا کے دُعا کرنا:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلَوُ اللَّهُ بِبُطُونِ أَكْفَكُمُ وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا فَإِذَا فَرَعْتُمْ فَاْمَسَحُوا بِهَا وَجُوهَكُمْ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے اس طرح ہاتھ اٹھا کے مانگا کرو کہ تھیلیوں کا رخ سامنے ہو ہاتھ الٹے کر کے نہ مانگا کرو، اور جب دُعا کر چکو تو اٹھے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیر لو (رواہ ابوداؤد)۔

(تشریح) دوسری بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آنے والی اور نازل ہونے والی کسی بلا کو کروانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی تھی، اور جب دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگتے تھے تو سیدھے ہاتھ پھیلا کے مانگتے تھے جس طرح کسی سائل اور منگتا کو ہاتھ پھار کے اور پھیلا کے مانگنا چاہئے۔ اس کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب اللہ سے اپنی حاجت مانگی جائے تو اس کے سامنے فقیروں کی طرح ہاتھ سیدھے پھیلا کے مانگی جائے، اور آخر میں وہ پھیلے ہوئے ہاتھ منھ پر پھیر لئے جائیں اس تصور کے ساتھ کہ یہ پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہے

ہیں، ربِّ کریم کی رحمت و برکت کا کوئی حصہ ان کو ضرور ملا ہے۔

عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ: حضرت سائب بن یزید تابعیؓ اپنے والد یزید بن سعید بن ثمامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کے دُعا مانگتے تو آخر میں اپنے ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیر لیتے تھے (رواہ ابوداؤد والبیہقی)۔

(تشریح) دُعا میں ہاتھ اٹھانا اور آخر میں ہاتھ منہ پر پھیرنا رسول اللہ ﷺ سے قریب قریب بتواتر ثابت ہے۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا ہے ان کو حضرت انسؓ کی ایک روایت سے صرف غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں قریباً تیس (۳۰) حدیثیں اس کے متعلق یکجا کر دی ہیں، اور تفصیل سے ان حضرات کی غلط فہمی کی حقیقت واضح کی ہے۔

### دُعا سے پہلے حمد و صلوة:

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَذْغُو فِي صَلَاتِهِ لَمْ يَحْمِدِ اللَّهَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَلْ هَذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ: أَوْ لَعْنِهِ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدُءْ بِتَحْمِيدِ رَبِّهِ وَالتَّهْنِئَةِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَذْغُو بَعْدَ مَا شَاءَ: حضرت فضالہ بن عبیدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا اس نے نماز میں دُعا کی، جس میں نہ اللہ کی حمد کی نہ نبی ﷺ پر درود بھیجا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اس آدمی نے دُعا میں جلد بازی کی۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس سے یا اس کی موجودگی میں دوسرے آدمی کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (دُعا کرنے سے پہلے) اس کو چاہئے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے، پھر اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگیں اور اللہ سے مانگیں۔

### دُعا کے آخر میں اٰمِن:

عَنْ أَبِي زُهَيْرٍ النَّمَيْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَلَحَّ فِي الْمَسْئَلَةِ فَوَقَفَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ

مِنْهُ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْجَبَ إِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بَائِي يَخْتِمُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِأَمِينٍ، فَإِنَّهُ إِنْ خَتَمَ بِأَمِينٍ فَقَدْ أَوْجَبَ: ابو زہیر نمیریؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے۔ ہمارا گدرا اللہ کے ایک بندے پر ہوا جو بڑے الحاح سے اللہ سے مانگ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر اس کی دعا اور اللہ کے حضور میں اس کا مانگنا، گڑ گڑانا سننے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ: اگر اس نے دُعا کا خاتمہ صحیح کیا اور مہر ٹھیک لگائی، تو جو اس نے مانگا ہے اس کا اس نے فیصلہ کر لیا۔ ہم میں سے ایک نے پوچھا کہ، حضور ﷺ صحیح خاتمہ کا اور مہر لگانے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آخر میں اٰمِن کہہ کے دُعا ختم کرے (تو اگر اس نے ایسا کیا تو بس اللہ سے طے کر لیا) (رواہ ابوداؤد)۔

(تشریح) ختم کے معنی ختم کرنے کے بھی ہیں اور مہر لگانے کے بھی ہیں، بلکہ یہ دونوں دراصل ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں، اس لئے ترجمہ میں دونوں ہی لفظوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ حدیث کا اصل سبق یہ ہے کہ ہر دُعا کے خاتمہ پر بندے کو اٰمِن کہنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میری یہ دُعا قبول فرما۔ اسی پر ہر دُعا کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اس کی حکمت عنقریب ہی پہلے لکھی جا چکی ہے۔

### اپنے چھوٹوں سے بھی دُعا کی درخواست:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ فَأَذِنَ وَقَالَ اشْرُكْنَا يَا أَخِي فِي دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا الدُّنْيَا: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ میں نے عمرہ کرنے کیلئے مکہ معظمہ جانے کی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت عطا فرمادی، اور ارشاد فرمایا: بھئی! ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل کرنا اور ہم کو بھول نہ جانا؟ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھئی کا جو کلمہ کہا، اگر مجھے اس کے عوض ساری دنیا دے دی جائے تو میں راضی نہ ہوں گا (رواہ ابوداؤد و الترمذی)۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دُعا ایسی چیز ہے جس کی استدعا بڑوں کو بھی اپنے چھوٹوں سے کرنی چاہئے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ وہ کسی ایسے مقبول عمل کیلئے یا ایسے مقدس مقام کو جا رہا ہو جہاں قبولیت کی خاص امید ہو۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو ”اَخِي“ کے لفظ سے خطاب فرمایا جو ”اَخِي“



کی تصغیر ہے، اور جس کا لفظی ترجمہ ”بھیا“ ہے۔ اس سے حضرت عمرؓ کو جتنی خوشی ہوئی (جس کا انھوں نے اظہار بھی فرمایا ہے) وہ بالکل برحق ہے۔ اسی کے ساتھ اس حدیث سے حضرت عمرؓ کے مقام کی رفعت اور بارگاہ الہی میں ان کی مقبولیت کی جو شہادت ملتی ہے، وہ بجائے خود بہت بڑی سند ہے۔

## وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَبِّهِ مَلَكَ مُوَكَّلٌ كُلُّ كَلِمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلِكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلِ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کی اپنے بھائی کیلئے غائبانہ دُعا قبول ہوتی ہے اس کے پاس ایک فرشتہ ہے جس کی یہ ڈیوٹی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کیلئے (غائبانہ) کوئی اچھی دُعا کرے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تیری یہ دُعا اللہ قبول کرے اور تیرے لئے بھی اسی طرح کا خیر عطا فرمائے (رواہ مسلم)۔

(تشریح) غائبانہ دُعا کی جس خصوصی قبولیت اور برکت کا اس حدیث میں ذکر ہے اس کی خاص وجہ بظاہر یہ ہے کہ ایسی دُعا میں اخلاص زیادہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمَسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین دعائیں جو خاص طور سے قبول ہوتی ہیں۔ ان کی قبولیت میں شک نہیں ہے۔ ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دُعا، دوسرے مسافر اور پردیسی کی دُعا، تیسرے مظلوم کی دُعا (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)۔

(تشریح) ان دعاؤں کی مقبولیت کا خاص راز بھی یہی ہے کہ یہ دعائیں اخلاص سے اور دل سے ہوتی ہیں۔ اولاد کیلئے ماں باپ کا خلوص تو ظاہر ہے۔ اسی طرح بیچارے پردیسی اور مظلوم کا دل شکستہ ہوتا ہے، اور دل کی شکستگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچنے کی خاص طاقت ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ حَتَّى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتَّى يَصْدَرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتَّى يُفَقَدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيضِ حَتَّى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْآخِ

لَاخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَأَسْرَعُ هَذِهِ الدَّعَوَاتِ إِجَابَةُ دَعْوَةِ الْآخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ آدمیوں کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دُعا جب تک وہ بدلہ نہ لیوے، اور حج کرنے والے کی دُعا جب تک وہ لوٹ کے اپنے گھر واپس نہ آئے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی دُعا جب تک وہ شہید ہو کے دنیا سے لاپتہ نہ ہو جائے، اور بیمار کی دُعا جب تک وہ شفا یاب نہ ہو اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کیلئے غائبانہ دُعا، یہ سب بیان فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا کسی بھائی کیلئے غائبانہ دُعا ہے (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) دُعا اگر حقیقتہً دُعا ہو اور خود دُعا کرنے والے کی ذات اور اس کے اعمال میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو قبولیت میں مانع ہوتی ہے تو دُعا عموماً قبول ہوتی ہے لیکن بندہ مومن کے بعض خاص احوال یا اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے رحمتِ الہی خصوصیت سے متوجہ ہوتی ہے اور دُعا کی قبولیت کا خصوصی استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جن پانچ آدمیوں کی دعاؤں کا ذکر ہے ان میں سے مظلوم کی دُعا اور غائبانہ دُعا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حج اور جہاد ایسے اعمال ہیں کہ جب تک بندہ ان میں مشغول ہو وہ گویا اللہ کی بارگاہ میں ہے اور اس سے قریب تر ہے۔ اسی طرح مرد مومن کی بیماری گناہوں سے اس کی تطہیر کا ذریعہ اور قربِ الہی کی راہ میں اس کی غیر معمولی ترقی کا وسیلہ ہوتی ہے، اور بیماری کے بستر پر وہ ولایت کی منزلیں طے کرتا ہے اس لئے اس کی دُعا بھی خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

## قبولیت دُعا کے خاص احوال و اوقات:

دُعا کی قبولیت میں بنیادی دخل تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دُعا کرنے والے کے تعلق اور اس اندرونی کیفیت کو ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں ”اضطرار“ اور ”ابتنال“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خاص احوال اور اوقات بھی ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی خاص طور سے امید کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے ان احوال و اوقات کی خاص طور سے نشاندہی فرمائی ہے۔

عَنِ الْعُرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فَرِيضَةً فَلَهُ دَعْوَةُ مُسْتَجَابَةٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةُ مُسْتَجَابَةٌ: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دُعا کرے) تو اس کی دُعا قبول ہوگی، اسی طرح جو آدمی قرآن

مجید ختم کرے (اور دُعا کرے) تو اس کی دُعا بھی قبول ہوگی (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

(تشریح) نماز اور خاص کر فرض نماز میں اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے، بشرطیکہ نماز اور تلاوت کی صرف صورت نہ ہو بلکہ حقیقت ہو۔ گویا یہ دونوں عمل بندہ مومن کی معراج ہیں۔ پس ان دونوں کے ختم پر بندہ اللہ سے جو دُعا کرے وہ اس کی مستحق ہے کہ رحمت الہی خود آگے بڑھ کے اس کا استقبال کرے۔

..... عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّعَاءُ لَا يَرُدُّ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اذان اور اقامت کے درمیان دُعا رد نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے (رواہ الترمذی والبوداؤد)۔

..... عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ فِي أَرْبَعَةِ مَوَاطِنَ عِنْدَ الْتِقَاءِ الصُّفُوفِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعِنْدَ نَزُولِ الْغَيْثِ وَعِنْدَ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَ رُؤْيَا الْكَعْبَةِ: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار موقع ہیں جن میں دُعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے۔ (۱) راہ خدا میں جنگ کے وقت، (۲) اور جس وقت آسمان سے بارش ہو رہی ہو (اور رحمت کا سماں ہو) (۳) اور نماز کے وقت، (۴) اور کعبۃ اللہ نظر کے سامنے ہو (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

..... عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةُ مَوَاطِنَ لَا تُرَدُّ فِيهَا دَعْوَةٌ رَجُلٌ يَكُونُ فِي بَرِيَّةٍ حَيْثُ لَا يَرَاهُ أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ فَيَقُومُ وَيُصَلِّي وَرَجُلٌ يَكُونُ مَعَهُ فِتْنَةٌ فَيَقْرَأُ عَنْهُ أَصْحَابَهُ فَيَثْبُتُ وَرَجُلٌ يَقُومُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ: حضرت ربیعہ بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین موقع ایسے ہیں کہ ان میں دُعا کی جائے تو وہ رد نہیں ہوگی (بلکہ لازماً قبول ہی ہوگی)، ایک یہ کہ کوئی آدمی ایسے جنگل بیابان میں ہو جہاں خدا کے سوا کوئی اسے دیکھنے والا نہ ہو وہاں وہ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے (اور پھر دُعا کرے)۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص میدان جہاد میں (دشمن کی فوج کے سامنے) ہو، اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں، مگر وہ (دشمنوں کے زرعہ میں) ثابت قدم رہا ہو (اور اس حال میں دُعا کرے)۔ تیسرے وہ آدمی جو رات کے آخری حصہ میں (بستر چھوڑ کے) اللہ کے حضور میں کھڑا ہو (اور پھر دُعا کرے، تو ان بندوں کی یہ دعائیں ضرور قبول ہوں گی) (رواہ ابن مندہ فی مسندہ)۔

..... عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا خَيْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَذَلِكَ كَحُلِّ لَيْلَةٍ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ: رات میں ایک خاص وقت ہے جو مومن بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرمادے گا۔ اور اس میں کسی خاص رات کی خصوصیت نہیں بلکہ اللہ کا یہ کرم ہر رات میں ہوتا ہے (رواہ مسلم)۔

(تشریح) حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث (معارف الحدیث کی جلد سوم میں) تہجد کے بیان میں صحیحین کے حوالہ سے ذکر کی جا چکی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سماء دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور خود ان کی طرف سے پکار ہوتی ہے کہ کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کا فیصلہ کروں، کوئی ہے مجھ سے دُعا کرنے والا کہ میں اس کی دُعا قبول کروں۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں ہر رات میں قبولیت دُعا کے جس خاص وقت کا ذکر کیا گیا ہے وہ رات کا آخری حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔ مندرجہ بالا حدیثوں سے دُعا کی قبولیت کے جو خاص احوال و اوقات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

فرض نمازوں کے بعد، ختم قرآن کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان، میدان جہاد میں جنگ کے وقت، باران رحمت کے نزول کے وقت، جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو، ایسے جنگل بیابان میں نماز پڑھے کہ جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو، میدان جہاد میں جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو، اور رات کے آخری حصے میں۔

وہ حدیثیں اپنے موقع پر پہلے ذکر کی جا چکی ہیں جن میں شب قدر میں اور عرفہ کے دن، میدان عرفات میں اور جمعہ کی خاص ساعت میں اور روزہ کے افطار کے وقت، اور سفر حج اور سفر جہاد میں اور بیماری اور مسافری کے حالت میں دعاؤں کی قبولیت کی خاص توقع دلائی گئی ہے۔

لیکن یہ بات برابر ملحوظ رہنی چاہئے کہ دُعا کا مطلب، دُعا کے الفاظ اور صرف اسکی صورت نہیں ہے بلکہ اس کی وہ حقیقت ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے، پودا اسی دانے سے اگتا ہے جس میں مغز ہو، اسی طرح آگے درج ہونے والی احادیث سے دُعا کی قبولیت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہئے۔



## دُعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں:

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیت دُعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے، اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے، بندے کا علم بےحد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظُلوم و جہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کیلئے دولتندہ نعمت ہے، اور بہت سے ہیں جن کیلئے دولت فتنہ ہے، بہت سے بندے ہیں جن کیلئے حکومت اور اقتدار قرب خداوندی کا وسیلہ ہے۔ اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کیلئے حکومتی اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے، اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کیلئے بہتر نہیں ہوتی، یا اس کا عطا کرنا حکمت الہی کی خلاف ہوتا ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرمادے۔ دوسری طرف اس کی کربھی کہ یہ تقاضا ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دُعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دُعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا کبھی تو اس کو وہی عطا فرمادیتا ہے، جو دُعا میں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دُعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرمادیتا ہے، اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کیلئے ذخیرہ آخرت بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہر حال دُعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دُعا رائگاں نہیں جاتی اور دُعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيْهَا إِنْهُمْ وَلَا قِطْعَةٌ رَّحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا أَحَدًا ثَلَاثَ أَمْاَ أَنْ يُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ، وَأَمْاَ أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ، فِي الْأَخِرَةِ وَأَمْاَ أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ الشُّؤْمِ مِثْلَهَا قَالُوا إِذَا نَكْثَرُ قَالَ اللَّهُ أَكْثَرُ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مومن بندہ کوئی دُعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے۔ یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرمادیا جاتا ہے، یا اس

کی دُعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنادیا جاتا ہے، یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دُعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: جب بات یہ ہے (کہ ہر دُعا قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے (رواہ احمد)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا اور غیر فانی ہے۔ اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کیلئے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ، اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائینگے تو بندے کی زبان سے نکلے گا:

يَا لَيْتَنِي، لَمْ يُعَجَّلْ لِي، شَيْءٌ مِنْ دُعَائِي: اے کاش: میری کوئی بھی دُعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، اور ہر دُعا کا پھل مجھے یہیں ملتا (کنز العمال، جلد ۲، ص ۵۷) (معارف الحدیث، جلد ۵، ص ۱۱۴ تا ۱۴۳)۔

## استغفار کے فضائل

توبہ استغفار کے متعلق بندہ کی کتاب جواہر الاسلام کے کتاب الاخلاق کے باب توبہ میں مفصل بیان آچکا ہے اور یہاں اس کے فضائل بھی معارف الحدیث جلد پنجم سے نقل کر رہا ہوں ان کو پڑھ لیجئے۔ حضرت مولانا منظور نعمانیؒ توبہ استغفار کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

دعا ہی کی ایک خاص قسم استغفار ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش مانگنا اور توبہ گویا اس کے لوازم میں سے ہے، بلکہ یہ دونوں ہی آپس میں لازم و ملزوم ہیں، توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانی یا ناپسندیدہ عمل بندے سے سرزد ہو جائے اس کے برے انجام کے خوف کے ساتھ اس پر اسے دلی رنج و ندامت ہو، اور آئندہ کیلئے اس سے بچے رہنے اور دور رہنے کا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی رضا جوئی کا وہ عزم اور فیصلہ کرے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ توبہ والی کیفیت نصیب ہوگی تو جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں بندہ اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی اور بخشش کی استدعا بھی ضرور کرے گا، تا کہ ان کی سزا اور برے انجام سے بچ سکے۔ اور اسی طرح جب سزا اور عذاب کے خوف سے معافی اور بخشش مانگے گا تو اس کو گناہ پر رنج و افسوس اور آئندہ کیلئے اس کے پاس نہ جانے کا عزم بھی ضرور ہوگا۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ فی الحقیقت یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

توبہ و استغفار کی حقیقت اس مثال سے اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ کوئی آدمی مثلاً غصہ کی حالت میں خود کشی کے ارادہ سے زہر کھالے، اور جب وہ زہر اندر پہنچ کر اپنا عمل شروع کرے اور آنتیں کٹنے لگیں، اور وہ ناقابل برداشت تکلیف اور بے چینی ہونے لگے جو زہر کے نتیجے میں ہوتی ہے، اور موت سامنے کھڑی نظر آئے تو اس کو اپنی اس احمقانہ حرکت پر رنج و افسوس ہو، اور اس وقت وہ چاہے کہ کسی بھی قیمت پر اس کی جان بچ جائے، اور جو دو حکیم یا ڈاکٹر اسے بتائیں وہ اسے استعمال کرے، اور اگر نہ کرنے کیلئے کہیں تو قے لانے کیلئے بھی ہر تدبیر اختیار کرے۔ یقیناً اس وقت وہ پوری صدق دلی کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کرے گا کہ اگر میں زندہ بچ گیا تو آئندہ کبھی ایسی حماقت نہیں کروں گا۔

بالکل اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ کبھی کبھی صاحب ایمان بندہ غفلت کی حالت میں اغواءِ شیطانی یا خود اپنے نفسِ امّارہ کے تقاضے سے گناہ کر بیٹھتا ہے، لیکن جب اللہ کی توفیق سے اس کا ایمانی حاسہ بیدار ہوتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنے مالک و مولیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے کو ہلاک کر ڈالا، اور اللہ کی رحمت و عنایت اور اس کی رضا کے بجائے میں اس کے غضب اور عذاب کا مستحق ہو گیا، اور اگر میں اس حالت میں مر گیا تو قبر میں اور اس کے بعد حشر میں مجھ پر کیا گذرے گی اور وہاں اپنے مالک کو کیا منہ دکھاؤں گا اور آخرت کا عذاب کیسے برداشت کر سکوں گا۔ الغرض جب توفیقِ الہی سے اس کے اندر یہ فکر و احساس پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ یقین و عقیدہ رکھتے ہوئے کہ میرا مالک و مولیٰ بڑا رحیم و کریم ہے، معافی مانگنے پر بڑے سے بڑے گناہوں قصور کو وہ بڑی خوشی سے معاف فرما دیتا ہے، وہ اس سے معافی اور بخشش کی استدعا کرتا ہے اور اسی گناہ کے زہر کا علاج سمجھتا ہے۔

نیز اس کے ساتھ وہ آئندہ کیلئے فیصلہ کرتا ہے کہ اب کبھی اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کروں گا اور کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ بس بندے کے اسی عمل کا نام استغفار اور توبہ ہے۔

## توبہ و استغفار بلند ترین مقام:

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مقبولین و مقربین کے مقامات میں سب سے بلند مقام عبدیت اور بندگی کا ہے، اور دعا چونکہ عبدیت اور بندگی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے، بلکہ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق وہی "مُسَخُّ الْعِبَادَہ" (یعنی بندگی اور عبادت کا مغز اور جوہر ہے) اس لئے انسانی اعمال و احوال میں سب سے اکرم و اشرف دعا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اپنے موقع پر درج ہو چکا ہے؛ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ (اللہ کے یہاں کوئی چیز دعا سے زیادہ عزیز اور قیمتی نہیں ہے)۔

اور استغفار و توبہ کے وقت بندہ چونکہ اپنی گہنگاری اور تقصیر کے احساس کی وجہ سے انتہائی ندامت اور احساسِ پستی کی حالت میں ہوتا ہے، اور گناہ کی گندگی کی وجہ سے مالک کو منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا، اور اپنے

کو مجرم اور خطاوار سمجھ کر معافی اور بخشش مانگتا اور آئندہ کیلئے توبہ کرتا ہے، اس لئے بندگی اور تذلل اور گہنگاری و قصور واری کے احساس کی جو کیفیت استغفار و توبہ کے وقت میں ہوتی ہے وہ کسی دوسری دعا کے وقت نہیں ہوتی، بلکہ نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر استغفار و توبہ دراصل اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قربِ الہی کے مقامات میں بلند ترین مقام ہے، اور توبہ و استغفار کرنے والے بندوں کیلئے صرف معافی اور بخشش ہی کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و محبت اور اس کے پیار کی بشارت سنائی گئی ہے۔

وہ حدیثیں آگے آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ ہر وقت توبہ و استغفار کرتے تھے۔ اوپر کی سطروں میں توبہ و استغفار کی متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے اس کثرتِ استغفار کی وجہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔

دراصل یہ خیال بہت ہی عامیانہ اور غلط ہے کہ استغفار و توبہ عاصیوں اور گنہگاروں ہی کا کام ہے، اور انہی کو اس کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے خاص مقرب بندے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام جو گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق بالکل ادا نہ ہو سکا، اس لئے وہ برابر توبہ و استغفار کرتے ہیں، اور اپنے عمل کو خُشی کہ اپنی نمازوں کو قابلِ استغفار سمجھتے ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری جلد "کتاب الصلوة" میں حضرت ثوبانؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ کہتے تھے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ (یعنی اے اللہ میں تجھ سے بخشش و معافی چاہتا ہوں) نماز کے بعد آپ کا یہ استغفار اسی بنیاد پر ہوتا تھا کہ آپ محسوس کرتے تھے کہ نماز کا حق ادا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

بہر حال توبہ و استغفار عاصیوں اور گنہگاروں کیلئے مغفرت و رحمت کا ذریعہ اور مقربین و معصومین کیلئے درجاتِ قرب و محبوبیت میں بے انتہا ترقی کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم و یقین اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ اس تمہید کے بعد استغفار و توبہ سے متعلق احادیث پڑھئے۔ اور سب سے پہلے وہ احادیث پڑھئے جن میں توبہ و استغفار کے باب میں خود رسول اللہ ﷺ کا معمول ذکر کیا گیا ہے۔

## توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ حسنہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَسْتَغْفِرُ

اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خدا کی قسم میں دن میں ستر (۷۰) دفعہ سے زیادہ



اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ اور استغفار کرتا ہوں“ (رواہ البخاری)۔

(تشریح) اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور و احساس ہوگا وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو اداء حقوق عبودیت میں قصور وار سمجھے گا، اور رسول اللہ ﷺ کو چونکہ یہ چیز بدرجہ کمال حاصل تھی اس لئے آپ پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت کا حق ادا نہ ہو سکا، اسی واسطے آپ بار بار اور مسلسل توبہ و استغفار فرماتے تھے۔ اور اس کا اظہار فرما کر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

عَنِ الْأَعْرَ الْمُزْنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوُوبُوا إِلَى اللَّهِ فَإِنِّي أَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةً مَرَّةً: حضرت اغرزنئیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ کے حضور میں توبہ کرو، میں خود دن میں سو سو دفعہ اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں (رواہ مسلم)۔

(تشریح) پہلی حدیث میں ”أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً“ (ستر دفعہ سے زیادہ) اور اس حدیث میں ”مِائَةً مَرَّةً“ (سو دفعہ) دراصل صرف کثرت کے بیان کیلئے ہیں اور قدیم عربی زبان کا یہ عام محاورہ ہے، ورنہ حضور ﷺ کے استغفار و توبہ کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ إِنَّا كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِي: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک نشست میں شمار کر لیتے تھے کہ آپ سو سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے ”رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ“ (اے میرے رب مجھے معاف کر دے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما کر مجھ پر عنایت فرما بے شک توبہ بہت عنایت فرما اور بہت بخشنے والا ہے) (رواہ احمد والترمذی والبوداؤد)۔

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطور ورد و وظیفہ کے استغفار و توبہ کا یہ کلمہ ایک نشست میں سو دفعہ پڑھتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہم لوگ بھی حاضر رہتے، بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور آپ اسی درمیان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ان کلمات کے ساتھ استغفار و توبہ بھی کرتے رہتے۔ اور ہم اپنے طور پر اس کو شمار کرتے رہتے تو معلوم ہوتا کہ ایک نشست میں آپ نے سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا۔ واللہ اعلم۔

گناہوں کی سیاہی اور توبہ و استغفار سے اس کا ازالہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْثَةً سَوْدَاءَ فِي قَلْبِهِ فَإِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ ذَادَ ذَادَتْ حَتَّى تَعْلُوا قَلْبَهُ، فَذَلِكَ الرَّأْيُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى ”كَأَلَا بَلْ رَأَى عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجا و استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے، اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ و استغفار کے بجائے مزید گناہ کئے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہی وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے، ”كَأَلَا بَلْ رَأَى عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)۔

(تشریح) قرآن مجید میں ایک موقع پر بد انجام کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ”كَأَلَا بَلْ رَأَى عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی بد کرداریوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ اور سیاہی آ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور بد کرداریوں کی وجہ سے صرف کافروں ہی کے دل سیاہ نہیں ہوتے بلکہ مسلمان بھی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھی گناہ کی نحوست سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر وہ سچے دل سے توبہ و استغفار کر لے تو یہ سیاہی اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور دل حسب سابق صاف اور نورانی ہو جاتا ہے، لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ و استغفار نہ کرے یا کہ معصیت و نافرمانی ہی کے راستہ پر آگے بڑھتا رہے تو پھر یہ ظلمت برابر بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے، اور کسی مسلمان کیلئے بلاشبہ یہ انتہائی بد بختی کی بات ہے کہ گناہوں کی ظلمت اس کے دل پر چھا جائے، اور اس کے قلب میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آدمی خطا کار ہے (کوئی نہیں ہے جس سے کبھی کوئی خطا اور لغزش نہ ہو) اور خطا کاروں میں وہ بہت اچھے ہیں جو (خطا و قصور کے بعد) مخلصانہ توبہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف

رجوع ہو جائیں رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خطا اور لغزش تو گویا آدمی کی سرشت میں ہے۔ آدم کا کوئی فرزند اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن وہ بندے بڑے اچھے اور خوش نصیب ہیں جو خطا و قصور اور گناہ کے بعد نادم ہو کر اپنے مالک کی طرف رجوع ہوں، اور توبہ استغفار کے ذریعہ اس کی رضا و رحمت حاصل کریں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ کر لینے والا گناہگار بندہ بالکل اس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سچی توبہ کے بعد گناہ کا کوئی اثر اور داغ دھبہ باقی نہیں رہتا، اور بعض روایات میں ہے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا (كَيَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ)۔ اور وہ احادیث انشاء اللہ آگے درج ہوں گی جن سے معلوم ہوگا کہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہو جائیں، اور معصیات کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھبے مٹا دیئے جائیں، بلکہ تائب بندہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے، اور اس کی توبہ سے اس کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ التَّوَّابِينَ۔

## مرنے والوں کیلئے بہترین تحفہ استغفار:

..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمَتَّعُوْثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةَ تَلْحَقُهُ مِنْ أَبِي أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَدْخُلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْأَسْتَغْفَارُ لَهُمْ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر میں مدفون مردے کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کیلئے چیخ پکار رہا ہو۔ وہ بے چارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں یا باپ یا بھائی یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعائے رحمت و مغفرت کا تحفہ پہنچے، جب کسی طرف سے اس کو دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتا ہے۔ اور دنیا میں رہنے بسنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جاسکتی ہے۔ اور مردوں کیلئے زندوں کا خاص ہدیہ ان کیلئے

دعائے مغفرت ہے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ أَنْتَ لِي هَذِهِ؟ فَيَقُولُ بِاسْتِغْفَارٍ وَلَكَ لَكَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں کسی مرد صالح کا درجہ ایک دم بلند کر دیا جاتا ہے، تو وہ جنتی بندہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگار! میرے درجہ اور مرتبہ میں یہ ترقی کس وجہ سے اور کہاں سے ہوئی؟ جواب ملتا ہے کہ تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے (رواہ احمد)۔

(تشریح) اس حدیث میں اولاد کی دعا سے درجہ میں ترقی کا ذکر صرف تمثیلاً کیا گیا ہے، ورنہ دوسرے اہل ایمان کی دعائیں بھی اسی طرح نفع مند ہوتی ہیں۔ زندگی میں جس طرح سب سے بڑا حق اولاد پر والدین کا ہے اور ان کی خدمت و اطاعت فرائض میں سے ہے، اسی طرح مرنے کے بعد اولاد پر والدین کا خاص حق ہے کہ ان کیلئے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔ مرنے کے بعد ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا یہی خاص راستہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی دونوں حدیثوں کا مقصد صرف ایک حقیقت کی اطلاع دینا ہی نہیں ہے، بلکہ ایک بلیغ انداز میں اولاد اور دوسرے اقارب و متعلقین کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مرنے والوں کیلئے مغفرت و رحمت کی دعائیں کرتے رہیں۔ ان کے یہ تحفے قبروں میں، اور جنت تک مرحومین کو پہنچتے رہیں گے۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے کہ کسی کی دعاؤں سے کسی بندے کو اس عالم میں کیا ملا۔ اور اس کے حال اور درجہ میں کیسی ترقی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

## عام مؤمنین کیلئے استغفار:

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے لئے اور عام مؤمنین و مؤمنات کیلئے استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کیا کریں (وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) یہی حکم ہم امتیوں کیلئے بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی ترغیب دی اور بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھیے:



عَنْ عَبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اسْتَغْفَرَ لِمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةٌ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کیلئے ہر مومن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

(تشریح) کسی صاحب ایمان بندے یا بندی کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا، ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑا احسان اور اس کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس لئے جب کسی بندے نے عام اہل ایمان (مومنین و مومنات) کیلئے استغفار کیا اور ان کیلئے اللہ سے بخشش کی دعا کی، تو فی الحقیقت اس نے اولین و آخرین، زندہ اور مردہ سب ہی اہل ایمان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کی، اس لئے ہر ایک کے حساب میں اس کی یہ نیکی لکھی جائے گی۔ سبحان اللہ ہمارے لئے لاتعداد نیکیوں کے کمانے کا کیسا راستہ کھولا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ جمیع مومنین و مومنات کیلئے دعائے مغفرت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ: اے ہمارے رب مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو بخش دے، اور تمام ہی ایمان والوں کی مغفرت فرما دے قیامت کے دن۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعًا وَعِشْرِينَ مَرَّةً كَانَ مِنَ الَّذِينَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ وَيُرْزَقُ بِهِمْ أَهْلُ الْأَرْضِ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ عام مومنین و مومنات کیلئے ہر روز (۲۷ دفعہ) اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا کریگا وہ اللہ کے ان مقبول بندوں میں سے ہو جائیگا جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور جن کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا ہے (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

(تشریح) اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی محبوب ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت و خیر خواہی اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے: الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ فَاحْبَبْ النَّاسَ إِلَى اللَّهِ أَنْفَعَهُمْ لِعِيَالِهِ: سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس لئے لوگوں میں اللہ کو زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائیں (کنز العمال)۔ پھر جس طرح مخلوق کیلئے کھانے، پکڑے کے قسم کی زندگی کی ضروریات فراہم کرنا اور ان کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ اس دنیا میں ان کی خدمت اور نفع رسانی کی صورتیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندوں کیلئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا بھی اخروی زندگی کے لحاظ سے ان کی بہت بڑی خدمت اور ان کے

ساتھ بہت بڑی نیکی ہے، اور اس کی قدر و قیمت آخرت میں اس وقت معلوم ہوگی جب یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ کسی کے استغفار نے کسی کو کیا دلویا اور کتنا نفع پہنچایا۔ پس جو مخلص بندے اخلاص اور دل کی گہرائی سے ایمان والے بندوں اور بندیوں کیلئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اور دن رات میں بار بار کرتے ہیں (جس کا کورس اس حدیث میں ۲۷ بتایا گیا ہے) وہ تمام مومنین و مومنات کے خاص الخاص محسن اور گویا آخرت کے لحاظ سے ”اصحابِ خدمت“ ہیں اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایسے مقرب اور مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں، اور انکی دعاؤں کی برکت سے دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔

لیکن یہ بات یہاں قابل لحاظ ہے کہ اس دنیا میں تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی خدمت اور اس کو ضروری درجہ کا آرام پہنچانے کی کوشش نیکی اور کارِ ثواب ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: ”فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبٌ صَدَقَةٌ“ لیکن اللہ سے مغفرت اور جنت کی دعا صرف اہل ایمان ہی کیلئے کی جاسکتی ہے۔ کفر و شرک والے جب تک اس سے توبہ نہ کریں مغفرت اور جنت کے قابل نہیں ہیں، اس لئے ان کے واسطے مغفرت اور جنت کی دعا بھی نہیں کی جاسکتی۔ ہاں ان کے واسطے ہدایت اور توبہ کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے، جس کے بعد ان کیلئے مغفرت اور جنت کا دروازہ کھل سکے۔ ان کے حق میں یہی دعا کرنا انکے ساتھ بہت بڑی نیکی اور خیر خواہی ہے۔

## توبہ و استغفار کے خاص کلمات:

توبہ و استغفار کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس میں اصل اہمیت اور بنیادی حیثیت معنی اور مقصد اور دل کی کیفیت کی ہے۔ بندہ جس زبان میں اور جن مناسب الفاظ میں توبہ و استغفار کرے، وہ اگر سچے دل سے ہے تو اللہ کے نزدیک حقیقی توبہ و استغفار ہے اور قابل قبول ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے توبہ و استغفار کے بعض کلمات بھی تلقین فرمائے ہیں اور ان کی خاص فضیلت اور برکت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:-

عَنْ بَلَالِ بْنِ يَسَارٍ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَالَ اسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَاتُّوبُ إِلَيْهِ غُفِرَ لَهُ، وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ: بلال بن یسار بن زید نے اپنے والد یسار سے نقل کیا اور انھوں نے اپنے والد حضرت زیدؓ سے نقل کیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس بندے نے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ و استغفار کیا۔

۱۔ یہ زیدؓ آنحضرت ﷺ کے مشہور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسرے صحابی ہیں، ان کا نام بھی زیدؓ ہے اور ان کے والد کا نام بولی بتایا گیا ہے، یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، آپ ﷺ نے ان کو بھی آزاد فرما دیا تھا۔

”اَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَآتُوبُ إِلَيْهِ“ (میں اس اللہ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں جو حی و قیوم ہے اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو وہ بندہ ضرور بخش دیا جائے گا، اگرچہ اس نے میدان جنگ سے بھاگنے کا گناہ کیا ہو (رواہ الترمذی والبوداؤد)۔

(تشریح) جان بچانے کیلئے میدان جہاد سے بھاگنا بدترین کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لیکن اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اس بدترین اور سخت ترین گناہ کا مرتکب بھی ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار اور توبہ کرے گا تو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی والہام کے بغیر نہیں فرما سکتے، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ گناہگاروں کیلئے معافی اور مغفرت کی درخواست کے یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے ہیں، اور ان الفاظ کے ساتھ درخواست کرنے والوں کیلئے بڑے بڑے گناہوں کی معافی اور مغفرت کا حتمی وعدہ بلکہ فیصلہ فرمادیا گیا ہے۔ قربان اس رحمت کے لیکن یہ بات پھر بھی ملحوظ رہے کہ استغفار صرف الفاظ کا نام نہیں ہے، اللہ کے نزدیک حقیقی استغفار وہی ہے جو دل سے ہو۔

## سید الاستغفار:

مندرجہ ذیل حدیث میں استغفار کے ایک کلمہ کو رسول اللہ ﷺ نے "سید الاستغفار" ر بتایا ہے، اور اس کی غیر معمولی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور بلاشبہ اپنے مضمون و مفہوم کے لحاظ سے بھی وہ ایسا ہی کلمہ ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْإِسْتِغْفَارِ أَنْ تَقُولَ "اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَىٰ عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ:

حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”سید الاستغفار“ (یعنی سب سے اعلیٰ استغفار) یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے ”اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَىٰ عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ“ (اے اللہ! تو ہی میرا رب (یعنی مالک و مولا) ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور

وجود بخشا، میں تیرا بندہ ہوں، اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے، میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا، اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے۔ اے میرے مالک و مولا! تو مجھے معاف فرما دے اور میرے گناہ بخش دے، تیرے سوا گناہوں کو بخشے والا کوئی نہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس بندے نے اخلاص اور دل کے یقین کے ساتھ دن کے کسی حصے میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آگئی تو وہ بلاشبہ جنت میں جائے گا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ کو حضور میں یہ عرض کیا اور صبح ہونے سے پہلے اس رات میں وہ چل بسا تو بلاشبہ جنت میں جائے گا (رواہ البخاری)۔

(تشریح) اس استغفار کی اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے سب سے پہلے عرض کیا گیا ہے ”اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ“ (اے اللہ! تو ہی میرا رب (یعنی مالک و مولا) ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا، میں تیرا بندہ ہوں۔ اس کے بعد عرض کیا گیا ہے کہ: ”وَأَنَا عَلَىٰ عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ“ اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا“ یہ بندے کی طرف سے اپنی کمزوری کے اعتراف کے ساتھ ایمانی عہد و میثاق کی تجدید ہے اس کے آگے عرض کیا گیا ہے: ”أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ“ مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں اور آئندہ ہو، ان کے برے نتیجے سے اے میرے مالک و رب میں تیری پناہ کا طالب ہوں“ اس میں اعتراف قصور کے ساتھ اللہ کی پناہ بھی چاہی گئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا گیا ہے: ”أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي“ میں تیرے انعامات و احسانات کا اور اپنی گناہ گاریوں اور خطا کاریوں کا اعتراف کرتا ہوں“ آخر میں عرض کیا گیا ہے: ”فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ“ اے میرے مالک و مولا! تو اپنے رحم و کرم سے میرے جرائم میرے گناہ بخش دے، جرموں اور گناہوں کو بخشے والا بس تو ہی ہے۔

حق یہ ہے کہ جس صاحب ایمان بندے کو وہ معرفت و بصیرت نصیب ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت کو سمجھتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اسکے حقوق کو بھی کچھ جانتا ہو تو وہ اپنے کو صرف قصور وار اور گناہگار اور خیر اور بھلائی کے معاملہ میں بالکل مفلس اور تہی مایہ محسوس کرے گا اور پھر اس کے دل کی آواز اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی التجا یہی ہوگی جو رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے اس استغفار میں



محسوس ہوتی ہے۔ اس کو ”سید الاستغفار“ اسی خصوصیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پہنچ جانے کے بعد آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہر امتی کو چاہئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے کہ ہر دن اور رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ استغفار کر لیا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ہمارے استاذ حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ پر، اب سے ۴۵ سال پہلے دارالعلوم دیوبند میں ان ہی سے مشکوٰۃ شریف پڑھی۔ جب سبق میں یہ حدیث آئی تو حضرت مولاناؒ نے پوری جماعت کو حکم دیا کہ یہ ”سید الاستغفار“ سب یاد کر لیں کل میں سب سے سنوں گا۔ چنانچہ اگلے دن قریب قریب سب طلباء سے سنا، اور وصیت فرمائی کہ دن رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کرو۔

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو بِهَذِهِ الدُّعَاءِ ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَاسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي هَزْلِي وَجِدِّي وَخَطَايَايَ وَعَمْدِي وَكُلَّ ذَالِكَ عِنْدِي“۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض کیا کرتے تھے؛ اے اللہ؛ میری خطا میرے قصور معاف کر دے، اور (علم و معرفت کے تقاضے کے خلاف) جو نادانی کا کام میں نے کیا ہو اس کو معاف فرما دے اور اپنے جس معاملہ میں بھی میں نے تیرے حکم اور تیری رضا کی حد سے تجاوز کیا ہو اس کو بخش دے۔ اے میرے اللہ؛ میرے وہ گناہ بھی معاف فرما دے جو نہی مذاق میں مجھ سے سرزد ہو گئے ہو اور وہ بھی معاف کر دے جو میں نے سوچ سمجھ کے اور بنجیدگی سے کئے ہوں۔ میرے مالک؛ میری خطائیں بھی معاف کر دے جو بلا ارادہ مجھ سے سرزد ہو گئی ہوں، اور وہ بھی معاف فرما دے جو میں نے جان بوجھ کے ارادہ سے کی ہوں اور (اے میرے مالک؛ تو جانتا ہے کہ) یہ سب خطائیں میں نے کی ہیں (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) اللہ اکبر؛ سید المرسلین محبوب رب العلمین ﷺ جو یقیناً معصوم تھے، ان کے احساسات اپنے بارے میں یہ تھے، اور وہ اپنے کو سرتا سر خطا کار اور قصور وار سمجھتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح استغفار کرتے تھے،۔ حق یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ اپنے کو ادائے حق عبدیت کے بارے میں قصور وار سمجھے گا ”قرباں را بیش بود حیرانی“۔ رسول اللہ ﷺ کے اس استغفار کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے، اور ہم امتیوں کیلئے اس میں بڑا سبق ہے۔

## استغفار کی برکات:

استغفار کی اصل غرض و غایت اور اس کا موضوع تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو معاف کرانا ہے تاکہ بندہ ان کے عذاب و وبال سے بچ جائے، لیکن قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ استغفار بہت سی دنیوی برکات کا بھی باعث بنتا ہے اور بندے کو اس دنیا میں بھی اس کے طفیل بہت کچھ ملتا ہے، اللہ تعالیٰ یقین و عمل نصیب فرمائے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْإِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرْجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ جو بندہ استغفار کو لازم پکڑے (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ہر تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنا دے گا۔ اور اس کی ہر فکر اور ہر پریشانی کو دور کر کے کشادگی اور اطمینان عطا فرما دے گا، اور اس کو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کا کہ اس کو خیال و گمان بھی نہ ہوگا (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)۔

(تشریح) ملحوظ رہے کہ یہ وعدہ صرف زبان سے کلماتِ استغفار پڑھنے پر نہیں ہے، بلکہ استغفار کی حقیقت پر ہے جس کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نصیب فرمائے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا: حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ؛ خوشی ہو اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے (یعنی آخرت میں وہ دیکھے کہ اس کے اعمال نامہ میں استغفار بکثرت درج ہے) (رواہ ابن ماجہ والنسائی)۔

(تشریح) واضح رہے کہ اعمال نامہ میں حقیقی استغفار کے طور پر وہی استغفار درج ہوگا جو حقیقت کے لحاظ سے اور عند اللہ بھی استغفار ہوگا۔ اور جو صرف زبان سے استغفار ہوگا وہ اگر درج ہوگا تو صرف زبانی اور لفظی استغفار کے طور پر درج ہوگا، اور اگر اندارج پانے کے قابل نہ ہوگا تو درج ہی نہ ہوگا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ؛ ”طوبیٰ لِمَنْ اسْتَغْفَرَ كَثِيرًا“: خوشی ہو اور مبارک ہو اس کو جو بکثرت استغفار کرے، بلکہ یہ فرمایا کہ؛ ”طوبیٰ لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا“: خوشی ہو اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے، امت کی مشہور عارفہ حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا سے

منقول ہے، وہ فرماتی تھیں کہ؛ ہمارا استغفار خود اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کے حضور میں اس سے بہت زیادہ استغفار کیا جائے۔ اس حدیث میں ”طوبی“ کا لفظ بہت ہی جامع ہے، دنیا اور آخرت اور جنت کی ساری ہی مسرتیں اور نعمتیں اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ جس بندے کو حقیقی استغفار نصیب ہو اور خوب کثرت سے نصیب ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے اور اس کو سب ہی کچھ نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔

## استغفار پوری امت کیلئے امان:

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں استغفار کی جن برکات کا ذکر کیا گیا وہ انفرادی تھیں، یعنی وہ استغفار کرنے والے افراد ہی کو حاصل ہوں گی۔ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ ان انفرادی برکات کے علاوہ استغفار کرنے والوں کے استغفار کی ایک بہت بڑی اور عمومی برکت یہ ہے کہ وہ پوری امت کیلئے عذاب عام سے امان ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے قیامت تک امت گویا اسی کے سایہ میں ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيَّ أَمَانَيْنِ لَأُمَّتِي وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ فَإِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيهِمْ الْأِسْتِغْفَارَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ: حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کیلئے دو امانیں مجھ پر نازل فرمائیں (سورۃ انفال میں ارشاد فرمایا گیا) ”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ (یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ تم ان کے درمیان موجود ہو اور ان پر عذاب نازل کر دے، اور اللہ انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں گے اور معافی و مغفرت مانگتے ہوئے) (آپ نے فرمایا) پھر جب میں گذر جاؤں گا تو قیامت تک کیلئے تمہارے درمیان استغفار کو (بطور امان) چھوڑ جاؤں گا (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) سورۃ انفال کی آیت ۳۳ ”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ جس کا اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حوالہ دیا ہے اس کا مدعا اور مقتضایہ ہے کہ ایک تو خود آپ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کا وجود امت کیلئے عذاب سے امان ہے، جب تک آپ ﷺ ان میں موجود ہیں ان پر عذاب عام نازل نہیں ہوگا۔ اور دوسری چیز جو ان کیلئے وسیلہ امان ہے وہ خود ان کا استغفار ہے۔ جب تک یہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت مانگتے رہیں گے اور استغفار کرتے رہیں گے عذاب عام سے ہلاک نہیں کئے جائیں گے۔ گویا ایک امان خود آپ ﷺ کا وجود تھا، جس سے امت آپ

ﷺ کی وفات کے بعد محروم ہوگئی۔ دوسری امان خود امت کا استغفار ہے، وہ بھی امت کو آپ ﷺ ہی کے ذریعہ ملا ہے، اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اور امت انتہائی بد اعمالیوں کے باوجود عذاب عام سے آج تک محفوظ ہے یہ استغفار کرنے والے بندوں کے استغفار ہی کی برکت ہے (معارف الحدیث، جلد ۵)۔

## صلوٰۃ و سلام

”صلوٰۃ و سلام“ دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ اور اشرف درجہ کی ایک دعا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفائتگی کے اظہار کے لئے آپ کے حق میں کی جاتی ہے اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں دیا گیا ہے اور بڑے پیارے اور موثر انداز میں دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی ﷺ پر اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجا کرو (سورۃ احزاب، ۵۶)۔

اس آیت کریمہ میں خطاب اہل ایمان کو ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مؤمن ہی نبی کریم ﷺ پر اخلاص کے ساتھ درود و سلام بھیج سکتا ہے مشرکین، کفار اور منافقین جن کو نبی اکرم ﷺ سے محبت نہیں تو وہ نبی کریم، ﷺ پر اخلاص کے ساتھ درود و سلام نہیں بھیج سکتا دوسری بات اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوئی کہ درود و سلام جو ایک اعلیٰ دعا ہے یہ ضرور بضر و قبول ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس دعا کا حکم فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجا کرو اس سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب نبی کریم ﷺ پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور عنایتیں بارش کی طرح نازل ہوتی رہتی ہیں اور آپ کو فرشتوں کی رحمت اور اچھی سے اچھی دعائیں حاصل ہیں تو آپ ﷺ ہماری دعاؤں کے محتاج نہیں اور نہ ہی درود بھیج کر آپ ﷺ پر کوئی احسان کرتے ہیں بلکہ یہ خود ہماری ضرورت ہے۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کریں (اور یہی آیت کا اصل موضوع اور مدعا ہے) لیکن اس خطاب اور حکم میں خاص اہمیت اور وزن پیدا کرنے کے لئے پہلے بطور تمہید فرمایا گیا ہے کہ؛ ”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ“ (یعنی نبی ﷺ پر صلوٰۃ) (جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے) خداوند قدوس اور اس کے پاک فرشتوں کا معمول و دستور ہے، تم بھی اس کو اپنا معمول بنا کے اس محبوب و مبارک عمل میں شریک ہو جاؤ۔

حکم اور خطاب کا یہ انداز قرآن پاک میں صرف صلوٰۃ و سلام کے اس حکم ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہے



دوسرے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کے لئے بھی نہیں کہا گیا کہ خدا اور اس کے فرشتے یہ کام کرتے ہیں تم بھی کرو۔ بلاشبہ صلوٰۃ و سلام کا یہ بہت بڑا امتیاز ہے، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے مقام محبوبیت کے خصائص میں سے ہے۔

## صلوٰۃ علی النبی کا مطلب اور ایک اشکال کا حل:

سورہ احزاب کی اس آیت میں بہت سے لوگوں کو یہ اشکال محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اللہ اور فرشتوں کی نسبت سے بھی ”صلوٰۃ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مومن بندوں کی نسبت سے بھی وہی لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے ان میں ہر ایک کا عمل دوسرے سے یقیناً مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ کا جو عمل ہوتا ہے (جس کو اس آیت میں فرشتوں کے عمل کے ساتھ جوڑ کر ”یُصَلُّوْنَ“ کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے) وہ ہرگز فرشتوں اور مومنین کا عمل نہیں ہو سکتا اور اسی طرح ایمان والے بندوں سے جس عمل صلوٰۃ کا مطالبہ ”صَلُّوْا“ کے لفظ سے کیا گیا ہے وہ ہرگز خدا کا فعل نہیں ہو سکتا۔

اس کو حل کرنے کیلئے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ نسبت کے بدلنے سے صلوٰۃ کے معنی بدل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے رحمت نازل کرنا اور جب ملائکہ یا مومنین کی طرف نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ کے معنی میں بہت وسعت ہے۔ تکریم و تشریف، مدح و ثنا، رفع مراتب محبت و عطوفت، برکت و رحمت، پیار دلدار، ارادہ خیر، ان سب کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے اس لئے اس کی نسبت اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف اور ایمان والے بندوں کی طرف یکساں طور پر کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اس کی شان عالی کے مطابق ہوگی، اور فرشتوں کی طرف سے ان کے مرتبہ کے مطابق اور مومنین کی طرف سے ان کی حیثیت کے مطابق اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر خاص الخاص عنایت و نوازش اور بڑا پیار دلدار ہے، اور ان کی مدح و ستائش کرنا اور عظمت و شرف کے بلند ترین مقام تک ان کو پہنچانا چاہتا ہے اور فرشتے بھی ان کی تکریم و تعظیم اور مدح و ثنا کرتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بیش از بیش الطاف و عنایات اور رفع درجات کی دعائیں کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ایسا ہی کرو، اور آپ کی لئے اللہ تعالیٰ سے خاص الخاص لطف و عنایت، محبت و عطوفت، مراتب اور درجات کی رفعت، پورے عالم کی سیادت و امامت اور مقام محمود و قبولیت شفاعت کی دعا کرو اور آپ پر سلام بھیجا کرو۔

## صلوٰۃ و سلام کی عظمت و اہمیت:

اس آیت میں جیسی شاندار تمہید اور جس اہتمام کے ساتھ اہل ایمان کو صلوٰۃ و سلام کا حکم دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت و عظمت ہے اور وہ کیسا محبوب عمل ہے۔ آگے درج ہونے

والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ اس میں اہل ایمان کیلئے کس قدر خیر، کتنی رحمت اور کیسی برکات ہیں۔

## صلوٰۃ و سلام کے بارے میں فقہاء کے مسالک:

امت کے فقہاء اس پر تقریباً متفق ہیں کہ سورہ احزاب کی اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ہر فرد امت پر فرض ہے۔ پھر ائمہ امت میں سے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ خاص کر ہر نماز کے قعدہ اخیر میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا واجبات نماز میں سے ہے۔ اگر نہ پڑھی جائے تو ان ائمہ کے نزدیک نماز ہی نہ ہوگی۔ لیکن امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد تو بیشک واجب ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ پر سلام بھی آ جاتا ہے لیکن اس کے بعد مستقلاً درود شریف پڑھنا فرض یا واجب نہیں بلکہ اہم اور مبارک سنت ہے جس کے چھوٹ جانے سے نماز میں بڑا نقص رہ جاتا ہے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہر مسلمان پر اسی طرح فرض عین ہے جس طرح مثلاً آپ کی رسالت کی شہادت دینا جس کے لئے کسی وقت اور تعداد کا تعین کیا گیا ہے اور اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لے اور پھر اس پر قائم رہے۔ آگے بعض وہ حدیثیں آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آئے آپ پر لازماً درود بھیجا جائے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں بھی آئیں گی۔ ان احادیث کی بنا پر بہت سے فقہاء اس کے بھی قائل ہیں کہ جب کوئی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا کسی دوسرے سے سنے تو اس وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے پھر ایک رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی سلسلہ کلام میں بار بار آپ کا ذکر آئے تو ہر دفعہ درود پڑھنا واجب ہوگا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک دفعہ درود پڑھنا تو واجب ہوگا اور ہر دفعہ پڑھنا مستحب ہوگا، اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

## درود شریف کی امتیازی خاصیت:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اور ان میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں (ہر گلے رارنگ و بوئے دیگرست) اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار و دعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی خاص نظر رحمت، رسول اللہ ﷺ کے روحانی قرب اور آپ ﷺ کی خصوصی شفقت و عنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر امتی کا درود و سلام اس کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے۔، اور اس کیلئے فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے۔ ذرا غور کریں، اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا فلاں بندہ آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں اور سب متعلقین کے

لئے اچھی سے اچھی دعائیں برابر کرتا رہتا ہے، اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ کے لئے مانگتا ہے اور یہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے، تو آپ کے دل میں اس کی کیسی قدر و محبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا پھر جب کبھی اللہ کا وہ بندہ آپ سے ملیگا اور آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کس طرح اسے ملیں گے۔ اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود و سلام پڑھے اس پر آپ کی کیسی نظر عنایت ہوگی اور قیامت و آخرت میں اس کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس بندہ سے اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوگا اور اس پر اس کا کیسا کرم ہوگا۔

## درود و سلام کا مقصد:

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ درود و سلام اگرچہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دعا کرنے کا اصلی مقصد اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا مقصد آپ کی ذات کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا، ہماری دعاؤں کی آپ کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں۔ بادشاہوں کو فقیروں مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کے ذریعہ عبدیت اور عبدیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں، اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ وہ خود ہماری ضرورت ہے، اور اس کا نفع ہم ہی کو پہنچتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے محاسن و کمالات، آپ کی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ ﷺ کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ کے حضور میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیاز مندی کا ہدیہ اور ممنونیت سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں، اسی کے لئے درود و سلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ کو کوئی نفع پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ اپنے ہی نفع کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و ثواب آخرت اور اس کے رسول پاک ﷺ کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے درود و سلام پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے کا اصل مقصد بس یہی ہوتا ہے۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ ہمارے درود و سلام کا یہ ہدیہ اپنے رسول پاک تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچواتا ہے اور بہت سوں کا آپ کو قبر مبارک میں براہ راست بھی سنوا دیتا ہے (جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا) نیز ہمارے اس درود و سلام کے حساب میں بھی رسول اللہ ﷺ پر اپنے الطاف و عنایات اور تکریم و تشریف میں اضافہ فرماتا ہے۔

## درود و سلام کی خاص حکمت:

انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کی خدمت میں عقیدت و محبت، وفاداری و نیاز مندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے درود و سلام کا طریقہ مقرر کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور ان میں سب سے اکرم و افضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ ہیں جب ان کے بارے میں بھی یہ حکم دے دیا گیا کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت و رحمت اور سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ دعائیں کی جائیں، اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی، کتنا بڑا کرم ہے رب کریم کا کہ اس کے اس حکم نے ہم بندوں اور امتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کا دعا گو بنا دیا جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

## احادیث میں درود و سلام کی ترغیبات اور فضائل و برکات:

اس تمہید کے بعد وہ حدیثیں پڑھیے جن میں رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی فضیلت اور برکات کا بیان فرمایا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے (رواہ مسلم)۔

(تشریح) اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ صلوٰۃ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی جو تکریم و تشریف اور آپ پر جو خاص الخاص عنایت و نوازش ہوتی ہے اس کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عام ایمان والے بندوں کے ساتھ رحمت و کرم کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کے لئے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس حدیث میں اس رحمت و عنایت کے لئے بھی جو رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے: صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا یعنی حضور پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ رسول



اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں اور دوسرے کسی ایمان والے بندے پر اس کی صلوٰۃ میں وہی فرق ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کے مقام عالی اور اس ایمان والے بندے کے درجہ میں ہوگا۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر ہم بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کی استدعا کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا صرف ایک حقیقت اور واقعہ کی اطلاع دینا نہیں ہے بلکہ اس مبارک عمل (الصلوٰۃ علی النبی) کی ترغیب دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صلوات یعنی خصوصی رحمتوں اور عنایتوں کے حاصل کرنے اور خود رسول اللہ ﷺ کے قرب روحانی کی برکات سے بہرہ ور ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے۔

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ أُمَّتِي صَلَوةً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرَ صَلَواتٍ وَرَفَعَهُ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَكُتِبَ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحَى عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ: ابو بردہ بن نیارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا جو امتی خلوص دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس صلواتیں بھیجتا ہے، اور اس کے صلہ میں اس کے دس درجے بلند کرتا ہے، اور اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھتا ہے، اور اس کے دس گناہ محو فرما دیتا ہے (رواہ النسائی)۔

(تشریح) حضرت ابو ہریرہؓ والی پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف دس صلواتوں کے بھیجے جانے کا ذکر تھا۔ اس کے بعد حضرت انسؓ والی دوسری حدیث میں دس صلواتوں کے علاوہ دس درجوں کی بلندی اور دس گنا ہوں کی معافی کا بھی ذکر فرمایا گیا، اور ابو بردہ بن نیارؓ والی اس تیسری حدیث میں ان سب کے علاوہ اس بندے کے نامہ اعمال میں دس نیکیوں کے لکھے جانے کی بشارت بھی سنائی گئی۔

اس عاجز کے نزدیک یہ صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، یعنی دوسری اور تیسری حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ پہلی حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے، واللہ اعلم۔ تیسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صلہ پانے کے لئے شرط ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ ”اخلاص قلب“ سے بھیجی جائے (معارف الحدیث ج ۵)۔

جب نبی کریم ﷺ کا تذکرہ آئے تو درود شریف پڑھنا چاہیے:

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ ذَكَرْتُ عَنْهُ فَلْيُصَلِّ عَلَيَّ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَوةً وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَواتٍ وَحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ وَرَفَعَهُ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ آئے اس کو چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ جل شانہ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا اور اس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا (رواہ احمد و النسائی واللفظ له، وابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب)۔

(فائدہ) علامہ منذریؒ نے ترغیب میں حضرت براءؓ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ یہ اس کیلئے دس غلام آزاد کرنے کے بقدر ہوگا اور طبرانی کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ جل شانہ اس پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر (۱۰۰) سو دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر برآۃ من النفاق و برآۃ من النار لکھ دیتے ہیں۔ یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بری ہے اور جہنم سے بھی بری ہے اور قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اس کا حشر فرمائیں گے۔

علامہ سخاویؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر (۱۰۰) سو دفعہ درود بھیجیں گے۔ اور جو مجھ پر سو (۱۰۰) دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر ہزار دفعہ درود بھیجیں گے، اور جو عشق و شوق میں اس پر زیادتی کرے گا میں اس کے لئے قیامت کے دن سفارشی ہوں گا اور گواہ۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ ہم چار پانچ آدمیوں میں سے کوئی نہ کوئی شخص حضور اقدس ﷺ کے ساتھ رہتا تھا تا کہ کوئی ضرورت اگر حضور اقدس ﷺ کو پیش آئے تو اس کی تعمیل کی جائے ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ کسی باغ میں تشریف لے گئے، میں بھی پیچھے پیچھے حاضر ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے وہاں جا کر نماز پڑھی اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی روح پرواز کر گئی۔ میں اس تصور سے رونے لگا حضور ﷺ کے قریب جا کر حضور ﷺ کو دیکھا۔ حضور ﷺ نے سجدہ سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا عبدالرحمن کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں (خدا خواستہ) آپ کی روح تو پرواز نہیں کر گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے میری امت کے بارے میں مجھ پر ایک انعام فرمایا ہے اس کے شکرانہ میں اتنا طویل سجدہ

کیا وہ انعام یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے یوں فرمایا کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ جل شانہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے اور دس گناہ معاف فرمائیں گے۔

ایک روایت میں اسی قصہ میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبدالرحمن کیا بات ہے؟ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے یوں کہا کہ کیا تمہیں اس سے خوشی نہیں ہوگی اللہ جل شانہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے جو تم پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا (کذا فی الترغیب فضائل درود شریف)۔

**درود شریف پڑھنے والے قیامت کے روز نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہوں گے:**

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِى يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَى صَلَوةٍ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلا شک قیامت میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے (رواہ الترمذی و ابن حبان فی صحیحہ کلاهما من رواية موسى بن يعقوب كذا فى الترغيب وبسط السخاوى فى القول البديع الكلام على تخریجہ)۔

(فائدہ) علامہ سخاویؒ نے قول بدیع میں الدر المنظم سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد کیا ہے کہ تم میں کثرت سے درود پڑھنے والا کل قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ حضرت انسؓ کی حدیث سے بھی یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قیامت میں ہر موقع پر مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھنے والا ہوگا۔ فصل دوم کی حدیث نمبر ۳ میں بھی یہ مضمون آ رہا ہے نیز حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اس لئے کہ قبر میں ابتداء تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنا قیامت کے دن پل صراط کے اندھیرے میں نور ہے اور جو یہ چاہے کہ اس کے اعمال بہت بڑی ترازو میں تلیں اس کو چاہیے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرے۔ ایک اور حدیث میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے، سب سے زیادہ نجات والا قیامت کے دن اس کے ہولوں سے اور اس کی مقامات سے وہ شخص ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجتا ہے۔

زاد السعید میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر درود کی کثرت کریگا وہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔ علامہ سخاویؒ نے ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تین آدمی

قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا۔ ایک وہ شخص جو کسی مصیبت زدہ کی مصیبت ہٹائے۔ دوسرا وہ جو میری سنت کو زندہ کرے، تیسرے وہ جو میرے اوپر درود بھیجے۔ ایک اور حدیث میں علامہ سخاویؒ نے حضرت ابن عمرؓ کے واسطہ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اپنی مجالس کو درود شریف کے ساتھ مزین کیا کرو اس لئے کہ مجھ پر درود پڑھنا تمہارے لئے قیامت میں نور ہے۔

علامہ سخاویؒ نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم سے کم مقدار تین سو مرتبہ ہے، اور حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ بھی اپنے متوسلین کو تین سو مرتبہ بتایا کرتے تھے۔

**نبی کریم ﷺ کو ہمارا درود و سلام پہنچایا جاتا ہے:**

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ يُلْغُونَ بِنَا عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ. ابن مسعود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو (زمین میں) پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں (رواہ النسائی و ابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب زاد فی القول البديع احمد والحاكم وغيرهما وقال الحاكم صحيح الاسناد)۔

(فائدہ) اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری امت کا درود مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ ترغیب میں حضرت امام حسینؓ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم جہاں کہیں ہو مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو بیشک تمہارا درود میرے پاس پہنچتا رہتا ہے اور حضرت انسؓ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے اور میں اس کے بدلہ میں اس پر درود بھیجتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

**زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کریں یہ کفایت کریگا:**

عَنْ أَبِي بَنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَوَتِي فَقَالَ مَا شِئْتُ قُلْتُ الرَّبْعَ قَالَ مَا شِئْتُ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ النَّصْفَ قَالَ مَا شِئْتُ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ الثَّلَاثِينَ قَالَ مَا شِئْتُ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ أَجْعَلُ لَكَ صَلَوَتِي كُلَّهَا قَالَ إِذَا تُخْفِي هُمُكَ وَيُكْفِرُ لَكَ ذَنْبُكَ: حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض



کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ پر درود کثرت سے بھیجنا چاہتا ہوں تو اس کی مقدار اپنے اوقات دعائیں سے کتنی مقرر کروں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جتنا تیرا جی چاہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک چوتھائی، حضور ﷺ نے فرمایا تجھے اختیار ہے اور اگر اس پر بڑھا دے تو تیرے لئے بہتر ہے تو میں نے عرض کیا کہ نصف کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھے اختیار ہے اور اگر بڑھا دے تو تیرے لئے زیادہ بہتر ہے میں نے عرض کیا کہ نصف کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کر دوں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تجھے اختیار ہے اور اگر اس سے بڑھا دے تو تیرے لئے زیادہ بہتر ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر میں اپنے سارے وقت کو مقرر کرتا ہوں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تو اس صورت میں تیرے سارے فکروں کی کفالت کیجائیگی اور تیرے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے (رواہ الترمذی زاد المندری فی الترغیب احمد والحاکم وقال صحیحہ وبسط السخاوی فی تخریجہ)۔

(فائدہ) مطلب تو واضح ہے وہ یہ کہ میں نے کچھ وقت اپنے لئے دعاؤں کا مقرر کر رکھا ہے اور چاہتا ہوں کہ درود شریف کثرت سے پڑھا کروں تو اپنے اس معین وقت میں سے درود شریف کے لئے کتنا وقت تجویز کروں۔ مثلاً میں نے اپنے اوراد و وظائف کے لئے دو گھنٹے مقرر کر رکھے ہیں تو اس میں سے کتنا وقت درود شریف کے لئے تجویز کروں۔ علامہ سخاویؒ نے امام احمدؒ کی ایک روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں اپنے سارے وقت کو آپ پر درود کے لئے مقرر کر دوں تو کیسا؟ حضور ﷺ نے فرمایا ”ایسی صورت میں حق تعالیٰ شانہ تیرے دنیا اور آخرت کے سارے فکروں کی کفالت فرمائے گا“۔ علامہ سخاویؒ نے متعدد صحابہ سے اسی قسم کا مضمون نقل کیا ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں کہ متعدد صحابہ کرامؓ نے اس قسم کی درخواستیں کی ہوں۔

علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ درود شریف چونکہ اللہ کے ذکر پر اور حضور اقدس ﷺ کی تعظیم پر مشتمل ہے تو حقیقت میں یہ ایسا ہی ہے جیسا دوسری حدیث میں اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس کو میرا ذکر مجھ سے دعا مانگنے میں مانع ہو (یعنی کثرت ذکر کی وجہ سے دعا کا وقت نہ ملے) تو میں اس کو دعا مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ: ”سبب اس کا یہ ہے کہ جب بندہ اپنی طلب و رغبت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز میں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے اپنے مطالب پر تو وہ کفایت کرتا ہے اس کے سبب مہمات کی من کان للہ کان اللہ لہ یعنی جو اللہ کا ہو رہتا ہے وہ کفایت کرتا ہے اس کو جب شیخ بزرگوار عبدالوہاب متقیؒ نے اس مسکین کو یعنی شیخ عبدالحق کو واسطے زیارت مدینہ منورہ کے رخصت کیا، فرمایا کہ جانو اور آگاہ ہو کہ نہیں ہے اس راہ میں کوئی عبادت بعد اداء فرض کے مانند درود کے اوپر سید کائنات ﷺ کے چاہیے کہ تمام اوقات اپنے کو اس میں صرف کرنا اور چیز میں مشغول نہ ہونا۔ عرض کیا گیا کہ اس کے لئے کچھ عدد معین ہو، فرمایا یہاں معین کرنا عدد کا

شرط نہیں، اتنا پڑھو کہ ساتھ اس کے رطب اللسان ہو اور اس کے رنگ میں رنگین ہو اور مستغرق ہو اس میں“۔ اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ درود شریف سب اوراد و وظائف کے بجائے پڑھنا زیادہ مفید ہے اس لئے کہ اول تو خود اس حدیث پاک کے درمیان میں اشارہ ہے کہ انہوں نے یہ وقت اپنی ذات کے لئے دعاؤں کا مقرر کر رکھا تھا اس میں سے درود شریف کے لئے مقرر کرنے کا ارادہ فرما رہے تھے دوسری بات یہ ہے کہ یہ چیز لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ بعض روایات میں الحمد للہ کو افضل الدعا کہا گیا ہے اور بعض روایات میں استغفار کو افضل الدعا کہا گیا ہے اسی طرح سے اور اعمال کے درمیان میں بھی مختلف احادیث میں مختلف اعمال کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے یہ اختلاف لوگوں کے حالات کے اختلاف کے اعتبار سے اور اوقات کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے جیسا کہ ابھی مظاہر حق سے نقل کیا گیا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَوَّاهُ مَرْقَدُہ کو ان کے شیخ نے مدینہ پاک کے سفر میں یہ وصیت کی کہ تمام اوقات درود شریف ہی میں خرچ کریں۔ اپنے اکابر کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ مدینہ پاک کے سفر میں درود شریف کی بہت تاکید کرتے ہیں۔

علامہ منذریؒ نے ترغیب میں حضرت اُبیؓ کی حدیث بالا میں ان کے سوال سے پہلے مضمون اور بھی نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو حضور اقدس ﷺ کھڑے ہو جاتے اور ارشاد فرماتے: ”اے لوگوں اللہ کا ذکر کرو، اے لوگوں اللہ کا ذکر کرو (یعنی بار بار فرماتے) راجفہ آگئی اور رادفہ آ رہی ہے، موت ان سب چیزوں کے ساتھ جو اس کے ساتھ لاحق ہیں آ رہی ہے“۔ اس کو بھی دو مرتبہ فرماتے: رَاجِفَہ اور رَادِفَہ قرآن پاک کی آیت جو سورۃ التازعات میں ہے، کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ۝

فُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝

جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ اوپر چند چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قیامت ضرور آئے گی، جس دن ہلادینے والی چیز سب کو ہلا ڈالے گی، اس سے مراد پہلا صور ہے۔ بہت سے دل اس روز کے خوف کے مارے دھڑک رہے ہوں گے، شرم کی وجہ سے ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی“ (فضائل درود شریف)۔

### درود شریف دُعا کی قبولیت کا وسیلہ:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ

وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ: حضرت عمر بن الخطابؓ

سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان ہی رکی رہتی ہے اوپر

نہیں جاسکتی جب تک کہ نبی پاک ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) وہ حدیث ”آداب دُعا“ کے ذیل میں گزر چکی ہے جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دُعا کرنے والے کو چاہیے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور رسول ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجت عرض کرے۔ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دُعا کے بعد بھی رسول ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنی چاہیے، وہ دُعا کی قبولیت کا خاص وسیلہ ہے۔ ”حصن حصین“ میں شیخ ابوسلیمان دارائیؒ سے نقل کیا گیا ہے انھوں نے فرمایا کہ درود شریف (جو رسول ﷺ کے حق میں ایک اعلیٰ و اشرف دُعا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول فرماتا ہے) پھر جب بندہ اپنی دُعا سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کے حق میں دُعا کرے اور اس کے بعد دُعا کرے تو اس کے کرم سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اول و آخر کی دُعا میں تو قبول کر لے اور درمیان کی اس بیچارے کی دُعا رد کر دے، اس لئے پوری امید رکھنی چاہیے کہ جس دُعا کے اول و آخر رسول ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے گی وہ انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

مندرجہ بالا روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات (جو انھوں نے دُعا کی قبولیت کے بارے میں فرمائی) رسول ﷺ سے سنی تھی، لیکن چونکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے اور فہم سے ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ کے پیغمبر سے سن کے ہی ایسی بات کہی جاسکتی ہے، اس لئے محدثین کے مسلمہ اصول کے مطابق یہ روایت حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے (معارف الحدیث ج ۵)۔

**آپ ﷺ کے ذکر کے وقت بھی درود سے غفلت کرنیوالوں کی محرومی اور ہلاکت:**

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَى رَغِمَ أَنْفِ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ، وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْكَبِيرَ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلْهُ الْجَنَّةَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ یعنی درود نہ بھیجے، اور اسی طرح ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے لئے رمضان کا (رحمت و مغفرت والا) مہینہ آئے اور اس کے گزرنے سے پہلے اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو جائے (یعنی رمضان کا مبارک مہینہ بھی وہ غفلت و خدا فراموشی میں گزار دے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی مغفرت کا فیصلہ نہ کرالے اور ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک اس

۱۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو خود ہی نبی کریم ﷺ پر درود شریف جو کہ ایک دُعا ہے اس کا حکم فرمایا تو اس دُعا کی قبولیت میں ادنیٰ شبہ کی گنجائش نہیں (مقتار)۔

کے سامنے بڑھاپے کو پہونچیں اور وہ ان کی خدمت کر کے (جنت کا استحقاق حاصل نہ کر لے) (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) اس حدیث میں تین قسم کے جن آدمیوں کے لئے ذلت و خواری کی بددُعا ہے ان کا مشترک سنگین جرم یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور رحمت و مغفرت حاصل کرنے کے بہترین مواقع فراہم کئے، لیکن انھوں نے خدا کی رحمت و مغفرت کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہا اور اس سے محروم رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا، بیشک وہ بد بخت ایسی ہی بددُعا کے مستحق ہیں۔ اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ ایسے محروموں کے لئے اللہ کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرائیل امینؑ نے بھی بڑی سخت بددُعا کی ہے، اللہ کی پناہ؛

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْضَرُوا فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ قَالَ آمِينَ، ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ آمِينَ ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّلَاثَةَ فَقَالَ آمِينَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ فَقَالَ إِنَّ جِبْرِئِيلَ عَرَضَ لِي فَقَالَ بَعْدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ آمِينَ فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّانِيَةَ قَالَ بَعْدَ مَنْ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ آمِينَ فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بَعْدَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكَبِيرَ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ آمِينَ: حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول ﷺ نے ہم لوگوں کو فرمایا، میرے پاس آ جاؤ؟ ہم حاضر ہو گئے (آپ کو جو کچھ ارشاد فرمانا تھا اس کے لئے آپ منبر پر جانے لگے)۔ جب منبر کے پہلے درجے پر آپ نے قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ پھر جب دوسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین اسی طرح جب تیسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین، پھر جو کچھ آپ کو فرمانا تھا جب اس سے فارغ ہو کر آپ منبر سے نیچے اتر آئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آج ہم نے آپ سے ایک ایسی چیز سنی جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے (یعنی منبر کے ہر درجے پر قدم رکھتے وقت آج آپ آمین کہتے تھے یہ نئی بات تھی) آپ نے بتایا کہ: جب میں منبر پر چڑھنے لگا تو جبرائیل آمین آگئے انھوں نے کہا کہ ”بَعْدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ“: تباہ و برباد ہو وہ محروم جو رمضان مبارک پائے اور اس میں بھی اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو، تو میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں منبر کے دوسرے درجے پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا ”بَعْدَ مَنْ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ“ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ“: تباہ و برباد ہو وہ بے توفیق اور بے نصیب جسکے سامنے تمہارا ذکر آئے



اور وہ اس وقت بھی تم پر درود نہ بھیجے، تو میں نے اس پر بھی کہا: آمین، پھر جب میں نے منبر کے تیسرے درجے پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا ”بَعْدَ مَنْ أَذَرَكَ أَبُوِيَهُ الْكَبِيرُ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ“: تباہ و برباد ہو وہ بد بخت آدمی جس کے ماں باپ یا ان دو میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے اور ان کو راضی خوش کر کے جنت کا مستحق نہ ہو جائے) اس پر بھی آپ ﷺ فرمایا: آمین (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد)۔

(تشریح) اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث کا تھا، فرق اتنا ہے کہ اس میں اصل بدُعا کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور رسول ﷺ نے ان کی ہر بدُعا پر آمین کہا ہے۔

حضرت جبرائیل کی بدُعا اور رسول ﷺ کے امین کہنے کا یہی واقعہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ کے علاوہ حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت جابر بن سمرہ، مالک بن الحویرث اور عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل بدُعا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ امین کہیں تو آپ امین کہتے تھے۔ ان سب حدیثوں میں مذکورہ بالا تین قسم کے محروموں کے لئے رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل کی طرف سے سخت ترین بدُعا کے انداز میں جس طرح انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے، یہ دراصل ان تینوں کوتاہیوں کے بارے میں سخت ترین انتباہ ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی وجہ سے فرشتوں کی دنیا اور ملاء اعلیٰ میں عظمت و محبوبیت کا وہ بلند ترین مقام حاصل ہے کہ جو شخص آپ کے حق کی ادائیگی کے معاملہ میں صرف اتنی کوتاہی اور غفلت کرے کہ آپ کے ذکر کے وقت آپ پر درود نہ بھیجے تو اس کے لیے سارے ملاء اعلیٰ کے امام اور نمائندے حضرت جبرائیل کے دل سے اتنی سخت بدعائیں نکلتی ہیں اور وہ اس پر رسول اللہ ﷺ سے بھی امین کہلواتے ہیں اللہ تعالیٰ اس قسم کی ہر تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ رکھے اور آنحضرت ﷺ کی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

عَنْ قَتَادَةَ ۖ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَفَاءِ أَنْ أَذْكَرَ عِنْدَ رَجُلٍ فَلَا يُصَلِّيَ عَلَيَّ (عَلَيْهِ السَّلَامُ): حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ بات ظلم سے ہے کسی آدمی کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (اخرجہ النبیروای روایات ثقافت قالہ السخاوی)۔

(فائدہ) یقیناً اس شخص کے ظلم میں کیا تردد ہے جو نبی کریم ﷺ کے اتنے احسانات پر بھی نبی کریم

ﷺ پر درود نہ پڑھے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی سوانح عمری ”تذکرہ الرشید“ میں لکھا ہے کہ حضرت عموماً متوسلین کو درود شریف پڑھنے کی تعلیم فرماتے تھے کہ کم سے کم تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے۔ اور اتنا نہ ہو سکے تو ایک تسبیح میں تو کمی نہ ہونی چاہیے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے پھر آپ پر درود بھیجنے میں بھی بخل ہو تو بڑی بے مروتی کی بات ہے۔ درود شریف میں زیادہ تر پسندوہ تھا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ الفاظ صلوة و سلام جو احادیث میں منقول ہیں۔ باقی دوسروں کے مؤلفہ درود تاج، لکھنوی وغیرہ عموماً آپ کو پسند نہ تھے بلکہ بعض الفاظ کو دوسرے معنی کا موہم ہونے کے سبب خلاف شرع فرما دیتے تھے۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ جفاء سے مراد برّ و صلہ کا چھوڑنا ہے اور طبیعت کی سختی اور نبی کریم ﷺ سے دوری پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ..... عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ  
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ تَعَالَى فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ مِنَ اللَّهِ تَبْرَةٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ: حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور اس مجلس میں اللہ کا ذکر اور اس کے نبی ﷺ پر درود نہ ہو تو یہ مجلس ان پر قیامت کے دن ایک وبال ہوگی پھر اللہ کا اختیار ہے کہ ان کو معاف کر دے یا عذاب دے (رواہ احمد و ابوداؤد وغیرہما بسطہ السخاوی)۔

(فائدہ) ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھتی ہے، پھر وہ اللہ کے ذکر اور نبی ﷺ پر درود سے پہلے مجلس برخاست کر دیں تو ان پر قیامت تک حسرت رہے گی۔ ایک اور حدیث میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھتی ہے اور اس مجلس میں حضور ﷺ پر درود نہ ہو تو وہ مجلس ان پر وبال ہوتی ہے۔ حضرت ابوامامہؓ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں پھر اللہ کے ذکر اور حضور اقدس ﷺ پر درود سے پہلے اٹھ کھڑے ہوں تو وہ مجلس قیامت کے دن وبال ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہ حضور اقدس ﷺ پر درود سے پہلے مجلس برخاست کریں تو ان کو حسرت ہوگی چاہے وہ جنت ہی میں (اپنے اعمال کی وجہ سے) داخل ہو جائیں بوجہ اس ثواب کے جس کو وہ دیکھیں گے۔ یعنی اگر وہ اپنے دوسرے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو بھی جائیں تب بھی ان کو درود شریف کا ثواب دیکھ کر اس کی حسرت ہوگی کہ ہم

نے اس مجلس میں درود کیوں نہ پڑھا تھا۔

حضرت جابرؓ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب لوگ کسی مجلس سے بغیر اللہ کے ذکر اور حضور ﷺ پر درود کے اٹھیں تو ایسا ہے جیسے کسی سڑے ہوئے مردار جانور پر سے اٹھے ہوں یعنی ایسی گندگی محسوس ہوگی جیسے کسی سڑے ہوئے جانور کے پاس بیٹھ کر دماغ سڑ جاتا ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ..... عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

عَنْ فَصَّالَةَ بِنِ عُبَيْدٍ قَالَتْ بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَقَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَلْتُ إِلَيْهَا الْمُصَلِّي فَأَذْأَصَلَّيْتُ فَقَعَدْتُ فَأَحْمَدَ اللَّهُ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ وَصَلَّى عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلِّ رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذَلِكَ فَحَمِدَ اللَّهُ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهَا الْمُصَلِّي أَدْعُ تُجِبْ: حضرت فضالہؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے ایک صاحب داخل ہوئے اور نماز پڑھی پھر ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي“ کے ساتھ دُعا کی حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا اونمازی؛ جلدی کر دی، جب تو نماز پڑھے تو اول تو اللہ جل شانہ کی حمد کر جیسا کہ اس کی شان کے مناسب ہے پھر مجھ پر درود پڑھ، پھر دُعا مانگ، حضرت فضالہؓ کہتے ہیں پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے اول اللہ جل شانہ کی حمد کی اور حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجا۔ حضور ﷺ نے ان صاحب سے یہ ارشاد فرمایا اے نمازی اب دُعا کر تیری دُعا قبول کی جائے گی (رواہ الترمذی وروی ابو داؤد والنسائی نحوہ کذا فی مشکوٰۃ)۔

(فائدہ) یہ مضمون بھی بکثرت روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ درود شریف دُعا کے اول میں، درمیان میں اور اخیر میں ہونا چاہیے۔ علماء نے اس کے سحاب پر اتفاق نقل کیا ہے کہ دُعا کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی شان کی حمد و ثنا، پھر حضور اقدس ﷺ پر درود سے ہونی چاہیے اور اسی طرح اسی پر ختم ہونا چاہیے۔ اقلیشیؒ کہتے ہیں کہ جب تو اللہ سے دُعا کرے تو پہلے حمد کے ساتھ ابتدا کر، پھر حضور ﷺ پر درود بھیج اور درود شریف کو دُعا کے اول میں، دُعا کے بیچ میں، دُعا کے اخیر میں کر، اور درود کے وقت میں حضور اقدس ﷺ کے اعلیٰ فضائل کو ذکر کیا کر، اس کی وجہ سے تو مستجاب الدعوات بنے گا اور تیرے اور اس کے درمیان سے حجاب اٹھ جائے گا۔ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا (فضائل درود شریف)۔

جو شخص آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس درود شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سنوا دیتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَى رُوحِي أَرَدُّ عَلَيْهِ السَّلَامَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرمائے گا تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں (رواہ ابو داؤد و الترمذی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) حدیث کے ظاہری الفاظ ”إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَى رُوحِي“ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح مبارک جسد اطہر سے الگ رہتی ہے جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے جسد اطہر میں روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ ﷺ سلام کا جواب دے سکیں، ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ کی روح مبارک جسم اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے، کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں امتی آپ پر صلوة و سلام نہ بھیجتے ہوں روضہ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے، اور عام دنوں میں بھی کاشا ہزاروں سے کم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید انبیاء ﷺ کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بنا پر اکثر شارحین نے ”رَدُّ رُوح“ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی و جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے، (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، بس اس روحانی توجہ و التفات کو ”رَدُّ رُوح“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

عاجز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عالم برزخ کے معاملات و احوال سے کچھ مناسبت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کی معرفت نصیب فرمائے۔



اس حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ جو امتی بھی اخلاص قلب سے آپ پر سلام بھیجتا ہے، آپ عادی اور سرسری طور پر صرف زبان سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے متوجہ ہو کر اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر عمر بھر کے صلوٰۃ و سلام کا کچھ بھی اجر و ثواب نہ ملے صرف آپ کا جواب مل جائے تو سب کچھ مل گیا۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبَلِّغْتُهُ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا (یا سلام عرض کرے گا) وہ میں خود سنوں گا، اور جو کہیں دور سے بھیجے گا تو وہ مجھے پہونچا دیا جائے گا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

(تشریح) اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو صرف وہی درود و سلام پہونچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے، لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہونچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کہ صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں، اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو روزانہ سیکڑوں یا ہزاروں بار صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا جواب پاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر ساری عمر کے صلوٰۃ و سلام کا ایک ہی دفعہ جواب مل جائے تو جن کو محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہے ان کیلئے وہی دو جہاں کی دولت سے زیادہ ہے۔ کسی محبت نے کہا ہے۔

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آن لب  
کہ صد سلام مرا بس بکے جواب از تو  
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَالِهٍ وَبَارِكْ  
وَسَلِّمْ كَمَا تَحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تَحِبُّ وَتَرْضٰی

## درود و سلام کی حکمتیں و فوائد

درود شریف کی حکمتوں اور مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں، لیکن اس کی جو خاص خاص حکمتیں

معلوم ہو چکی ہیں ان کو یہاں لکھ دیتا ہوں۔

درود شریف سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے:

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد مقدس ہستیاں انبیاء علیہم

السلام ہی کی ہیں اور ان میں سب سے اکرم و افضل خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین سیدنا و حمینا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جب ان کے بارے میں یہ حکم دیا گیا کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے یعنی آپ ﷺ کیلئے خاص الخاص عنایت و رحمت و سلامتی کی دُعا کی جائے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں، اور جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء علیہم السلام کیلئے خصوصاً نبی کریم ﷺ کیلئے درود و سلام اور آپ ﷺ کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات کی دُعا میں مانگتا ہے تو یہ دُعا گو کسی مخلوق اور کسی نبی علیہ السلام کا پرستار کیسے ہو سکے گا۔

درود و سلام دراصل اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے:

نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا دراصل اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے دین اسلام اور قرآن و سنت کی قدر دانی ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ درود بھیجنے والا بندہ دین اسلام پر راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن کے ذریعے یہ نعمت ملی ہے اس کا بھی قدر دان ہے اور ان کیلئے دُعا گو ہے۔

درود شریف کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کی دلیل ہے:

درود شریف کا پڑھنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری کا اظہار ہے۔ درود و سلام پڑھنے والا اپنے عمل اور اپنی دُعا کے ذریعے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا وفادار اور نبی کریم ﷺ کا خیر خواہ اور وفادار ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ وفاداری اور اس کی سچی بندگی کی دلیل ہے۔

درود شریف کی وجہ سے آپ ﷺ کی توجہات بڑھ جاتی ہیں:

درود و سلام کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی توجہات بڑھ جاتی ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر آپ ﷺ کے اُمتیوں کا درود و سلام پیش ہوتا ہے تو آپ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کیلئے دُعا میں کرتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر آپ ﷺ کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص آپ ﷺ کیلئے دُعا میں کرتا ہے اور آپ ﷺ کی وجہ سے آپ ﷺ کے گھر اور خاندان والوں کیلئے اچھی سے اچھی دُعا میں برابر کرتا رہتا ہے اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ ﷺ کیلئے مانگتا ہے اور یہی اس کا محبوب مشغلہ ہے تو آپ ﷺ کے دل میں اس

کی کیسی قدر و محبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا اور آپ ﷺ کی توجہ بھی اس کی طرف لگ جائے گی لہذا جو شخص ایمان و اخلاص کے ساتھ آپ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے اس کیلئے آپ ﷺ کی طرف سے قیامت کے دن جو قدر و عنایت ہوگی اس کا اظہار خود نبی کریم ﷺ ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ: اِنَّ اَوَّلَی السَّاسِ فِیْ یَوْمِ الْقِیَمَةِ اَکْثَرُهُمْ عَلَی صَلَوةٍ: بے شک قیامت میں لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے (ترمذی)۔

**درود شریف کے سبب نبی کریم ﷺ کی محبت بڑھ جاتی ہے:**

درود شریف کی وجہ سے بندہ کا تعلق اور محبت حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بڑھ جاتی ہے کیونکہ جو شخص جس کیلئے دُعا نیک کرتا ہے اس کا اس سے تعلق اور محبت کا بڑھ جانا تجربہ اور فطرت انسانی سے ثابت ہے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت شریعت مطہرہ میں مطلوب ہے۔

**کثرت درود سے حسن اخلاق نصیب ہوتے ہیں:**

جس قدر نبی کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت ہوگی اسی قدر نبی کریم ﷺ کے حسن اخلاق سے فیض یابی نصیب ہوگی کیونکہ ہر محبت محبوب کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

**درود شریف کے سبب سچی اتباع نصیب ہوتی ہے:**

درود شریف کے سبب آپ ﷺ کے ساتھ جس قدر محبت بڑھے گی اسی قدر آپ ﷺ کے پر خلوص رحمت والے جذبات و اخلاق اور آپ ﷺ کی ظاہری و باطنی طور پر سچی اتباع کی توفیق ملے گی اور آپ ﷺ کی سچی اتباع ہی میں دنیا و آخرت کی فلاح کا راز پنہاں ہے۔

**درود شریف نفاق کا علاج ہے:**

درود شریف کی کثرت نفاق کا علاج ہے، کیونکہ منافق ہرگز اخلاص کے ساتھ آپ ﷺ پر درود شریف نہیں بھیج سکتا لہذا جو شخص کثرت سے درود و سلام کا اہتمام کرے گا تو وہ بالآخر نفاق سے بری ہو جائیگا۔

**درود شریف کی کثرت سے روحانی و ایمانی ترقی نصیب ہوتی ہے:**

درود شریف کی کثرت سے روحانی و ایمانی ترقیات نصیب ہوتی ہیں کیونکہ یہ ایک اعلیٰ قسم کا ذکر بھی ہے کیونکہ اس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا اور آپ ﷺ کیلئے دُعا کرتا

ہے اور دُعا بھی وہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کو محبوب بھی ہے اور اس میں فرشتوں کے ساتھ ہمنوائی بھی ہوتی ہے اس لئے جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کثرت سے درود شریف پڑھے گا اس کو روحانی و ایمانی ترقیات اور اللہ تعالیٰ کا قرب خاص نصیب ہوگا۔

**درود شریف کے سبب قیامت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت نصیب ہوگی:**

یہ بات تو معلوم ہو چکی کہ درود شریف کی وجہ سے آپ ﷺ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور بڑھ جاتی ہے اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ بھی واضح ہے کہ بندہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت ہوگی "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (ترمذی) تو اس سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہوگی کہ کسی شخص کو قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ کی معیت اور رفاقت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آپ ﷺ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع کرے اور آپ ﷺ کی رفاقت نصیب فرمائے (آمین)۔

## درود و سلام پر ملنے والے انعامات اور اجر و ثواب کا اجمالی بیان

درود و سلام پر ملنے والے انعامات اور اجر و ثواب کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے علامہ سخاویؒ وغیرہ سے جو کچھ نقل کیا ہے اس میں سے بعض کو یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ حضرت شیخؒ لکھتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ کے امت پر اس قدر احسانات ہیں کہ نہ ان کا شمار ہو سکتا ہے اور نہ ان کی حق ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر جتنا بھی زیادہ سے زیادہ آدمی درود پاک میں رطب اللسان رہتا وہ کم تھا۔ چہ جائیکہ اللہ جل شانہ نے اپنے لطف و کرم سے اس حق ادائیگی کے اوپر بھی سینکڑوں اجر و ثواب اور احسانات فرمادیئے۔

علامہ سخاویؒ نے اوّل مجملاً ان انعامات کی طرف اشارہ کیا ہے جو درود شریف پر مرتب ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

**باب ثانی درود شریف کے ثواب میں:**

اللہ جل شانہ کا بندہ پر درود بھیجنا اس کے فرشتوں کا درود بھیجنا اور حضور اقدس ﷺ کا خود اس پر درود بھیجنا اور درود پڑھنے والوں کی خطاؤں کا کفارہ ہونا، اور ان کے اعمال کو پاکیزہ بنا دینا اور ان کے درجات کا بلند ہونا اور گناہوں کا معاف ہونا، اور خود درود کا مغفرت طلب کرنا درود پڑھنے والے کیلئے، اور اس کے نامہ اعمال میں ایک قیراط کی برابر ثواب لکھا جانا، اور قیراط بھی وہ جو اُحد پہاڑ کے برابر ہو۔ اور اس کے اعمال کا بہت بڑی ترازو میں نلنا۔ اور جو شخص اپنی ساری دُعاؤں کو درود بنا دے اس کے دنیا و آخرت کے سارے



کاموں کی کفایت اور خطاؤں کو مٹا دینا، اور اس کی وجہ سے خطرات سے نجات پانا، نبی کریم ﷺ کا قیامت کے دن اس کیلئے شاہد گواہ بننا اور آپ ﷺ کی شفاعت کا واجب ہونا اور اللہ کی رضا اور اس کی رحمت کا نازل ہونا۔ اور اس کی ناراضگی سے امن کا حاصل ہونا۔ اور قیامت کے دن عرش کے سایہ میں داخل ہونا اور اعمال کے ثمن کے وقت نیک اعمال کے پلڑے کا جھکنا اور حوض کوثر پر حاضری کا نصیب ہونا اور قیامت کے دن کی پیاس سے امن نصیب ہونا، اور جہنم کی آگ سے خلاصی کا نصیب ہونا اور پل صراط پر سہولت سے گزر جانا، اور جنت میں بہت ساری بیبیوں کا ملنا۔ اور نادار کیلئے صدقہ کے قائم مقام ہونا اور درود شریف زکوٰۃ ہے اور طہارت ہے اور اس کی وجہ سے مال میں برکت ہوتی ہے، اور عبادت تو ہے ہی اور اعمال میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اور مجالس کیلئے زینت ہے اور فقر اور تنگی معشیت کو دور کرتا ہے، اور اس کے ذریعے سے اسباب خیر تلاش کئے جاتے ہیں اور یہ کہ درود پڑھنے والا قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہوگا اور اس کی برکت سے خود درود پڑھنے والا اور اس کے بیٹے اور پوتے متفع ہوتے ہیں اور وہ بھی متفع ہوتا ہے جس کو درود شریف کا ایصال ثواب کیا جائے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں تقرب حاصل ہوتا ہے اور وہ بے شک نور ہے اور دشمنوں پر فتح و غلبہ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور دلوں کو نفاق سے اور رنگ سے پاک کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہونے کا ذریعہ ہے اور خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کا ذریعہ ہے، درود شریف بہت بابرکت اعمال میں سے ہے اور افضل ترین اعمال میں سے ہے اور دین و دنیا دونوں میں سے سب سے زیادہ نفع دینے والا عمل ہے لہذا اس کے علاوہ بہت سے ثواب جو سمجھدار کیلئے اس میں رغبت پیدا کرنے والے ہیں۔ ایسا سمجھدار جو اعمال کے ذخیروں کے جمع کرنے پر حریص ہو اور ذخائر اعمال کے ثمرات حاصل کرنا چاہتا ہو۔

علامہ سخاویؒ نے باب کے شروع میں یہ اجمالی مضمون ذکر کرنے کے بعد پھر ان مضامین کی روایات کو تفصیل سے ذکر کیا، ان روایات کو ذکر کر نیکے بعد لکھتے ہیں کہ:

”ان احادیث میں اس عبادت کی شرافت پر بین دلیل ہے کہ اللہ جل شانہ کا درود، درود پڑھنے والے پر المضعف (یعنی دس گنا) ہوتا ہے اور اسکی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے،

شاید اس سے مراد دُعا ہو یعنی اعمال میں سب سے افضل ترین دُعا ہے، جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے، واللہ اعلم (مختار)۔

گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، درجات بلند ہوتے ہیں۔ پس جتنا بھی ہو سکتا ہو سید السادات اور معدن السعادات پر درود کی کثرت کیا کر، اس لئے کہ وہ وسیلہ ہے مسرات کے حصول کا اور ذریعہ ہے بہترین عطاؤں کا اور ذریعہ ہے مضرات سے حفاظت کا اور تیرے لئے ہر اس درود کے بدلہ میں جو تو پڑھے دس درود ہیں جبار الارضین والسموات کی طرف سے اور درود ہے اسکے ملائکہ کرام کی طرف سے، وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور جگہ اقلیشیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

”کونسا وسیلہ زیادہ شفاعت والا ہو سکتا ہے اور کونسا عمل زیادہ نفع والا ہو سکتا ہے اس ذات اقدس پر درود کے مقابلہ میں جس پر اللہ جل شانہ درود بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اور اللہ جل شانہ نے اس کو دنیا و آخرت میں اپنی قربت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ یہ بہت بڑا نور ہے اور ایسی تجارت ہے جس میں گھانا نہیں۔ یہ اولیاء کرام کا صبح و شام کا مستقل معمول رہا ہے پس جہاں تک ہو سکے درود شریف پر جمار ہا کر اس سے اپنی گمراہی سے نکل آئے گا اور تیرے اعمال صاف ستھرے ہو جائیں گے تیری امیدیں برآئیں گی، تیرا قلب متور ہو جائیگا اللہ تعالیٰ شانہ کی رضا حاصل ہوگی قیامت کے سخت ترین دہشتناک دن میں امن نصیب ہوگا“ (ماخوذ از فضائل درود شریف، ص ۵۱ تا ۵۵)۔

## درود شریف کے خاص کلمات:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا ہم بندوں کو حکم دیا اور بڑے مؤثر اور پیارے انداز میں حکم دیا اور خود رسول اللہ ﷺ نے مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کے وہ برکات اور فضائل بیان فرمائے جو ناظرین کو مندرجہ سابق احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے درود و سلام کے خاص کلمات بھی تعلیم فرمائے۔ اپنے امکان کی حد تک کتب حدیث کی پوری چھان بین کے بعد اس سلسلہ کی مستند روایات جمع کر کے ذیل میں درج کی جارہی ہیں واللہ ولی التوفیق۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ لَقِيتُنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ أَلَا أَهْدِي لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلَى فَاهْدِهَا لِي فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى

اَلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَّ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ: مشہور جلیل القدر تابعی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات کعب بن عجرہؓ سے ہوئی (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) انھوں نے مجھ سے فرمایا میں تمہیں ایک خاص تحفہ پیش کروں (یعنی ایک بیش بہا حدیث سناؤں) جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، میں عرض کیا مجھے وہ تحفہ ضرور دیجئے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ ہم آپ ﷺ پر سلام کس طرح بھیجا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ نے ہم کو بتا دیا ہے کہ ہم تشهد میں ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ کہہ کر آپ ﷺ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ﷺ ہمیں یہ بھی بتا دیجئے کہ ہم آپ ﷺ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَّ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَّ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ: اے اللہ اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرما حضرت محمد اور حضرت محمد کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے نوازش اور عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھر والوں پر بیشک تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد اور حضرت محمد کے گھرانے والوں پر، جیسے تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھرانے والوں پر، بیشک تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے“ (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ کو یہ حدیث جس طرح اور جس تمہید کے ساتھ سنائی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس حدیث کو اور اس درود شریف کو کتنا عظیم اور کیسا بیش بہا تحفہ سمجھتے تھے، اور طبریؒ کی اسی حدیث کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کعب بن عجرہؓ نے یہ حدیث عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰؒ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سنائی تھی اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اس کی کتنی عظمت تھی۔ اسی حدیث کی بیہی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ صلوٰۃ یعنی درود کے طریقہ کے بارے میں یہ سوال رسول اللہ ﷺ سے اس وقت کیا گیا جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰی

النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اس آیت میں صلوٰۃ و سلام کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں تفصیل سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کا ہم کو جو حکم دیا ہے اس کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح ہم آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجا کریں؟ صلوٰۃ کے جو کلمات اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی دوسری حدیثوں میں تلقین فرمائے یعنی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ..... الخ۔ ان سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ہمارے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے التجا اور استدعا کریں کہ وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے اور برکتیں نازل فرمائے۔ یہ اس لئے کہ ہم خود چونکہ محتاج و مفلس اور تہی مایہ ہیں، ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ اپنے محسن اعظم اور اللہ کے نبی محترم ﷺ کی بارگاہ میں کچھ پیش کر سکیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں استدعا اور التجا کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ اور برکت بھیجے، یعنی آپ ﷺ کی تشریف و تکریم، آپ ﷺ پر نوازش و عنایت، رحمت و رأفت، پیار و لار میں اور مقبولیت کے درجات و مراتب میں اضافہ فرمائے اور آپ ﷺ کو اپنی خاص برکتوں سے نوازے، نیز آپ ﷺ کے گھر والوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمائے۔

## استدعاء ”صلوٰۃ“ کے بعد ”برکت“ مانگنے کی حکمت:

صلوٰۃ کے بارے میں پہلے بقدر ضرورت کلام کیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تشریف و تکریم، مدح و ثناء، رحمت و رأفت، محبت و عطوفت، رفع مراتب، ارادہ خیر، اعطاء خیر اور دُعا خیر سب ہی کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندہ پر ”برکت“ ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کیلئے بھرپور نوازش و عنایت اور خیر و نعمت کا اور اس کے دوام اور اس میں برابر اضافہ و ترقی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہے۔ بہر حال برکت کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جس کو ”صلوٰۃ“ کا وسیع مفہوم حاوی نہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ کیلئے صلوٰۃ کی استدعا کرنے کے بعد آپ ﷺ کے واسطے برکت یا رحمت کی دُعا اور التجا کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا اور سوال کے موقع پر یہی مستحسن ہے کہ مختلف الفاظ و عبارات میں بار بار عرض و معروض کی جائے، اس سے بندہ کی شدید محتاجی اور صدق طلب کا اظہار ہوتا ہے اور مسائل اور منگتا کیلئے یہی مناسب ہے۔ اس لئے اس درود شریف میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کیلئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کی استدعا کے بعد برکت کی التجا بھی کی گئی ہے اور بعض دوسری روایات میں (جو عنقریب درج ہوں گی) صلوٰۃ اور برکت کے بعد ترجمہ کا بھی سوال کیا گیا ہے۔

## درود شریف میں لفظ ”آل“ کا مطلب:

اس درود شریف میں ”آل“ کا لفظ چار دفعہ آیا ہے، ہم نے اس کا ترجمہ ”گھرانے والوں“ کیا



ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن و حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خود یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو، جیسے بیوی بچے، یا رفاقت اور عقیدت و محبت، اور اتباع و اطاعت کا، جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور مجاہدین و متبعین، اس لئے نفس لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگلے ہی نمبر پر اسی مضمون کی حضرت ابو حمید ساعدیؒ کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس میں درود شریف کے جو الفاظ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ”آل“ سے ”گھرانے والے“ ہی مراد ہیں یعنی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی نسل و اولاد، اور جس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قربت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف حاصل ہے (جو دوسرے حضرات کو حاصل نہیں ہے اگرچہ وہ درجہ میں ان سے افضل ہوں) اسی طرح یہ بھی ان کا ایک مخصوص شرف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان پر بھی درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ازواج مطہرات وغیرہ جو لفظ ”آل“ کے مصداق ہیں، امت میں سب سے افضل ہوں، عند اللہ افضلیت کا مدار ایمان اور ایمان والے اعمال اور ایمانی کیفیات پر ہے جس کا جامع عنوان تقویٰ ہے۔ اِنَّ اَحْسَرَ مَكُـمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔

اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ ہماری اس دنیا میں بھی جب کوئی مخلص محبت اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص مرغوب تحفہ اور سوغات پیش کرتا ہے تو اس کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور انکے ذاتی تعلق کی بنا پر ان کے گھرانے والے ہوتے ہیں اور اس مخلص کی یہ خوشی ہوتی ہے کہ یہ تحفہ ان بزرگ کیساتھ ان کے گھر والے یعنی اہل و عیال بھی استعمال کریں، کسی کیساتھ تعلق و محبت کا دراصل یہ فطری تقاضا ہے۔ درود شریف بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک تحفہ اور سوغات ہے، اس میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے خاص متعلقین یعنی اہل و عیال کو بھی شریک کرنا بلاشبہ آپ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے، اور اس سے آپ ﷺ کے قلب مبارک کا بہت زیادہ خوش ہونا بھی ایک فطری بات ہے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی کلامی بحث کرنا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔ بہر حال اس عاجز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ درود شریف میں آل محمد سے آپ ﷺ کے گھرانے والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے، اور اسی طرح آل ابراہیم سے حضرت ابراہیم کے گھرانے والے، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْبَيْتِ اِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔ بلاشبہ آل ابراہیم وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔

## درود شریف کا اوّل و آخر اللّٰهُمَّ ..... اِنِّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ:

درود شریف کو اللّٰهُمَّ سے شروع کر کے اللہ تعالیٰ کے دو مبارک اور پاک ناموں حمید و مجید پر ختم کیا گیا ہے۔ بعض جلیل القدر ائمہ سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ اللّٰهُمَّ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ کے قائم مقام ہے۔ اور

اس کے ذریعہ دُعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ تمام اسماء حسنیٰ کے ذریعہ دُعا کی جائے۔ شیخ ابن القیمؒ نے ”جلاء الافہام“ میں اس پر بڑی نفیس فاضلانہ بحث کی ہے جو اہل علم کیلئے قابل دید ہے انھوں نے بتایا ہے کہ یہ معنی اللّٰهُمَّ کی میم مشدود سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کو فلسفہ لغت سے ثابت کیا ہے پھر اس دعوے کی تائید میں چند ائمہ سلف کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ اور حمید و مجید اللہ تعالیٰ کے یہ دو مبارک نام اس کی تمام صفات جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں حمید وہ ہے جس کی ذات میں سارے وہ محاسن و کمالات ہوں جن کی بنا پر وہ ہر ایک کی حمد و ستائش کا مستحق اور سزاوار ہو۔ اور مجید وہ ہے جس کو ذاتی جلال و جبروت اور عظمت و کبریائی بدرجہ کمال حاصل ہو۔ اس بنا پر اِنِّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ کا مطلب یہ ہو کہ اے اللہ تو تمام صفات جمال و کمال اور شان جلال کا جامع ہے اس لئے سیدنا محمد اور آل محمد پر صلوة اور برکت بھیجے کی تجھ ہی سے استدعا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علی السلام اور ان کے گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و برکت کا جہاں ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی اللہ کے ان دونوں ناموں کی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے انہی کو بالکل اسی طرح خاتمہ کلام بنایا گیا ہے۔ سورۃ ہود میں فرشتوں کی زبانی فرمایا گیا ہے رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْبَيْتِ اِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

الغرض اللّٰهُمَّ سے درود شریف کا آغاز اور اِنِّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ پر اس کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے اور ان دونوں کلموں کی اس معنویت کا لحاظ کرنے سے درود شریف کا کیف بوجد بڑھ جاتا ہے۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيمَ وَعَلَى  
اٰلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ  
كَمَا بَارَكْتَ عَلَى اِبْرَاهِيمَ وَعَلَى اٰلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (معارف  
الحدیث، جلد پنجم)۔

## حضور اقدس ﷺ سے منقول درود شریف کے چند صیغے:

حضور اقدس ﷺ سے درود شریف کے صیغے بہت زیادہ منقول ہیں ان کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب فضائل درود شریف میں نقل فرمایا ہے یہاں ان میں سے چند کو اختصار کے ساتھ نقل کر دیتا ہوں۔

..... اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَسَلِّمْ تَسْلِيمًا:  
اے اللہ؛ درود بھیج (سیدنا) محمد ﷺ نبی امی پر اور آپ ﷺ کی آل پر اور خوب  
سلام بھیج (القول البدیع)۔

..... اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَأَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ

عِنْدَكَ : اے اللہ (سیدنا) محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر درود نازل فرما اور آپ ﷺ کو ایسے ٹھکانے پر پہنچا جو تیرے نزدیک مقرب ہو (بزار و طبرانی)۔

.....  
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ : اے اللہ! اپنی خاص نوازشیں، عنایتیں اور اپنی مخصوص رحمت نازل فرما (سیدنا) محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والوں پر جیسے تو نے نازل فرمائیں (حضرت) ابراہیم علیہ السلام پر تو ہر حمد و ستائش کے لائق ہے اور عظمت و کبریائی تیری ذاتی صفت ہے (احمد)۔

.....  
وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ : اور اللہ تعالیٰ درود نازل فرمائیں نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر (نسائی)۔

### مختصر درود و سلام:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ : اے اللہ: درود نازل فرما (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور برکت و سلام بھیج۔

اس درود و سلام میں اللہ تعالیٰ سے خاص نوازشوں اور عنایتوں کی دُعا بھی ہے اور برکت کی دُعا بھی اور اس میں سلام یعنی سلامتی کی دُعا بھی ہے اور آپ ﷺ کے آل کیلئے بھی دُعا ہے اور یہ درود و سلام اختصار کے باوجود بہت جامع ہے۔ اس سے بھی زیادہ مختصر درود و سلام یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ : اے اللہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام نازل فرما۔

### مختصر ترین درود و سلام:

جب بھی نبی کریم ﷺ کا نام مبارک آئے تو ہر مرتبہ طویل درود و سلام پڑھنا مشکل ہوتا ہے اس لئے درود شریف کا آسان جملہ یہ تجویز کر دیا گیا ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ وَسَلِّمْ : اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود و سلام نازل فرمائے۔

یا اس سے مختصر یوں پڑھا اور لکھا جاتا ہے؛

صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلِّمْ : اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے آپ ﷺ پر

نبی کریم ﷺ پر منقولہ درود و سلام کے علاوہ خود اچھے کلمات درود و سلام بھی تجویز کئے جاسکتے ہیں لیکن.....

درود و سلام کے جو کلمات اور جملے یہاں نقل کئے گئے ہیں اور اسی طرح بہت سے درود شریف کے صیغے نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں لیکن امت مسلمہ کیلئے یہ پابندی نہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ پر صرف آپ ﷺ کے بتائے ہوئے کلمات ہی کے ذریعہ درود و سلام بھیجے کیونکہ درود و سلام اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے اور دُعا کے کلمات پر پابندی نہیں ہوا کرتی اس لئے ہمارے اسلاف حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین اور بعد کے علماء و عارفین سے اور بھی کلمات منقول ہیں۔

البتہ کلمات ایسے ہوں جو نبی کریم ﷺ کی شان کے منافی نہ ہوں اور نہ ان میں الفاظ شرک ہوں اور نہ ایسے الفاظ ہوں جن میں شرک کا شائبہ ہو جیسا کہ درود کی بعض کتابوں جیسے درود تاج وغیرہ میں ایسے کلمات پائے جاتے ہیں، جو عوام الناس کیلئے شرک کی راہ ہموار کر سکتے ہیں اور ہمارے جیسے کم علموں کیلئے مناسب یہی ہے کہ ان کلمات کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجیں جو خود نبی کریم ﷺ سے یا آپ ﷺ کے صحابہؓ سے منقول ہیں۔ البتہ جن کلمات سے درود و سلام پڑھنا ہو ان کلمات کے معنی کو سیکھیں تاکہ ہمارا درود و سلام واقعی معنوں میں درود و سلام اور اچھی سی اچھی اور بہترین دُعا بن جائے اور ہمارا درود و سلام تلاوت درود کے بجائے صحیح معنوں میں ذکر و دُعا بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں درود و سلام بھیجنے کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)۔

### درود شریف کے مسائل و آداب:

اب آخر میں درود شریف کے چند آداب اور مسائل فضائل درود شریف سے نقل کر دیتا ہوں ان کو پڑھئے۔

#### آداب:

..... جب اسم مبارک لکھے صلوٰۃ و سلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھے صرف ”م“ یا ”صلعم“، پراکتفا نہ کرے۔

..... درود شریف پڑھنے والے کو مناسب ہے کہ بدن و کپڑے صاف رکھے یعنی جب درود



شریف کو بطور وظیفہ پڑھا جائے تو اس کیلئے یہ ادب ہے۔

..... آپ ﷺ کے اسم مبارک سے پہلے لفظ ”سیدنا“ بڑھا دینا مستحب اور افضل ہے۔ (نماز سے خارج اور باہر درود شریف کیلئے ادب ہے)۔

## مسائل:

..... عمر بھر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے۔

..... اگر ایک مجلس میں کئی بار آپ ﷺ کا نام پاک ذکر کیا جائے تو طحاویؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر بار میں ذکر کرنے والے اور سننے والے پر درود پڑھنا واجب ہے، مگر مفتی یہ یہ ہے کہ (ایک مجلس میں) ایک بار پڑھنا واجب ہے پھر مستحب ہے۔

..... نماز میں بجز تہجد آخر کے دوسرے ارکان میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔

..... جب خطبہ میں حضور ﷺ کا نام مبارک آوے یا خطیب یہ آیت پڑھے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“ اپنے دل میں بلا جوش زبان کے ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہہ لے (در مختار)۔

..... بے وضو درود شریف پڑھنا جائز ہے اور با وضو نور علی نور ہے۔

..... بجز حضرات انبیاء، حضرات ملائکہ علیہم السلام کے کسی اور پر استقللاً درود شریف نہ پڑھے، البتہ تبعاً مضائقہ نہیں، مثلاً یوں نہ کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ بلکہ یوں کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ (در مختار)۔<sup>۱</sup>

..... در مختار میں ہے کہ درود شریف پڑھتے وقت اعضاء کو حرکت دینا اور بلند آواز کرنا جہل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رسم ہے کہ نمازوں کے بعد حلقہ باندھ کر بہت چلا کر درود شریف پڑھتے ہیں قابل ترک ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا  
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

۱۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے کتاب ”فضائل درود شریف“ مرتبہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔

## ذکر کی اقسام اور ان کے احکام

اس باب میں ذکر کے اقسام اور ان کے احکام کو پڑھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی عام اور موٹی موٹی قسمیں یہ ہیں۔

..... صرف دل اور خیال سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا جس میں زبان کی جنبش نہ ہو

..... دل اور زبان دونوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔

..... صرف زبان سے ذکر کرنا یعنی الفاظ ذکر تو زبان پر ہوں لیکن ان کے معانی کی طرف دل کا دھیان نہ ہو ان تینوں میں سے بہترین ذکر دوسری قسم والا ہے کہ دل اور زبان دونوں سے ہو اور اس کے بعد پہلی قسم کہ صرف دل سے ہو اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف زبان سے ہو انشاء اللہ انکا مفصل بیان آگے آ جائے گا۔

## ذکر لسانی و زبانی کی اقسام

لسانی و زبانی ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ زبان سے بالکل آہستہ آہستہ اس طرح ذکر کیا جائے کہ منہ سے آواز نہ نکلے اس کو ذکر سری یا خفی ذکر کہتے ہیں دوسری قسم یہ ہے کہ منہ سے آواز نکلے اس کو ذکر جہری یا ذکر جلی کہتے ہیں۔

## ذکر جہری کی اقسام:

ذکر جہری کی تین قسمیں ہیں:

..... پہلی قسم یہ ہے کہ پوری قوت اور زور کے ساتھ آواز کو منہ سے نکالا جائے جیسا کہ کوئی اعلان کرتا ہے یا نعرہ لگاتا ہے یا اذان دیتا ہے اس کو قرآن مجید کی اصلاح میں ”الجهر“ کہا جاتا ہے (جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان عنقریب آئے گا) اور علماء اس جہر کیلئے ”رفع الصوت“ جہر شدید، پکار، چیخنے، چلانے کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جہر کی یہ قسم اگر عام حالات میں ہو اور بے ضرر ہو تو اسی میں علماء کا اختلاف ہے

..... جہر کی دوسری قسم وہ کمزور اور ہلکی آواز ہے جو منہ سے تو نکلے لیکن دوسروں کی سمجھ میں نہ آئے جیسا کہ شہد کی مکھی کی بھینٹا ہٹ یہ صورت جہر کی کمزور ترین صورت ہے جس کو بعض علماء خفی

اور سر کے حکم میں سمجھتے ہیں۔

..... جہر کی تیسری قسم وہ ہے کہ دوسری اور جہر شدید کے درمیان ہو بالفاظ دیگر یہ وہ ذکر ہے جو کہ سر اور خفی کی حد سے تو نکل جائے لیکن جہر شدید یعنی چیخنے چلانے کی حد تک نہ پہنچے بلکہ اس سے کم ہو اس کو علماء اسلام جہر معتدل یا جہر متوسط اور قرآن مجید کی اصطلاح میں دون الجہر سے تعبیر کیا جاتا ہے جہر کی یہ دونوں صورتیں یعنی دوسری اور تیسری شرائط کے ساتھ متفقہ طور پر جائز ہیں۔

..... جہر کی چوتھی قسم جہر مضر ہے۔ یہ جہر کی وہ قسم ہے جس میں خود ذکر کو نقصان پہنچے یا دوسرے مسلمان کو نقصان ہو یا کسی مسلمان کے سونے اور آرام میں خلل آ جائے جس طرح رات کو لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ کا انعقاد کرنا جس سے لوگوں کی نیند خراب ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ ذکر جہر جس سے مسلمانوں کو ایذا پہنچے وہ جہر مضر ہے جس کو بعض علماء جہر مفرط سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

## ذکر سری و جہری کے احکام

دین اسلام میں بعض حالات اور مواقع ایسے ہیں جس میں شریعت مطہرہ نے ذکر بالجہر کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں امام کیلئے جہر اقراءت کا حکم ہے اسی طرح تکبیرات تشریق جو کہ عید الاضحیٰ کے دنوں میں فرض نمازوں کے بعد جہر پڑھی جاتی ہیں ان صورتوں میں بجائے جہر کے سری قرأت کرنا یا تکبیرات تشریق آہستہ پڑھنا شریعت کے خلاف ہے اسی طرح جن مواقع اور حالات میں شریعت مطہرہ نے جہر کی بجائے سری ذکر کا حکم دیا ہے مثلاً ظہر و عصر کی نمازوں میں قراءت کرنا تو ایسی صورت میں جہری قراءت کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

## عام حالات میں جہر معتدل متفقہ طور پر جائز ہے:

جن حالات و مواقع میں شریعت نے ذکر کی کسی قسم یعنی سری یا جہری کو متعین نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً ذکر کا حکم دیا ہے اور ترغیب بھی دی ہے ایسے عام حالات و مواقع میں تلاوت قرآن کریم، دعا، تہلیل، تسبیح اور استغفار اور دیگر اذکار وغیرہ سر اہوں یا جہر اعتدال کے ساتھ انکی ادائیگی قرآن وحدیث اور نبی اکرم ﷺ کے اپنے اعمال مبارکہ، صحابہ کرامؓ اور اسلاف سے متفقہ طور پر ثابت ہے۔

## جہر اور سر کی حیثیت:

جہر اور سر دونوں ذکر کی شکلیں اور صورتیں ہیں یہ بذات خود مقصود اور عبادت نہیں بلکہ یہ صرف عبادت



اور ذکر الہی کے ادا کرنے کی صورتیں ہیں لہذا ثواب کا تعلق شکلوں، صورتوں اور طریقوں سے نہیں بلکہ ثواب کا تعلق صرف ذکر و عبادت سے ہے چونکہ ذکر انہی صورتوں میں ادا کیا جاتا ہے اس لئے علمائے کرام جب ان شکلوں کی نسبت ذکر کی طرف کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ذکر جہری اور ذکر سری دونوں عبادت ہیں انکا مطلب اس سے یہی ہوتا ہے کہ ذکر جو کہ مقصود ہے وہ عبادت ہے خواہ جہر کی صورت میں ہو یا سری کی صورت میں ہو اور جب ذکر کی طرف ان صورتوں کی نسبت نہیں کرتے تو وہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جہر اور سر دونوں عبادت نہیں اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جہر اور سر بذات خود مقصود اور عبادت نہیں بلکہ عبادت اور کار ثواب تو ذکر ہے اور جہر و سر ذکر الہی کی ادائیگی کی صورتیں ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ روزہ ایک عبادت ہے اور اس کے رکھنے کا ثواب ہے لیکن روزہ کسی نہ کسی دن تو رکھنا ہوگا چاہے وہ دن اتوار کا ہو یا منگل کا یا ان کے علاوہ کوئی اور دن ہو لیکن ثواب اتوار یا منگل کے دن کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ مطلق روزہ رکھنے کی وجہ سے ملتا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ منگل کے روز زیادہ ثواب ہے تو یہ ایک عقیدہ بن جائے گا جس کی وجہ سے وہ عمل بدعت بن جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ذکر جہری و سری کے اندر جہر یا سری کی کسی ایک صورت کو عبادت اور کار ثواب سمجھے تو پھر اس عقیدے کے ساتھ ذکر کا عمل بدعت بن جائے گا البتہ اگر کسی خاص موقع پر شریعت نے خود کسی صورت کی تعین کر دی ہو یا ترغیب دی ہو یا فضیلت بیان کی ہو تو پھر اس صورت معینہ میں ثواب زیادہ ہوگا جیسا کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں روزوں کا ثواب ہے اسی طرح اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی اتباع میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھے تو اس کا ثواب بوجہ اتباع عام دنوں کی نسبت زیادہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مطلق جہر و سر کے ساتھ کوئی باعث ثواب و فضیلت چیز لاحق ہو جائے تو پھر نفس جہر و سر پر بھی ثواب ملتا ہے مثلاً جہاں جہر کا حکم ہے یعنی اذان، تکبیرات تشریق وغیرہ میں تو وہاں نفس جہر پر ثواب ملے گا اسی طرح جہاں سر کا حکم ہے وہاں نفس سر پر ثواب ملے گا۔ اسی طرح چند آدمی کسی سواری پر سوار ہونے لگیں تو کوئی ایک شخص جہر سواری کی دعا پڑھے اور اس کی نیت یہ ہو کہ دوسرے بھی پڑھ لیں گے تو اس جہر پر بھی ثواب ملے گا اور اس ثواب کا باعث نیک نیت ہے

ذکر کی اقسام کا خلاصہ یہ نکلا کہ جہر مضرباً بالاتفاق ناجائز ہے خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اسی طرح جہر معتدل شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے بالاتفاق جائز ہے اور جہر شدید بالاتفاق وہاں جائز ہے جہاں شریعت نے حکم دیا ہو یا اس کی ضرورت ہو لیکن اگر عام حالات میں ہو اور بے ضرر ہو تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء جائز کہتے ہیں خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد میں اور بعض علماء اس کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں۔ خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد میں اور بعض علماء مسجد میں ناجائز اور خارج مسجد میں جائز قرار دیتے ہیں اس کی تفصیل جہر شدید کی شرائط کے ذیل میں آ رہی ہے۔

## جہر معتدل کا جواز اور اس کی شرائط اور منکر کا حکم:

تلاوت و تسبیح، تہلیل، دعا میں جہر معتدل کا جواز قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے متفقہ طور پر ثابت ہے لہذا اس کا انکار کرنا قرآن مجید و سنت الرسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کا انکار کرنا ہے البتہ جہر معتدل کیلئے کچھ شرائط ہیں جو ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے۔

..... ذکر کو صرف جہر ہی میں منحصر نہ کیا جائے مثلاً جو شخص ذکر جہر نہیں کرتا تو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ ذاکرین میں سے نہیں۔

..... جہر معتدل کسی کیلئے ایذا و تکلیف کا باعث نہ بنے مثلاً سونے کی جگہ یا سونے کے وقت میں ذکر کرنا تو ایسے وقت قرآن مجید کی تلاوت تہلیل و تسبیح وغیرہ معتدل جہر کی ساتھ بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

..... جہر معتدل ایسے وقت میں نہ ہو کہ جس وقت لوگ عموماً نوافل میں مشغول ہوں تاکہ کسی شخص کی سنت یا نفل نماز میں خلل واقع نہ ہو۔ یاد رہے کہ اس وقت میں بعض علماء کے نزدیک بیان تعلیم و تدریس بھی درست نہیں اور اس کا بیان انشاء اللہ آگے آ رہا ہے۔

..... جہر معتدل سے مسلمانوں کو اجتماعی ایذا و تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو مثلاً دشمن سے لڑنے اور جنگ کی صورت میں جہاں خطرہ ہو کہ کفار و مشرکین آوازن کر مسلمانوں کے ٹھکانوں وغیرہ کو معلوم کریں گے۔

..... ذکر جہری ہو یا سری اس کے ساتھ کسی اور خرابی کو شامل نہ کیا جائے مثلاً رباب اور باجے وغیرہ جیسے آلات موسیقی کے ساتھ نہ ہو یا در ہے کہ ذکر سری یعنی وہ ذکر جو زبان سے چپکے چپکے ہو یا سانس کے ساتھ ہو اگر اس کے ساتھ بھی رباب اور باجے وغیرہ کو شامل کیا جائے گا تو یہ بھی ناجائز ہے غرض یہ کہ ذکر کے ساتھ خواہ سری ہو یا جہری کسی ایسی چیز یا کام کو شامل نہ کیا جائے جو شریعت مطہرہ میں ممنوع یا ناجائز ہو۔

..... جہر معتدل سے ریا کا اندیشہ ہو اس کا تعلق خود انسان کے اپنے نفس کے ساتھ ہے یعنی اگر لوگ ذکر جہر کرنے والوں کو بزرگ یا بڑا ذکر شائع سمجھتے ہوں اور اس کا غالب گمان بھی ہو کہ ذکر جہر کی وجہ سے لوگ میری مدح اور تعریف کریں گے اور میں ریا کاری میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسی صورت میں اچھا یہی ہے کہ ذکر جہری کو اختیار نہ کیا جائے البتہ اگر صرف

ریاء کا وسوسہ ہو تو یہ یاد رہے کہ ریا کاری کا وسوسہ ریا کاری نہیں جیسا کہ اس کا بیان ”باب ریا“ میں موجود ہے۔  
نیز اگر کہیں ذکر جہر کرنے والوں پر فقرے کسے جاتے ہوں مثلاً انہیں ریاہ کا رکھا جاتا ہو تو ایسی صورت میں ذکر جہر کو اس لئے اختیار نہ کرنا کہ لوگ مجھے ریاہ کا کہیں گے تو یہ خود ریا کاری ہے کیونکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ ریا کار نہیں بلکہ مخلص سمجھیں اس کا بیان بھی باب الریاء میں موجود ہے۔

..... جس موقع پر نبی کریم ﷺ سے ذکر ثابت ہو لیکن ذکر جہر ثابت نہ ہو اس موقع پر سنت سمجھ کر ذکر جہر کرنا یا جہر کو سنت تو نہ سمجھا جائے مگر خطرہ یہ ہو کہ لوگ اس موقع پر جہر کو سنت قرار دیں گے۔ مثلاً عید الفطر کے موقع پر جہر تکبیریں پڑھنا تو ایسی صورت میں علماء احناف ذکر جہر کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس وقت لوگ جو ذکر جہر کریں گے تو وہ جہر کو سنت سمجھ کر کریں گے اور حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ عید الفطر کے دن عید گاہ کو جاتے وقت اور عید الفطر کے دنوں میں جہر تکبیروں کو سنت قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دونوں شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ دونوں بھی اسی کے قائل ہیں کہ عید الفطر کے ایام میں جہر تکبیریں ہونی چاہیں بلکہ امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت جہر تکبیروں کی منقول ہے لیکن مشہور قول کے مطابق اس موقع پر حضرت امام ابو حنیفہؒ جہر تکبیروں کو بدعت یا ناپسندیدہ کہتے ہیں کیونکہ یہ جہر کا وقت تھا پھر بھی نبی کریم ﷺ نے جہر نہیں کیا۔ اس لئے یہ بدعت یا ناپسندیدہ ہے اور اس وقت جہر کے بجائے اخفاء افضل ہے۔  
(حاشیہ طحاوی ص ۲۹۰)۔

## الدر المختار اور ملا علی قاریؒ کی عبارتوں کا مطلب:

شرط مذکورہ کی توضیح حضرت علامہ ہسکلفیؒ کی عبارت سے اس طرح ہوتی ہے کہ وہ عید الفطر میں جہراً تکبیریں کہنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

وقال الجہر بہ سنۃ کلاضحیٰ وہی رواۃ عنہ ووجہا ظاہر لقولہ تعالیٰ  
”وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ“ ووجہ الاول ان رفع

۱۔ باب ریاہ جو اہر الاسلام کا ایک باب ہے اور خود یہ کتاب ذکر اللہ کے فضائل و مسائل بھی اس کا ایک باب ہے لیکن اہمیت و ضرورت کے پیش نظر اس کو علیحدہ شائع کیا گیا ہے۔

الصوت بذکر بدعة فيقتصر على مورد الشروع“ یعنی حضرت امام یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ دونوں کہتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی طرح عید الفطر میں بھی بلند آواز سے تکبیریں کہنا سنت ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہے (کہ عید الفطر میں بھی جہراً تکبیریں سنت ہیں) اور اس کی وجہ (اور دلیل) اللہ تعالیٰ کا یہ ظاہر فرمان ہے ”وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ..... الاية“ اور تا کہ تم کتنی پوری کر لو اور تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور (حضرت امام صاحبؒ) پہلے قول (یعنی عید الفطر کے روز جہراً تکبیریں نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر بدعت ہے لہذا یہ جہر وہیں تک محدود رہے گا جہاں شریعت کا حکم ہے) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار، ج ۱ ص ۵۵۸)۔

اسی طرح کی وضاحت ملا علی قاریؒ نے بھی کی ہے کہ تکبیرات عید الفطر کے بیان میں (رفع الصوت بالذکر بدعة) کہا ہے اور اس کے لئے ”وَ اذْ تُكْسِرُ زُبَّكَ“ کی آیت بھی پیش کی ہے ان دونوں حضرات کی عبارات میں اگر ذکر سے مطلق ذکر جہر مراد لیں تو ان کی اپنی محولہ عبارات میں تناقض پیدا ہو جائے گا کیونکہ دوسری جگہوں پر ان حضرات نے تصریح کی ہے کہ جہاں مطلقاً ذکر کا حکم ہو وہاں جہر یعنی رفع الصوت افضل ہے لہذا ”رفع الصوت بالذکر بدعة“ سے مطلقاً رفع الصوت مراد نہیں بلکہ وہ رفع الصوت مراد ہے جہاں اسے مسنون سمجھ کر کیا جائے یا مسنون سمجھے کا خدشہ ہو چنانچہ علامہ ہسکلفیؒ اپنی اسی کتاب الدر المختار کے باب الحظر والاباحۃ میں فرماتے ہیں کہ:

هل يكره رفع الصوت بالذکر والدعاء قيل نعم و تمامہ قبیل جنایات  
البزازیة : کیا بلند آواز کے ساتھ ذکر اور دعا مکروہ ہے؟ کہا گیا ہے۔ ہاں، اور اس کا پورا بیان فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنایات کی شروع ہونے سے تھوڑا پہلے موجود ہے  
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار۔ ج ۵ ص ۲۵۵)۔

یہاں بلند آواز کے ساتھ ذکر و دعا کے متعلق علامہ ہسکلفیؒ کی رائے واضح ہے وہ کراہت کے قول کیلئے ”قيل“ کے صیغہ تمریض کو استعمال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کا پورا بیان بزازیہ میں جنایات سے تھوڑا پہلے موجود ہے اور اس کی کراہت پر علامہ ہسکلفیؒ مطمئن نہیں اس لئے وہاں رجوع کرنے کا اشارہ دے دیا اور خود صاحب فتاویٰ بزازیہ ذکر جہر شدید کو بھی بلا کراہت جائز بتلاتے ہیں جیسا کہ اس کا حوالہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفع الصوت بالذکر بدعة میں رفع صوت مطلقاً مراد نہیں بلکہ وہ رفع صوت مراد ہے جسے مسنون سمجھا جائے یا مسنون سمجھنے کا خطرہ ہو۔

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے بھی تکبیرات عید الفطر میں جو فرمایا کہ رفع الصوت بدعت ہے وہ بھی مطلقاً



مراؤ نہیں بلکہ اس میں بھی یہی تاویل مذکور کی جائے گی ورنہ ملا علی قاریؒ کی عبارات میں بھی تعارض پیدا ہو جائے گا کیونکہ ایک حدیث کے تحت وہ جہر شدید کو مسجد کے ساتھ مقید کر کے مسجد میں ذکر جہر یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور پھر وہ متصل ایک دوسری حدیث جس کا مفہوم یہ ذکر کرتے ہیں کہ ”حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنوایا تھا جس کا نام بطینا تھا اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ جو شخص (دنیوی) باتیں کرنا چاہے یا (عام قسم کے) اشعار پڑھنا چاہے یا ”یرفع صوته“ (کسی وجہ سے) آواز بلند کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ مسجد سے نکل کر اس چبوترے میں آجائے (موطا امام مالک مشکوٰۃ)۔

اس حدیث میں یرفع صوته کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ”ولو بالذکر“ (اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زیادہ زور اور بلند آواز سے ذکر کرنا چاہے تو اس کو بھی چاہیے کہ وہ مسجد سے باہر کرے اس کے بعد ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ”یرفع صوته“ میں ذکر کوئی تصریح موجود نہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہو تو وہ بھی چبوترے میں کیا جائے لیکن اس کے عموم میں ذکر بھی شامل ہو سکتا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ملا علی قاریؒ خود بھی ذکر جہر کو مکروہ نہیں جانتے بلکہ یہ ان لوگوں کی جماعت میں شامل ہیں جو جہر شدید کو صرف مسجد میں مکروہ سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے ”ولو بالذکر“ کی قید لگائی ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ملا علی قاریؒ ذکر جہر اور بلند آواز کے ساتھ ذکر کو مسجد سے باہر جائز قرار دیتے ہیں ورنہ اگر ایک کام بذات خود بدعت ہو تو مسجد کے باہر اس کی اجازت دے دینا کیسے درست ہو سکتا ہے بلکہ یہی حضرت ملا علی قاریؒ ایک حدیث کی شرح میں علامہ مظہرؒ کے حوالے سے ذکر جہر کا جواز اور اس کے فوائد و استحباب کو نقل کرتے ہیں اور اس میں ذکر جہر کی کوئی تردید نہیں کرتے چنانچہ وہ نقل فرماتے ہیں کہ:

”قال المظہر هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت بل على

الاستحباب اذا اجتنب الرياء اظهاراً للدين تعليمًا للسامعين وايقاظاً لهم

من رقدة الغفلة وايصالاً لبركة الذكر الى مقدار ما يبلغ الصوت اليه من

الحيوان والشجر والحجر والمدرو طلباً لاقتداء الخیر ويشهد له كل

رطب ويابس سمع صوته وبعض المشائخ يختار اخفاء الذكر لانه ابعد من

الرياء وهذا متعلق بالنية“ مظہر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے

کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے جبکہ ریاء (دکھلاوے) سے اجتناب ہو (آگے

فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) تاکہ دین کا اظہار ہو اور سننے والوں کو تعلیم ہو اور ان

کو غفلت کی نیند سے بیدار کیا جائے جہاں تک ذکر کی آواز پہنچے وہاں تک حیوانوں،

درختوں اور پتھروں ڈھیلوں کو ذکر کی برکت پہنچ جائے اور دوسروں کو بھی اس کا خیر (یعنی

اللہ تعالیٰ کے ذکر) کی ترغیب ہوگی جس کی وجہ سے وہ بھی اس کی اقتداء کریں گے (اور ذکر

الہی میں مشغول ہو جائیں گے) وہ اس کے لئے (روز آخرت میں) گواہی دیں گے اور

بعض مشائخ نے ذکر خفیؑ کو پسند کیا ہے کیونکہ ذکر خفی ریاء سے زیادہ بعید ہے اور اصل میں

اس بات کا تعلق نیت کے ساتھ ہے (مرقاہ، ج ۳، ص ۷۲ تا ۱۷۳)۔

علامہ مظہرؒ کی عبارت صراحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ اختلاف جہر شدید میں ہے نہ کہ جہر معتدل میں اور علامہ مظہرؒ اور حضرت ملا علی قاریؒ وغیرہ خود جہر شدید کے بھی قائل ہیں کیونکہ وہ خود بلند آواز کے ساتھ جہر کی ترغیب دے رہے ہیں تاکہ گواہ زیادہ ہو جائیں اور ذکر کی برکت ہر چیز کو حاصل ہو جائے نیز غفلت والی نیند سے دلوں کو جگایا جائے اور یہ مذکورہ فوائد جہر شدید کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔

اسی طرح ائمہ متبوعینؒ کا اختلاف عیدین کی زائد تکبیروں میں بھی ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک زائد تکبیریں چھ ہیں دوسرے ائمہ حضرات چھ سے زائد مانتے ہیں اور وہ ان زائد تکبیروں کو مسنون یا واجب قرار دیتے ہیں اس مسئلہ کے متعلق علامہ قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ عید نماز میں چھ سے زائد تکبیریں نہیں ہونی چاہیں کیونکہ:

”وهو قول اكثر الصحابة رضى الله عنهم وبه اخذ اصحابنا رحمهم الله

تعالى لان الجهر بالتكبير بدعة فلا يوحذ الا بما اتفق عليه الصحابة رضى

الله عنهم“ اور یہی قول اکثر صحابہؓ کا ہے اور اسی قول کو ہمارے فقہاءؒ نے لیا ہے (کہ چھ

تکبیریں ہونی چاہئیں) کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے تو اسی چیز کو لیا جائے گا جس

پر اکثر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو (فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم الہندیہ ج ۱ ص ۱۸۴)۔

## علامہ قاضی خان کی عبارت کا مطلب:

اس مقام پر بھی علامہ قاضی خانؒ کی عبارت کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ چونکہ بلند آواز سے تکبیریں جہاں مسنون ہوں وہاں معینہ مقدار سے زائد تکبیریں مسنون سمجھ کر کہنا بدعت ہے لہذا جس پر صحابہ کرامؓ کی اکثریت کا اتفاق ہو تو صرف اسی کو مسنون اور واجب سمجھ کر کیا جائے اگر عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے اور مطلق جہر کو بدعت کہا جائے تو پھر علامہ قاضی خانؒ کی عبارتوں میں تعارض پیدا ہو جائے گا اور ان کے اقوال و فتاویٰ سے اعتماد ختم ہو جائے گا کیونکہ علامہ قاضی خانؒ اپنے اسی فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

۱۔ ذکر خفی کیا ہے؟ سری ذکر افضل ہے یا خفی اس کا مستقل بیان انشاء اللہ آگے آ رہا ہے۔

”و لا باس بالتسبیح و التہلیل و ان رفع صوته بذالک“، یعنی تہلیل (لا الہ

الا اللہ) اور تسبیح (سبحان اللہ) پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ بلند آواز کے ساتھ ہو (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۱ ص ۶۲ طبع کوئٹہ)۔

لہذا شرط مذکور کا خلاصہ یہ نکلا کہ جہر معتدل ایسی جگہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں جہاں ذکر تو آپ ﷺ سے ثابت ہو لیکن جہراً ثابت نہ ہو اور وہاں اگر جہر کو مسنون سمجھ کر کیا جائے یا مسنون سمجھے جانے کا خطرہ ہو تو پھر اس خطرے کے پیش نظر جہر جائز نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء کی عبارتوں میں غور کیا جائے اور قرآن و حدیث کی طرف مخلصانہ رجوع کیا جائے تو یہی وہ امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا ذکر میں ضروری ہے اور کوئی بھی سنجیدہ عالم یا فقیہ ایسا نہیں جس نے جہر معتدل کا انکار مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہو آخر وہ انکار کیسے کر سکتا ہے جبکہ قرآن و حدیث اور نبی کریم ﷺ کے عمل مبارک اور اسلاف سے ان شرائط کے ساتھ جہر معتدل ثابت ہے اور جس کسی نے انکار کیا اس کے پیش نظر یہی شرائط ہوتے ہیں جیسا کہ فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہوا ہے کہ ان کا اختلاف مطلقاً ذکر جہر میں نہیں بلکہ ان کا اختلاف ایسے مواقع میں ہے جہاں کوئی اس ذکر کی شرائط کا خیال نہ رکھتا ہو مثلاً اسے سنت قرار دیتا ہو تو وہاں علماء اس سنت اور مستحب ہونے کی تردید کرتے ہیں اسی طرح ذکر جہر کو کوئی کسی موقعہ کے ساتھ خاص کرتا ہو جس موقعہ کی خصوصیت شریعت مطہرہ میں ثابت نہ ہو مثلاً ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کو تکبیرات کے ساتھ خاص کرنا اس خصوصیت کو بعض علماء بدعت کہتے ہیں۔

## جہر شدید کب جائز ہے:

شریعت مطہرہ نے بعض حالات اور بعض ضرورتوں کے تحت ذکر جہر یعنی شدید جہر کی بھی اجازت دی ہے بلکہ بعض موقعوں پر اس کی ترغیب بھی دی ہے جن مواقع میں جہر شدید بہتر یا جائز ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) اذان دیتے وقت بہتر یہ ہے کہ پورے زور اور قوت سے اذان دی جائے جیسا کہ یہ بات اذان کے بیان میں آچکی ہے کہ جہاں تک موذن کی آواز پہنچتی ہے وہاں سے شیطان بھاگتا ہے نیز موذن کی اذان توحید اور ذکر و دعوت پر مشتمل ہے۔ لہذا اس پر پتھر اور درخت وغیرہ گواہ بن جاتے ہیں اور چونکہ اذان سے مقصد لوگوں کو نماز کی طرف بلانا ہے لہذا جتنی اونچی آواز میں اذان ہو اتنا ہی بہتر ہے۔

(۲) حج اور عمرہ کے وقت تلبیہ یعنی ”لبیک اللہم لبیک.....“ حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ پوری قوت اور خوب اونچی آواز سے تلبیہ کہا جائے۔

(۳) تکبیرات تشریق یعنی عید الاضحیٰ کی نماز کو جاتے وقت راستوں میں پوری قوت اور خوب اونچی آواز کے ساتھ ”اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر“ کہنے کی اجازت ہے اور جہر معتدل سنت ہے نیز اس موقع پر فرض نمازوں کے بعد جہر سے تکبیریں کہنا سنت موکدہ بلکہ واجب ہیں۔

(۴) درس و تدریس، وعظ و بیان، خطبہ و قرات میں جہر شدید جائز ہے بلکہ مجمع بڑا ہو تو اچھا اور بہتر یہ ہے کہ پوری قوت سے آواز نکالی جائے تاکہ سننے والے وعظ و نصیحت اور قراءت کو سن سکیں۔

(۵) کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ عین لڑتے وقت تکبیر وغیرہ جیسے ذکر و اذکار پکار کر کہنا بھی جائز ہے تاکہ مسلمانوں کا شوق بڑھے اور کفار پر رعب طاری ہو۔

(۶) چونکہ ضرورت کے تحت ذکر جہر شدید بھی جائز ہے اس لئے اگر کوئی مسلمان ایسا ہے کہ جو وساوس کا شکار ہو اور نماز میں اور ذکر میں دھیان نہیں رہتا جیسا کہ آجکل مسلمانوں کی عام حالت یہی ہے تو ایسی صورت میں بھی جہر شدید حسب ضرورت جائز ہے۔ تاکہ یکسوئی حاصل ہو جائے اور نماز، ذکر میں خشوع اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد حاصل ہو جائے۔

(۷) عام حالات میں بھی جہاں سر اور جہر کا تعین نہ ہو اور ذکر جہر سے کسی خرابی اور نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو اس وقت بھی بعض علماء کے نزدیک یہ جہر جائز ہے لیکن اس صورت میں چونکہ خود اپنے آپ کو فضول اور بلا وجہ مشقت اور سختی میں ڈالنا ہے اس لئے بلا ضرورت اور بلا کسی خاص کیفیت اور حالات خاصہ کے قصداً چیخنا اور چلا کر ذکر و تلاوت کرنا درست نہیں خصوصاً دعا میں اگر زیادہ زور سے آواز نکالی جائے تو اس میں تذلل اور انکساری کی شان باقی نہیں رہتی اور اذکار میں دعا ہی ایسی عبادت ہے جس میں تذلل اور عاجزی کا زیادہ اظہار ہوتا ہے اس لئے اس میں مذکورہ بالا امور کی زیادہ رعایت رکھنے کا حکم دیا ہے۔

## جہر شدید یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر بعض اوقات میں بالاتفاق ناجائز ہے:

جہر شدید کے حکم کا خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ بالا صورتوں میں ذکر جہر شدید میں کسی کا اختلاف نہیں وہ بالاتفاق جائز ہے لیکن بلا ضرورت جہر شدید بعض کے نزدیک خارج مسجد و داخل مسجد دونوں میں جائز ہے اور بعض حضرات کے ہاں داخل مسجد میں ناجائز ہے کیونکہ اس میں مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے اور خارج مسجد میں جائز ہے بعض علماء سے جہر شدید کی ممانعت کی جو عبارات منقول ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہاں شرائط مذکورہ کے

۱۔ کیونکہ اس صورت میں نمازیوں اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور انتشار پیدا ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ فقیر کو مسجد میں صدقہ دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔



بغیر ذکر جہر بدعت یا ناپسندیدہ ہو جاتا ہے مثلاً علامہ آلوسیؒ ایک طرف ذکر جہر شدید کے ثبوت بلکہ اس کی فضیلت کو نقل کر کے اس کی تائید بھی کرتے ہیں اور جیسا کہ اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ آگے آ جائے گی۔ (دیکھئے روح المعانی، ج ۱۶، ص ۶۲ ج ۸ ص ۱۴۰) لیکن دوسری طرف یہی علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں؛

”وتسرى كثيراً من اهل زمانك يعتمدون الصراخ في الدعاء خصوصاً في الجوامع حتى يعظم اللغط ويشتدو تستك المسماع وتستندو لا يدرون انهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت في الدعاء وكون ذلك في المسجد“ تم اپنے اہل زمانہ میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھو گے جنہوں نے دعا میں چلانے کو اپنی عادت بنا رکھا ہے خصوصاً جامع مسجدوں میں حتیٰ کہ ان میں اس قدر شور و شغب ہوتا ہے کہ کان بہرے اور بند ہو جاتے ہیں اور وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ انہوں نے دو بدعتیں جمع کی ہیں ایک بلند آواز کے ساتھ دعا اور دوسرے مسجد میں آواز بلند کرنا۔ (روح المعانی، ج ۸، ص ۱۳۹)۔

حضرت علامہ آلوسیؒ کے دور میں دعاؤں میں سے اس قدر مبالغہ کیا جاتا تھا اور اس قدر زور سے دعائیں مانگی جاتی تھیں جس سے کان بہرے اور بند ہو جاتے تھے تو ان دو مختلف عبارتوں میں سوچنے والوں کیلئے کافی رہنمائی ملتی ہے کہ حضرت علامہ آلوسیؒ کے نزدیک ایک طرف بلا ضرورت شدید جہر کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے نیز اس قدر شدید جہر جس سے کان بند ہو جاتے ہوں وہ ایسے جہر کو مسجد کے اندر بدعت قرار دیتے ہیں لہذا اس میں جو رفع الصوت یعنی بلند آواز ہے اس سے وہ آواز مراد ہے جو حد اعتدال سے بڑھ گئی ہو اور جہر مضمر میں داخل ہو گئی ہو بعد میں آنے والے حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حد اعتدال میں رہتے ہوئے ذکر جہر کرنے کے وہ خود نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کو بہتر اور افضل مانتے ہیں۔

## مساجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور فقہائے کرام:

علامہ علاء الدین محمد بن حصکفی حنفیؒ اپنی کتاب الدر المختار میں احکام مسجد کے بیان میں فرماتے ہیں کہ؛

”ويحرم فيه السؤال ويكره الاعطاء مطلقاً وقيل ان تخطي وانشاد ضالة او شعر آلفيه ذكرو رفع صوت بذكر“ مسجد میں سوال حرام ہے اور (سائل کو) دے دینا مطلقاً مکروہ ہے اور کہا گیا ہے کہ (لوگوں کی) گردنیں پھلانگ کر سائل کو دینا مکروہ ہے! (ورنہ نہیں) نیز مسجد میں گم شدہ چیز اور سوائے ایسے اشعار جن میں ذکر و نصیحت ہو (دوسرے فضول) اشعار اور ذکر پر آواز بلند کرنا بھی مکروہ ہے (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۱ ص ۴۴۳ تا ۴۴۴)۔

۱۔ کیونکہ اس صورت میں نمازیوں اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور انتشار پیدا ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ فقیر کو مسجد میں صدقہ دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

## مساجد میں آواز بلند کرنے کے عدم جواز کی بنیاد:

مساجد میں ذکر پر آواز بلند کرنے کی حرمت یا کراہت کی بنیاد مندرجہ ذیل حدیثوں پر ہے۔

..... حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد میں سو رہا تھا کہ کسی شخص نے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ ہیں تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان دو آدمیوں کو میرے پاس لاؤ (جو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ باتیں کرتے ہیں) میں نے انکو بلایا حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ یا یوں فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو یا یوں فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا؛ ”لو كنتما من اهل المدينة لا وجعتكما ترفعان اصواتكم في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم“ اگر تم مدینہ (منورہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا یعنی پٹائی کرتا (لیکن چونکہ تم مسافر ہو اس لئے تمہیں معاف کرتا ہوں افسوس کی بات ہے کہ) تم لوگ رسول ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو (یعنی زور زور سے باتیں کر رہے ہو) (مشکوٰۃ بخاری)۔

..... نبی کریم ﷺ نے قیامت آنے سے پہلے چند نشانیاں اور علامات بیان کی ہیں ان میں سے ایک پیشگوئی یہ بھی فرمائی ہے کہ؛ ”وظهرت الاصوات في المساجد“ اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہو جائیں گی (مشکوٰۃ، ترمذی)۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ؛

”وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت في المسجد ولو بالذکر حرام“ اور ہمارے بعض علماء (یعنی بعض علمائے احناف) نے صراحت سے فرمایا ہے کہ مسجدوں میں آوازیں بلند کرنا حرام ہے اگرچہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو (دیکھئے المرقاۃ، ج ۱۰، ص ۱۷۱)۔

جن علماء نے مسجد میں زور زور سے باتیں کرنے کو حرام کیا ہے حتیٰ کہ اگر ذکر (یعنی قرآن مجید کی تلاوت، تسبیح و تہلیل وغیرہ) بھی زور زور اور بلند آواز سے کیا جائے تو اس کو بھی حرام بتلایا ہے اگر ان علماء کا مطلب یہی ہو کہ اس کی وجہ سے نمازیوں کی نمازوں میں اور اوراد میں خلل اور تشویش واقع ہو جاتی ہے پھر تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کسی کو ایذا دینا اور نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنا حرام ہے لیکن اگر حرمت والے حکم کو مطلقاً مانا جائے تو پھر یہ بات ذکر کے علاوہ باتوں کے متعلق بھی قابل نظر ہے کیونکہ حدیثوں میں یہ ثابت ہے کہ اگر کوئی نماز، تلاوت اور ذکر کیلئے مسجد میں آ جاتا ہے پھر وہ وہاں کسی سے مباح دینی بات بھی کرتا ہے تو اس کی اجازت ہے بلکہ بعض دفعہ نبی کریم ﷺ

نے مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنے والوں کی آواز کو سنا تو ان پر غصہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس کے متعلق بطور نمونہ صرف دو حدیثوں کو نقل کئے دیتا ہوں۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جس مصلے پر فجر کی نماز پڑھتے وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک سورج (اچھی طرح) نہ نکل آتا جب سورج نکل آتا تو آپ ﷺ (نماز اشراق کیلئے یا گھر میں تشریف لے جانے کیلئے) کھڑے ہو جاتے اور (اس بیٹھنے کے دوران) صحابہ کرامؓ (بطریق استہزاء اور مذمت) زمانہ جاہلیت کی باتیں کرتے رہتے اور (ان پر) ہنسا کرتے تھے اور آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے (صحیح مسلم) اور ترمذی کی روایت یوں ہے کہ (اس دوران) صحابہؓ اشعار پڑھتے اور سنتے (مشکوٰۃ کتاب الادب)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز اور تلاوت میں کوئی مشغول نہ ہو تو اس وقت اگر کوئی مباح بات کرے بشرطیکہ وہ صرف باتوں کیلئے مسجد میں نہ آیا ہو یا ایسے اشعار پڑھے جائیں جن میں توحید یا نبی کریم ﷺ کی مدح کی جاتی ہو تو یہ جائز ہیں اور اشعار پڑھتے وقت آواز تو بلند ہوتی ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ:

حضرت کعب بن مالکؓ نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں ابن ابی حدردؓ سے اپنا قرض مانگا "فارتفعت اصواتهم" یعنی دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں ان کی آوازیں سنیں جب کہ آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تھے چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کعب ابن مالکؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے کعب! کعبؓ نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ" تو آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے قرض کا نصف حصہ معاف کر دو کعبؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا اسکے بعد آپ ﷺ نے ابن حدردؓ سے فرمایا کہ اب اٹھ جاؤ اور باقی قرض ادا کرو (صحیح بخاری دیکھئے مشکوٰۃ کتاب البیوع)۔

یہاں دونوں حضرات کی آوازیں مسجد میں دنیا کے معاملہ میں اس قدر بلند ہو گئیں حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ کے اندر انکی لڑائی کی پوری تفصیل کو سمجھ گئے اس لئے تو کعبؓ سے فرمایا کہ آدھا قرض معاف کر دو لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے انہیں آواز بلند کرنے پر نہیں ڈانٹا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد میں لڑنا یا اونچی آواز سے باتیں کرنا مطلقاً جائز ہے بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ مطلقاً باتوں یا بلند آواز سے باتوں کو حرام کہہ دینا صحیح نہیں کیونکہ حرام ایک ایسا حکم شرعی ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا ایسا حکم ہونا ضروری ہے جو صراحت

کے ساتھ حرام ہونے پر دلالت کرے نیز وہ حکم ایسا ہو جو یقینی طور پر ثابت بھی ہو البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آواز بلند کرنا خلاف ادب اور مکروہ ہے۔ بہر حال یہ بات تو دنیوی باتوں کے متعلق تھی رہا ذکر کا معاملہ تو اس پر حرام کا حکم لگانے میں تو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ مساجد بنی ہی اس لئے ہیں کہ ان میں نماز اور تلاوت و ذکر جیسے امور خیر ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ "فَیُؤْتِ اِذْنَ اللّٰہِ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اِسْمُہٗ" ایسے گھروں میں جنکی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے (التور آیت ۳۶)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُذْکَرَ فِیْہَا اِسْمُہٗ وَسَعٰ فِیْ

خَسْرِ اِیْہَا..... الا یہ“ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں

اس کا نام لینے سے منع کیا اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کی (سورہ بقرہ آیت ۱۱۴)۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اس وعید سے ڈرے گا وہ مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لینے سے نہیں روکے گا الا یہ کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا نام ایسے انداز میں لے جس سے اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کی بے حرمتی ہوتی ہو یا اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسے انداز میں کرے جس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں یا ذکر تلاوت کرنے والوں کے ذکر تلاوت میں خلل واقع ہو، رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو منع فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو وہ دنیا کی باتیں بلند آواز سے کرتے تھے نیز وہ وقت بھی ایسا تھا کہ لوگ نماز کیلئے مسجد میں بیٹھے تھے پھر نبی کریم ﷺ کے حجرے کا پاس ہونا بھی ملحوظ تھا جیسا کہ خود حضرت عمرؓ کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ تم لوگ رسول ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو اور رہی یہ حدیث جس میں علامات قیامت کے بارے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ:

ظہرت الاصوات فی المساجد: اور مسجدوں میں آوازیں

بلند ہو جائیں (الحدیث)

تو اس میں ذکر کو داخل کرنا قابل نظر ہے کیونکہ یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں مسجدیں اذانوں سے گونجتی تھیں ان میں ذکر و تلاوت قرآن کی جاتی تھی اور خطبے انہی مساجد میں پڑھے جاتے تھے اور آج تک امت کا یہی معمول چلا آ رہا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے اندر اشعار بھی پڑھے جاتے تھے بلکہ شعر پڑھنے والے کیلئے منبر بھی رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اس کی آواز تمام بیٹھنے والوں کو پہنچ سکے۔ یہاں اس کے متعلق بطور نمونہ ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ کیلئے منبر رکھوا دیتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ (اپنے اشعار سناتے اور ان اشعار میں) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اظہار فخر کرتے تھے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (کفار و مشرکین کے مخالفانہ اشعار کا) مقابلہ کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کے اشعار سے خوش ہو کر (فرماتے تھے کہ:

۱۔ تفصیل کیلئے کتاب جواہر الاسلام کا باب ”شعر کا بیان“ دیکھیں۔



”ان اللہ يؤيد حسان بروح القدس مانافخ اوفاختر عن رسول اللہ ﷺ“

اللہ تعالیٰ حضرت جبریلؑ کے ذریعہ حسانؑ کی مدد اور تائید فرماتے ہیں جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقابلہ یا اظہارِ فخر کرتے ہیں (صحیح بخاری، مشکوٰۃ باب البیان والشعر)۔

بہر حال قیامت کی نشانیوں میں جو آوازیں ظاہر ہوں گی وہ وہی آوازیں ہو سکتی ہیں جو خود دین اسلام کے مخالف ہوں جیسا کہ آجکل مساجد کے لاؤڈ سپیکروں میں سے دنیا کی آوازیں آتی رہتی ہیں اور مساجد میں زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے اپنے اپنے قائدین اور لیڈروں کے نام بلند کئے جاتے ہیں۔

نیز مسجد کے مناروں سے ایک دوسرے کے خلاف گالیاں دی جاتی ہیں بلاشبہ یہ ایسے امور ہیں جو عصر حاضر کی پیداوار ہیں اور گویا کہ مساجد ہی لڑائی، تفاخر اور اپنی دلی بھڑاس نکالنے اور اللہ تعالیٰ کے بجائے لیڈروں کے ناموں کو اونچا کرنے کے مراکز اور ذرائع ابلاغ بن گئے ہیں۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بلند آواز اور جہر مفرط کے ساتھ ذکر جہر یا العیاذ باللہ آواز سے باتیں کرنا مسجد میں مطلقاً بلا کراہت جائز ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسجد میں ذکر کے ساتھ آواز اونچی کرنا اور اس کے لئے ایسی مجمل بلکہ مبہم روایت سے حرمت ثابت کرنا قطعاً صحیح نہیں خصوصاً جبکہ نبی کریم ﷺ سے مسجد میں باتوں پر خاموشی ثابت ہے اور آپ ﷺ خود اشعار پڑھوانے کیلئے منبر رکھواتے تھے۔

## جہر شدید ضرورت کے وقت بالاتفاق جائز ہے:

یہی وجہ ہے کہ محققین علماء بلند آواز کے ساتھ ذکر یا علم کی مجلس درس و تدریس یا وعظ و نصیحت کو اس وقت ناجائز سمجھتے ہیں جبکہ نمازوں کا وقت ہو مثلاً اذان کے بعد لوگ مسجد میں آ جاتے ہیں کوئی نفل پڑھتا ہے کوئی نماز کے انتظار میں ہوتا ہے کوئی ذکر و فکر میں مشغول ہوتا ہے یا ایسی نمازیں جنکے بعد سنت اور نفل پڑھنا صحیح ہے تو ان نمازوں کے فوراً بعد زور زور سے ذکر یا تلاوت کرنا جس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل یا تشویش پیدا ہو تو اس صورت میں بلند آواز سے ذکر ناجائز ہے لیکن اگر خلل واقع نہیں ہوتا تو مسجد میں جہر یا ذکر تلاوت درس و تدریس اور علمی مذاکرہ جیسے امور خیر اگر معتدل آواز کے ساتھ ہوں تو یہ بالاتفاق جائز ہیں البتہ علماء کا اختلاف بلا ضرورت جہر شدید میں ہے اس کے متعلق علماء کے چند حوالے درج ذیل ہیں۔

حضرت امام نوویؒ شرح مسلم میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

فيه كراهة رفع الصوت في المساجد يوم الجمعة وغيره وانه لا يرفع الصوت بعلم ولا غيره عند اجتماع الناس للصلاة لمافيه من التشويش

عليهم وعلى المصلين والذاكرين ( واللہ اعلم ): یعنی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وغیرہ کے دن مساجد میں آواز بلند کرنا مکروہ اور یہ کہ جب لوگ نماز کیلئے جمع ہوں اس وقت بھی (علم وغیرہ ذکر و تلاوت کے ساتھ) آواز بلند نہ کی جائے کیونکہ اس کی وجہ سے (مسجد میں) جمع ہونے والوں اور نمازیوں (جو سنت و نوافل ادا کر رہے ہوں) اور ذکر کرنے والوں (یعنی جو لوگ ذکر و فکر اور اپنے اور اد میں مشغول ہوں ان کو) تشویش ہوتی ہے اور ان کی نمازوں اور ذکر و تلاوت میں خلل پڑ جاتا ہے (واللہ اعلم (دیکھئے شرح للنووی علی المسلم ج ۲ ص ۱۳۴)۔

حضرت امام نوویؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں علم و ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا اس وقت مکروہ ہے جبکہ لوگ نماز کیلئے جمع ہوں کوئی نفل و سنت میں مشغول ہو کوئی ذکر و فکر اور تلاوت میں یا وعظ و نصیحت یا زور زور سے علمی مذاکروں کی وجہ سے نماز پڑھنے والوں کی یاد کر کرنے والوں کی نماز و ذکر تلاوت میں خلل آ جاتا ہے اس لئے اس وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔

## فتاویٰ عالمگیری کی رو سے مساجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے:

فتاویٰ عالمگیریہ جو کہ علامہ نظامؒ کی سرپرستی میں سینکڑوں علماء کی جماعت نے تیار کیا ہے اس میں ہے کہ: والسادس ان لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر اللہ تعالیٰ : اور چھٹا ادب یہ ہے کہ مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اور کوئی آواز بلند نہ کی جائے (فتاویٰ عالمگیریہ، ج ۵، ص ۳۲۱)۔

اور اسی فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ:

”قاص عنده جمع عظيم يرفعون اصواتهم بالتسبيح والتهليل جملة لابس به والاختفاء افضل“ کسی قاضی یا واعظ کے پاس عظیم جماعت ہو وہ لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اختفاء افضل ہے (فتاویٰ عالمگیریہ، ج ۵، ص ۳۱۵)۔

نیز عالمگیریہ میں فتاویٰ فقیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ:

”امام يعتاد كل غداة مع جماعته قراءة اية الكرسي و آخر البقرة و شهد الله و نحوها جهراً لابس به والافضل الاختفاء كذا في القنيه“ ایک امام

کا معمول یہ ہو کہ وہ صبح اپنی جماعت (والوں) کے ساتھ مل کر آیت الکرسی اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات اور شہد اللہ..... اور اس طرح کی اور آیات جہراً پڑھتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ افضل اخفاء ہی ہے (عالمگیری، ج ۵، ص ۳۱۷)۔

یہاں امام کے معمول کو بتایا جا رہا ہے کہ امام مسجد میں جب صبح کی نماز سے فارغ ہو جائے تو اپنی جماعت کے ساتھ بلند آواز میں تسبیح و تہلیل کر سکتا ہے صبح کی نماز کی قید غالباً اس لئے لگائی کہ اس وقت بعض علماء کا یہ معمول ہوگا کہ وہ نماز کے بعد مل کر بلند آواز کے ساتھ ذکر و تلاوت کرتے ہوں گے یا اس لئے لگائی کہ صبح کی نماز کے بعد چونکہ سنت و نفل نمازیں نہیں ہوتیں لہذا کسی کی نماز وغیرہ میں خلل نہیں پڑتا نیز صبح کا وقت نیند کا وقت ہوتا ہے چپکے چپکے اور خفی ذکر میں نیند آنے لگتی ہے اس لئے اس وقت بلند آواز کے ساتھ ذکر کا معمول رکھا ہوگا (واللہ اعلم)۔

بہر حال اتنی بات ان عبارتوں سے معلوم ہوگئی کہ مسجد میں بلند آواز کے ساتھ اجتماعی ذکر فتاویٰ عالمگیری کی رو سے جائز ہے۔

## علامہ کردریؒ اور ذکرِ جہر:

علامہ حافظ الدین محمد کردریؒ فتاویٰ بزاز یہ میں لکھتے ہیں کہ:

وفی فتاوی القاضی رفع الصوت بالذکر حرام وقد صحَّ عن ابن مسعود أنَّه سمع قومًا اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علیہ الصلوٰۃ والسلام جہراً فراح الیہم فقال ما عہدنا ذالک علی عہدہ علیہ السلام وما أراکم إلا مبتدعین فما زال یذکر ذالک حتّٰی اخرجہم عن المسجد فان قلت المذکور فی الفتاوی ان الذکر بال الجہر ولو فی المسجد لا یمنع احترازاً عن الدخول تحت قولہ تعالیٰ ”ومن اظلم ممن منع مسجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ“ وصنع ابن مسعود رضی اللہ عنہ یمنع من یخالف قولکم قلت الاخراج عن المسجد لو نسب الیہ بطریق الحقیقۃ یجوز ان یکون لا اعتقادہم بالعبادۃ فیہ ولتعلیم الناس بانہ بدعۃ والفعل الجائز یجوز ان یکون غیر جائز لغرض یلحقہ فکذا غیر الجائز یجوز ان یجوز غرض کما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا فضل تعلیمًا للجواز و فی الاعراف فی قولہ تعالیٰ ”ادعوا ربکم تضرعاً وخفیہ“ ای اعبدوہ وارفعوا

حوائجکم والضراۃ الذلۃ والخفیۃ ان لا یدخلہ الریانہ لا یحبُّ المعتقدین ای المشرکین الذین یدعون غیر اللہ تعالیٰ وماروی فی الصحیح انہ علیہ السلام قال لرافعی اصواتہم بالتکبیر اربعو علی انفسکم ”انکم لاتدعون اصمًا ولا غائبًا انکم تدعون سمیعًا قریبًا انہ معکم الحدیث یمثل انہ لم یکن فی الرفع مصلحۃ فقد روی انہ کان فی غزوۃ ولعل رفع الصوت یجوز بل اءل والحرب خدعۃ ولہذا نہی عن الجرس فی المغازی و امارفیع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبۃ والحج والاختلاف فی عدد تکبیر التشریق جہراً لا یدل علی ان الجہر بہ بدعۃ لان الخلاف بناء علی ان کونہ سنۃ زائدۃ علی اصل الفعل فی کم صلاۃ کما اختلفو فی ان سنۃ الاربع من الظهر بتسلیمۃ اولی أم بتسلمتین و ذالک لا یدل علی انها لو بتسلمتین یکون بدعۃ او حراماً“ یعنی فتاوی قاضی خان میں ہے کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر حرام ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک قوم کے متعلق سنا کہ وہ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں اور بلند آواز کے ساتھ کلمہ اور درود شریف پڑھتے ہیں تو وہ ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ نہ تھا اور میں تمہیں بدعتی لوگ خیال کرتا ہوں انہوں نے بار بار یہی کہا تھی کہ ان لوگوں کو مسجد سے نکال دیا (اس کے بعد علامہ کردریؒ سوال و جواب کا سلسلہ شروع کر کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) اگر تم یہ کہو کہ فتاویٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی شخص کو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے نہ روکا جائے تاکہ روکنے والا ”ومن اظلم ممن منع... الا یہ: اور اس سے بڑھکر ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے نام سے روکے، کی وعید میں نہ آجائے اور حضرت ابن مسعودؓ کا ان لوگوں کا نکالنا تو تمہارے قول کے مخالف ہے۔ تو میں جواب میں کہتا ہوں: کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ان لوگوں کو نکالنا اگر ثابت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس جہر (کی صفت) کو عبادت سمجھ لیا تھا (یعنی یہ کہ صرف ذکر جہری ہی عبادت ہے) یہ بات تھی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ یہ (اعتقاد) بدعت ہے اور یہ ممکن ہے کہ جائز

۱۔ عالمگیری کے حاشیہ پر بزاز یہ کی جو عبارت ہے وہ یوں ہے۔ ”ولعل الصوت فی نحو دبلاد الحرب خدعۃ“ لیکن یہ عبارت غلط ہے کاتب سے غلطی ہوگئی اسلئے اسکی تصحیح شامی سے کردی گئی ہے (جلد ۵، ۲۵۵)۔

۲۔ یاد رہے یہ روایت بہت ضعیف ہے اس لئے علامہ کردریؒ نے یوں فرمایا کہ اگر یہ روایت ثابت ہے تو.....



کام کسی خارجی سبب سے ناجائز ہو جائے جس طرح ناجائز کام کسی خارجی سبب سے جائز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا بیان جواز کیلئے افضل امور کو ترک کرنا، اور سورۃ اعراف میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ادعو اربکم تضرعاً وخفیة: اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اپنی حاجتیں اسی سے مانگا کرو“۔ تضرع کے معنی عاجزی اور خفیہ کا مطلب ہے کہ اس میں ریاء کا دخل نہ ہو، ”لا یحب المعتدین“ میں معتدین سے مراد مشرکین ہے اور وہ حدیث صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بلند آواز تکبیر کہنے والوں سے فرمایا اپنے ساتھ نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے تم تو سب سے قریب کو پکارتے ہو (الحديث) (تو یہاں منع کرنے کی وجہ) یہ ہوگی کہ یہاں جہر میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ یہ معاملہ کسی غزوہ اور جنگ کے موقع میں پیش آیا تھا اور ایسی حالت میں جہر کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے اور جنگ تو ایک دھوکہ (دشمن کو دھوکہ دہی سے لڑی جاتی ہے) ہے۔ اسی وجہ سے غزوات میں گھنٹی سے منع کیا گیا ہے (یعنی ایسے مواقع میں جانوروں کے گلوں میں گھنٹی ڈالنا بھی منع کیا گیا ہے) بہر حال ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا جائز ہے جس طرح اذان، خطبہ اور حج میں ہوتا ہے اور تکبیرات تشریق جہراً پڑھنے میں عدد کا جو اختلاف ہے وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کو جہراً پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ نماز کے اصل فعل پر تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے جیسا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی چار سنتیں ایک سلام سے اولیٰ ہیں یا دو سلاموں سے اور یہ اختلاف اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ سنتیں دو سلاموں سے پڑھی جائیں تو وہ بدعت یا حرام ہیں (فتاویٰ بزاز علی ہامش عالمگیری، جلد ۶، ص ۳۷۸ تا ۳۷۹)۔

علامہ کردریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر کا جواب دیا کہ شاید وہ ذکر کی عبادت کو جہر ہی میں منحصر سمجھتے تھے اور حدیث ”اربعو“ کا جواب دیا کہ وہاں جہر مصلحت کے خلاف تھا، قرآن کریم کی آیت ”ادعو اربکم تضرعاً وخفیة“ کا جواب دیا کہ خفیہ کا مطلب بے ریاء عبادت ہے اسی طرح جوابات دیکر ذکر بالجہر کو صرف اس وقت منع کیا کہ کوئی اس کو یعنی ذکر اور تلاوت کو جہر ہی میں منحصر سمجھے اور جہر ہی کو عبادت خیال کرے نیز ایسی حالت میں بھی ذکر جہر سے روکا جائیگا جبکہ ذکر جہر مصلحت کے خلاف ہو مثلاً جنگ کے موقع پر یا یہ کہ جہر سے کسی کی نماز وغیرہ میں خلل آ جاتا ہو۔

## علامہ ابن عابدینؒ کے نزدیک ذکر جہر:

اسی مسئلہ کو محقق علامہ ابن عابدینؒ نے بھی بیان کیا ہے اور علامہ کردریؒ کی عبارت کو نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ:

وقد حرّر المسئلة فی الخیرية ۱ وحمل ما فی فتاوی القاضی علی الجهر المضر وقال ان هناک احادیث اقتضت طلب الجهر واحادیث طلب الاسرار والجمع بینہما بان ذالک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال فالاسرار افضل حیث خیف الریاء وتادى المصلین او النیام والجهر ۲ افضل حیث خلّا مآذکر لانه اکثر عملاً ولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع همه الی الفکر ویصرف سمعه ویطرّد النوم ویزید النشاط: اور اس مسئلہ کو (علامہ خیر الدین رملیؒ نے بھی) فتاویٰ خیر یہ میں تحریر کیا ہے اور فتاویٰ قاضیخان میں جس ذکر جہر کو حرام کہا گیا ہے۔ اس کو (انہوں نے) جہر مضر (یعنی ضرر دہ جہر) پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن میں ذکر جہر کی ترغیب ہے اور ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن میں سرّی ذکر کی ترغیب ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ جہر اور سرّی اختلاف اشخاص اور اوقات سے مختلف ہوتا ہے لہذا جب ریاء کا اندیشہ ہو یا نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کی نیند میں خلل پڑ جانے کا خوف ہو تو سرّی افضل ہے اور جب یہ خوف نہ ہو تو جہر افضل ہے۔ کیونکہ اس جہر کا فائدہ سامعین (سننے والوں کو) پہنچتا ہے اور یہ (جہری ذکر) ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے تو اس طریقہ سے وہ اپنی دل جمعی سے فکر کرے گا اپنا کان اس کی طرف لگا دے گا اور نیند کو دور کرتا ہے اور نشاط اور سرور پیدا کرتا ہے ۳ (رد المحتار ج ۵، ص ۲۵۵)۔

علامہ خیر الدین رملیؒ اور علامہ ابن عابدینؒ کی نقل کردہ اس عبارت سے بالکل یہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک بھی شرائط کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ ذکر نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات و اشخاص کے اعتبار سے افضل ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف بھی تیز جہر اور زیادہ بلند آواز میں ہے یا بالفاظ دیگر جہر کامل میں ہے کہ جہر کامل ضرر کا سبب نہ بن جائے تو بعض محققین علماء کے نزدیک یہ جائز ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے بھی واضح ہے کہ

۱۔ فتاویٰ خیر یہ علامہ خیر الدین رملیؒ کی کتاب ہے اور یہ علامہ ”صالحی“ صاحب درمختار کے استاد ہیں۔

۲۔ اور فتاویٰ خیر یہ میں یوں ہے کہ ”والجهر ذکر بعض اهل العلم انه افضل“ اور جہری ذکر کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ افضل ہے (فتاویٰ خیر یہ علی ہامش تنقیح الجامد یہ، جلد ۲، ص ۲۸۱)۔

۳۔ نیز دیکھئے فتاویٰ خیر یہ علی ہامش تنقیح الجامد یہ، جلد ۲، ص ۲۸۱۔

محقق علامہ آلوسی حنفیؒ کے نزدیک ذکر جہری:

محقق علامہ آلوسی حنفی ”ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة“ کے تحت بحث کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

وَفَصَّلَ آخَرُونَ فَقَالُوا الْإِخْفَاءُ أَفْضَلُ عِنْدَ خَوْفِ الرِّبَاءِ وَالْإِظْهَارُ أَفْضَلُ عِنْدَ عَدَمِ خَوْفِهِ وَأَوَّلَىٰ مِنْهُ الْقَوْلُ بِتَقْدِيمِ الْإِخْفَاءِ عَلَى الْجَهْرِ فِيمَا إِذَا خِيفَ الرِّبَاءُ أَوْ كَانَ فِي الْجَهْرِ تَشْوِيشٌ عَلَى نَحْوِ مَصْلَى أَوْ نَائِمٍ أَوْ قَارِئٍ أَوْ مُشْتَغَلٍ بِعِلْمٍ شَرْعِيٍّ وَبِتَقْدِيمِ الْجَهْرِ عَلَى الْإِخْفَاءِ فِيمَا إِذَا خَلَا عَنْ ذَلِكَ وَكَانَ فِيهِ قَصْدُ تَعْلِيمِ الْجَاهِلِ أَوْ نَحْوِ إِزَالَةِ الْوَحْشَةِ عَنْ مُسْتَوْحَشٍ أَوْ طَرْدِ نَحْوِ نَعَاسٍ أَوْ كَسَلٍ عَنِ الدَّاعِي نَفْسَهُ أَوْ إِدْخَالَ سُرُورٍ عَلَى قَلْبٍ مُؤْمِنٍ أَوْ تَنْفِيرِ مُبْتَدِعٍ عَنْ بَدْعَةٍ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ : أَوْ دَوْرَ عُلَمَاءَ نَفْتِيلِ كِي هِي اُور كها هِي كہ چيكي چيكي (ذکر و دعا کرنا) اس حالت ميں افضل هے جبکہ رياء کا خوف هو اور اظہار (يعني جہري ذکر) اس وقت افضل هے جبکہ رياء کا انديشہ نہ هو اور اس سے اولیٰ اور بہتر قول يہ هے کہ (يوں کہا جائے کہ) اخفاء جہر پراس وقت مقدم هے جبکہ رياء کا انديشہ هو يا جہر کرنے کی وجہ سے نمازی، سونے والے يا تلاوت کرنے والے يا شرعی علم ميں مشغول ہونے والے کو تشویش ہوتی هے۔ اور جہر اخفاء پراس وقت مقدم هوگا جبکہ وہ ان سے خالی هو اور اس ميں کسی جاہل کی تعليم يا کسی گھبرائے ہوئے شخص کی وحشت اور گھبراہٹ کو يا کسی اونگھنے والے کی اونگھ کو دور کرنا مقصود هو يا دعا کرنے والے کو اپنے نفس سے سستی دور کرنا مقصود هو۔ يا کسی مومن کے دل کو مسرور اور خوشی پہنچانے يا کسی بدعتی کو اس کی بدعت سے باز رکھنا يا اس جیسی کوئی اور موجد موجود هو (تو پھر جہر اخفاء پر مقدم هے) (روح المعانی، جلد ۸، ص ۱۴۰)۔

نیز حضرت علامہ آلوسیؒ، علامہ نوویؒ کے حوالہ سے دوسرے مذاہب کو بھی اس سلسلے میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

والَّذِي نَصَّ عَلَيْهِ الامامُ النُّوويُّ فِي فتاويهِ انَّ الجهرَ بالذِّكْرِ حيثُ لا محذورَ شرعيًّا مشروعَ مندوب اليه بل هو افضلُ من الاخفاء في مذهب الامام الشافعي وهو ظاهرُ مذهب الامام احمد وَاحد الروايتين عن الامام مالك بن قنبل الحافظ ابن حجر في فتح الباري وهو قول قاضيخان في فتاويهِ في ترجمة مسائل كيفية القراءة وقوله في باب غسل الميت يكره رفع الصوت بالذِّكْرِ فالظاهر انه لمن يمشي مع الجنائز كما هو مذهب

اس کا فائدہ سامعین کو پہنچتا ہے اور ذکر جہری دل کو بیدار کرتا ہے اور اس سے فکر میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ شیطانی وساوس اور افکار کو زیادہ تیز جہری دور کر سکتا ہے نہ کہ معمولی یا معتدل جہر۔ البتہ بعض محققین علماء جہر مفراط اور جہر شدید کے قائل نہیں، وہ فرماتے ہیں جب حاجت نہ ہو یعنی کوئی مصلحت! تیز جہر میں نہ ہو تو بلا ضرورت جہر شدید صحیح نہیں۔

میری مراد جبر شدید سے وہ جبر ہے کہ جو مضرنہ ہو یعنی وہ کسی کو ضرر نہ دے اور حد و شریعہ کے اندر ہو چنانچہ اگر جبر شدید مضربن جائے تو اس کے ناجائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

امام ابن حجر کی شافعیؒ کے نزدیک مجالس ذکر اور ذکرِ جہری:

امام ابن حجر مکی شافعی صوفیاء کرام کے اور ادواذکار اور مجلس ذکر کے متعلق کچھ دلائل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

واذا ثبت ان لما يعتاده الصوفية من اجتماعهم على الاذكار والاوراد بعد الصبح وغيره اصلا صحيحا من السنة وهو ما ذكرنا فلا اعتراض عليهم في ذلك ثم ان كان هناك مما يتأذى بجهرهم كمصل او نائم ندب لهم الاسرار: اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ صوفیاء کا جو نماز فجر وغیرہ کے بعد جمع ہو کر ذکر و اوراد (جہر کے ساتھ) کرنے کا معمول ہے اس کی اصل سنت صحیحہ سے ثابت ہے اور وہ وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے لہذا ان کے اس طرح ذکر کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ پھر اگر وہاں ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے تکلیف ہوتی ہے مثلاً نماز پڑھنے یا سونے والے (کی نماز اور نیند میں خلل آ جاتا ہے) تو پھر ان کیلئے مستحب یہی ہے کہ آہستہ ذکر کریں۔ (دیکھئے مفصل و مدلل حوالہ فتاویٰ حدیثیہ، ص ۶۵)۔

علامہ ابن حجر اہمیتی شافعیؒ کی رائے میں مساجد میں ذکرِ جہری کی مجالس:

## فتاویٰ کبریٰ میں ہے کہ؛

(وسئل) رضى الله عنه عما اعتاده الصوفية من عقد حلق الذكر والجهر به فى المساجد هل فيه كراهة (فاجاب) بقوله لا كراهة: مجہدوں میں ذکر کے حلقوں اور جہری ذکر کا صوفیاء کرام کے ہاں معمول ہے۔ اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا۔ کہ کیا اس میں کوئی کراہت ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا نہیں۔

اسکے بعد انہوں نے اپنے اس جواب کو خوب مدلل کیا ہے۔ (دیکھئے الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر اہمیتی الشافعی)۔

۱۔ مثلاً اذان، تبلیغہ یا وسوسہ کو دور کرنے اور سوچ کو مجتمع کرنے یا اس طرح کی کوئی اور مصلحت پیش نظر نہ ہو۔



الشافعية لا مطلقاً: اور جس پر امام نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شرعی مانع نہ ہو تو امام شافعیؒ کے مذہب میں جہری ذکر نہ صرف جائز و مستحسن ہے بلکہ چپکے چپکے ذکر سے افضل ہے اور یہی امام احمد کا ظاہر مذہب ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام مالکؒ کی بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے (کہ ان کے نزدیک بھی سری سے جہری افضل ہے) اور قاضی خان نے بھی اپنے فتاویٰ کے مسائل قراءت کے بیان میں یہی قول اختیار کیا ہے اور انہوں نے جو باب غسل میت میں یہ کہا ہے کہ ذکر جہر مکروہ ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ان کا یہ قول صرف جنازہ کے ساتھ ذکر کرنے کے متعلق ہے جیسا کہ شافعیہ کا مسلک ہے اور انہوں نے مطلقاً جہری ذکر سے منع نہیں کیا ہے (روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۲۲)۔

حضرت علامہ آلوسیؒ نے اس کے بعد ذکر جہر پر آخر تک بہت مفصل بحث کی ہے اور امور جہر کو بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جہر و اخفاء میں سے کوئی صورت افضل ہے۔ جہر یا اخفاء؛ اس میں علماء کا اختلاف بھی اور اشارۃً اپنے رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ ان کے نزدیک اگر جہری دعائیں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر جہری دعا کے بجائے خفی دعا افضل ہے۔

**علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفیؒ کے نزدیک ذکر جہری کی مجالس:**  
علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

وَنَصَّ الشَّعْرَانِي فِي ذِكْرِ الذَّاكِرِ لِلْمَذْكُورِ وَالشَّاكِرِ لِلْمَشْكُورِ مَالْفِظِهِ  
وَاجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَخَلْفًا عَلَى اسْتِحْبَابِ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى جَمَاعَةً فِي  
الْمَسَاجِدِ وَغَيْرِهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ إِلَّا أَنْ يَشُوشَ جَهْرُهُمْ بِالذِّكْرِ عَلَى نَائِمٍ وَ  
مَصَلٍّ أَوْ قَارِي قرآنٍ كَمَا هُوَ مَقْرَرٌ فِي كِتَابِ الْفَقْهِ: أَوْرَامُ شَعْرَانِيؒ نے (اپنی  
کتاب) ”ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور“ میں یہ تصریح فرمائی ہے  
کہ متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مسجدوں وغیرہ میں بغیر کسی نکیر کے  
جماعتی شکل میں ذکر کرنا مستحب ہے۔ مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی اور  
تلاوت کرنے والے کو تشویش ہوتی ہو (تو پھر جہر درست نہیں ہے)۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں  
میں مذکور ہے (طحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۷۷، فصل صفة الاذکار)۔

تقریباً اسی طرح کی عبارت علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی نقل کی ہے (دیکھئے رد المحتار، جلد ۲، ص ۴۴۲ مطلب فی  
۱ ذکر کی کوئی صفت افضل ہے اس پر انشاء اللہ بحث کی جائیگی (تفصیل کیلئے دیکھئے روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۲۲ تا ۱۲۳)۔

رفع الصوت بالذکر) یاد رہے کہ علامہ شعرانیؒ جو اجماعی قول نقل کرتے ہیں وہ جہر مفطر اور جہر شدید کے متعلق نہیں  
بلکہ یہ جہر معتدل اور اس جہر کے متعلق ہے جو کہ جہر شدید (جیسا کہ اذان وغیرہ میں ہوتا ہے) اس سے کم ہو ورنہ  
جہر مفطر میں تو اختلاف موجود ہے، جیسا کہ پہلے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس پر  
بحث آ رہی ہے۔

**حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ذکر جہر:**

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جو کہ مسلک دیوبند کے اکابرین میں سے ہیں بلکہ دیوبند کے مسلک کی  
بنیاد انہی کو سمجھا جاتا ہے وہ اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:  
امام صاحبؒ نے جہر کو بدعت اس موقع پر فرمایا ہے جہاں ذکر کا موقع ہے وہاں جہر ثابت  
نہیں جیسا کہ عید الفطر کی نماز کو جاتے ہیں مطلقاً ذکر جہر کو منع نہیں فرمایا، ذکر ہر طرح درست  
ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ، ۵۹۵)۔

**اکابر علماء دیوبند کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجالس:**

صوفیا کرام جو بعد نماز مغرب مساجد میں حلقہ کرتے ہیں کو دتے چلاتے اور ”ھو حق“ کرتے  
ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شور و غل پڑ جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟  
تو حضرت نے جواب دیا:

(جواب) بعض علماء نے مسجد میں رفع صوت کو اگرچہ بذکر ھو مکروہ لکھا ہے لہذا مسجد میں اسکا  
نہ ہونا مستحسن ہے، خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشا گاہ عوام ہو جاوے یا مسجد کا نقصان ہو  
اگرچہ ذکر جہر یا بکا اور نالہ مسجد میں جائز بھی ہو فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۳۰ تا ۵۳۱)۔

سوال میں جو صورت لکھی ہے وہ آپ کے سامنے ہے کہ کو دتے ہیں چلاتے ہیں جس کے تماشے میں لوگ جمع ہو  
جاتے ہیں اور شور و غل ہو جاتا ہے اور جواب میں حضرت گنگوہیؒ نے ”رفع الصوت“، یعنی بلند آواز کے متعلق  
فرمایا کہ یہ بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے یعنی ”چلانا“، جو کہ جہر مفطر ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد میں  
مکروہ ہے یا بلا کراہت جائز ہے تو حضرت نے مذکورہ صورت جبکہ اس میں چلانے کے ساتھ کو دنا وغیرہ بھی شامل  
ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں، کہ جبکہ ”رفع الصوت“، یعنی بلند آواز میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد  
میں ہونی چاہئے یا کہ نہیں تو جب اسی کے ساتھ دوسری برائیاں بھی شامل ہو جائیں۔ تو اس کے غیر مستحسن یا ناجائز  
ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے اور اس فتوے میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا اختلاف اس جہر  
شدید و جہر مفطر میں ہے جو کہ بلا ضرورت ہو ورنہ حضرت گنگوہیؒ یوں کہتے کہ چلانا تو جہر مفطر ہے یہ تو بالاتفاق

مکروہ ہے اور پھر مسجد میں مکروہ پر مکروہ ہے اور جب اس کے ساتھ کوئی وغیرہ بھی شامل ہو جائے پھر تو بالاتفاق حرام ہو جائے گا۔ لیکن ان کے فتویٰ کو خوب غور سے پڑھیں تو اس میں کوئی ایسا لفظ آپ کو نظر نہیں آئے گا بلکہ یہاں چلائے کو جبکہ اس میں کوئی نا بھی شامل ہو جائے غیر مستحسن امر قرار دیا۔ واللہ اعلم۔

## بہتان اور جھوٹے پروپیگنڈے:

بعض لوگ جب بھی بعض صوفیاء کے متعلق ایسے فتویٰ کو دیکھتے ہیں کہ ان کی نازیبا حرکت پر کسی عالم یا فقیہ نے تنقید فرمائی ہے تو وہ جب کسی سے سنتے ہیں کہ فلاں جگہ مسجد یا خانقاہ میں لوگ آ کر جہر ذکر کرتے ہیں تو وہ ان پر فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے خلاف جھوٹ اور بہتان باندھ کر یوں کہتے ہیں کہ وہ کودتے ہیں، چھلانگیں لگاتے ہیں ایک دوسرے کے گریبانوں اور اپنے گریبانوں کو پھاڑتے ہیں وغیرہ تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کی سزا سے ڈرنا چاہئے کہ بن دیکھے سنی سنائی باتوں پر کسی کے متعلق ایسی رائے قائم کرتے ہیں اور پھر لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ بات اور پروپیگنڈہ خالص جھوٹ اور بہتان ہوتا ہے، اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے اور جو لوگ بغیر کسی تحقیق کے کسی کی بات دوسروں میں پھیلاتے ہیں وہ بھی جھوٹ پھیلانے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا..... (الایۃ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو) (الحجرات، ۶) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ: کفّی بالمرء کذباً ان یحدث بكل ماسمع: آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو (بلا تحقیق کے) بیان کرتا ہے۔

ایک اور موقع پر ایک مرید نے حضرت گنگوہیؒ سے سوال کیا کہ:

ذکر جہر میں ضرب ’اللہ‘ کس قدر جہر سے قلب پر لگانی چاہئے؟ کیا ایسی شدت ہو کہ آواز بیٹھ جاوے۔ جواب میں فرمایا: ایسی شدت کی ضرورت نہیں ہاں شدت تو ہو لیکن اپنے کو ایذا نہ پہنچائے۔

ایک اور مرید حضرت گنگوہیؒ سے پوچھتے ہیں کہ:

ذکر سے یہ بات دل میں پیدا ہوتی ہے کہ اب تجھ کو ہر شخص عابد، زاہد جانے گا، اس ریاء کے دفع کی کیا تدبیر ہے؟ آج کل آواز بیٹھ گئی ہے اگر حکم ہو تو آہستہ شروع کروں جبکہ آواز سے نفع ہوگا پھر جہر ہی کروں گا۔ جواب میں فرمایا: ذکر جہر سے ریاء پیدا ہوتی ہے تو اس کے واسطے لاحول..... پڑھا کریں مگر اس کیلئے ترک جہر مناسب نہیں البتہ عذر مرض کی وجہ سے تا زوال مرض ترک رکھنا اور اخفاء پر اکتفا کرنا مناسب ہے (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۹۵)۔

حضرت گنگوہیؒ کا یہ مطلب نہیں کہ خفی ذکر کرے ہی نہیں بلکہ اُن کا مطلب اذکار چشتیہ کی بارہ (۱۲) تسبیح ہیں جن کو

روزانہ صرف ایک بار جہر اُڑھنے کا حکم فرمایا ہوگا اور شاید مرید کو وسوسے کے پیش نظر ضرورت زیادہ ہوگی اس لئے جہر مفطر کا حکم فرمایا اس لئے تو اس کی آواز بیٹھ گئی تھی اور ضرورت اور حاجت کے وقت ذکر شدید اور بلند آواز میں علماء کا اختلاف نہیں بلکہ اختلاف بلا ضرورت اور بغیر کسی حاجت کے جہر شدید میں ہے اور جہر مفطر جس میں خود انسان کو ایذا ہو یا دوسروں کو ایذا اور تکلیف ہو وہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دیوبندیؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

مسجد کے اندر حلقہ ذکر منعقد کرنا مباح ہے بشرطیکہ کسی نمازی کی نماز میں یا کسی سونے والے کی نیند میں خلل انداز نہ ہو اور ذکر بھی زیادہ شور و شغب اور افعال مکروہہ پر مشتمل نہ ہو (کفایت المفتی، جلد ۳، ص ۱۶۴)۔

زیادہ شور و شغب سے مراد یہی مفطر ذکر اور چلا نا ہے اس لئے زیادہ کی قید لگائی یعنی ذکر میں آواز تو ہوتی ہے جس سے گونج بھی پیدا ہوتی ہے لیکن زیادہ چیخ چیخ کر ذکر نہیں کرنا چاہئے اور افعال مکروہہ وہی کوئی نا اور چھلانگیں لگانا وغیرہ ہیں۔ خیر المدارس کے دارالافتاء سے کسی سائل نے چند سوالات کئے ہیں کہ:

بلند آواز سے ذکر کیسا ہے اور جہر کتنا اونچا ہونا چاہئے، لائٹ بند کر کے حلقہ باندھ کر ذکر جائز ہے یا کہ نہیں؟ سلاسل اربعہ کے اذکار کے متعلق پوچھا کہ جائز ہیں کہ نہیں، تو ان سوالات کا جواب سائل کو یوں ملا ہے۔

(الجواب)

(۲-۱) ذکر جہر ہر طور پر جائز ہے کسی کو کسی طور سے منع نہیں کرنا چاہئے، ذکر کسی ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلّٰہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجمع میں حلقہ باندھ کر یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر غرضیکہ کوئی ہیئت ہو جائز ہے اس کے بعد مفتی صاحب نے چند حدیثیں وغیرہ پیش کی ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں کہ البتہ اس بات کا خیال ضرور رہے کہ یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی نائم یا نمازی کو اذیت نہ ہو اور جہر نہایت مفطر نہ ہو۔ اس کے بعد مفتی صاحب ادنیٰ جہر اور اعلیٰ جہر کے مراتب بیان فرماتے ہیں کہ: وادنیٰ الجہر اسماع غیوہ من لیس بقریہ: ذکر جہر ادنیٰ کی حد تو متعین ہے وہ یہ کہ ساتھ والوں کے علاوہ دوسرے بھی سن سکیں (کمانی الشامیہ، جلد ۱، ص ۴۹۹)، واعلاہ لاحد لہ فافہم: لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں (شامی، جلد ۱، ص ۴۹۹) اپنے نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی شرط وہی ہے کہ کسی مصلیٰ و نائم کو تشویش نہ ہو کماترّح بہ الفقہاء۔

۱۔ یعنی انتہائی تیز آواز جس سے زیادہ آواز نکلنے کی قوت نہ رہے اس میں ایک تو مسجد کی بے ادبی ہے اور دوسری بات اپنی جان کو ضرورت سے زیادہ تکلیف دینا ہے۔



(۳) سلاسل اربعہ حق ہیں۔

(۴) جائز ہے بشرطیکہ نہ کرنے والوں پر نکیر نہ کی جائے اور اس کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جاتا ہو۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ۔ الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۱۳۸۷-۰۴-۲۳ھ

اس فتویٰ کے اوپر حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ جو کہ اکابر دیوبند میں سے ایک عظیم شخصیت گذری ہیں کی تصدیق موجود ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے خیر الفتاویٰ، جلد ۱، ص ۳۴۹)۔

## جہر کی حد کیا ہے؟

نیز یہاں یہ بات یاد رہے کہ ادنیٰ جہر کے معنی میں بہت اختلاف ہے کہ کم از کم جہر کی حد کیا ہے، فقہائے کرام اس کیلئے جو حد متعین فرماتے ہیں یہ اسلئے نہیں کہ گویا وہ اس سے زیادہ جہر کے قائل نہیں بلکہ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اس پر جہری اور سہری نمازوں کا اور طلاق عتاق اور سجدہ تلاوت وغیرہ کے احکام مرتب ہوتے ہیں مثلاً جہری نماز میں اگر کسی نے جہر کیا تو ادنیٰ جہر کی مقدار کیا ہے جس سے نماز صحیح ہو جائے اور خفی ذکر و تلاوت کی حد کیا ہے کہ اس سے سہری نمازوں میں قراءت صحیح ہو جائے۔ غرض وہ جہر اور خفی کی حد جو متعین کرتے ہیں وہ اس لئے کہ واجب جہر جو نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے وہ کونسا جہر ہے تو اس میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں اس مسئلہ پر علامہ ابن عابدینؒ نے تحقیق کی ہے۔ اور فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے اور بعض کے متعلق فرمایا کہ ان سے اس تعریف میں سہو ہو گیا اور بالآخر وہ جس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں اس کے متعلق لکھتے ہیں:

فقد ظهر بهذا ان ادنى المخافة اسماع نفسه او من يقربه من رجل اور

رجلين واعلاها مجرد تصحيح الحروف. وادنى الجهر اسماع غيره ممن

ليس بقربه كاهل الصف الاول واعلاها لاحدله: پس اس بحث سے یہ بات

ظاہر ہوئی کہ اخفاء کی ادنیٰ حد (جس حد کے ساتھ سہری نماز جیسے ظہر کی نماز صحیح ہوتی ہے وہ)

یہ ہے کہ (نمازی) خود اپنے نفس یا پاس والوں میں سے ایک یا دو کو سنا سکے۔ (یعنی اس

سے سہری نماز میں فرق نہیں آئے گا) اور اخفاء کی اعلیٰ حد (یعنی جس کے بعد سہری نماز بھی

صحیح نہیں ہو سکتی وہ) یہ ہے کہ صرف حروف کی تصحیح کریں (یعنی اگر کسی نے صرف دل ہی دل

میں قراءت کی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی) اور ادنیٰ جہر (جس کے بغیر جہری نماز جیسا کہ

مغرب کی نماز صحیح نہیں ہوتی وہ یہ کہ) جو خود کو بھی اور پاس والوں کے علاوہ دوسروں کو بھی سنا

سکے جیسا کہ صف اول کے لوگ اور اعلیٰ جہر کی کوئی حد نہیں (شامی، جلد ۱، ص ۳۵۹)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں کم از کم اتنا جہر تو ضروری ہے کہ قریب والوں کے علاوہ صف اول کے

۱ ذکر کی کسی صفت کو عبادت مقصودہ نہ سمجھے جیسا کہ اس کی وضاحت بار بار بندہ نے کی ہے۔

لوگ بھی سن سکیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر تمام صف اول والے اگرچہ صف ایک میل ہو تو پھر بھی جب تک وہ اس تمام صف والوں کو نہ سنائے تو ادنیٰ جہر نہ ہونے کی وجہ سے نماز نہ ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صف اول کے آس پاس کچھ لوگ سن لیں۔

علامہ ابن عابدینؒ اس پر بحث کر کے مسئلہ کو یوں بتلاتے ہیں کہ جہری نمازوں میں ادنیٰ جہر جو کہ ضروری اور واجب ہے اور جو کہ سہری نمازوں میں نہیں ہونا چاہیئے اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پاس والوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی سن سکیں اور جو اس حد تک نہ پہنچا ہو بلکہ اگر صرف بالکل پاس والے ایک دو آدمی بھی سن لیں تو وہ اخفاء میں داخل ہے جس سے جہری نمازیں مثلاً مغرب، عشاء وغیرہ صحیح نہیں ہو سکتی تو جہر اور سہری کی یہ جو تعریف علماء کرام کرتے ہیں اس کا تعلق نمازوں وغیرہ کے صحیح ہونے کے ساتھ ہے نہ کہ اس ذکر جہری کے ساتھ (جس پر نماز کی صحت اور عدم صحت کا مدانہ نہیں ہے) اس لئے علامہ ابن عابدینؒ ذکر جہری کے ساتھ وہ اعلیٰ اور ادنیٰ قرأت کی کوئی حد مقرر نہیں فرماتے کیونکہ کسی کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے اور کسی کی پست اس لئے حضرت مفتی صاحب نے بھی جواب میں جو فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اپنے نشاط پر موقوف ہے کہ جس قدر اونچی آواز سے نشاط اور سرور حاصل ہوتا ہے اتنا کریں اور ضرورت سے زیادہ نہ کریں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ: طریقہ شاذلیہ میں ذکر جلی بافراط لوگوں کو لے کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر حضرت تھانویؒ نے جہر (یعنی شدید اور بلند آواز جیسا کہ سوال اور طریقہ شاذلیہ اور کھڑے ہو کر تینوں باتوں سے اچھی طرح واضح ہے) کے جواز اور عدم جواز دونوں طرف کے دلائل کو ذکر کر کے جس نتیجے پر وہ خود پہنچے ہیں لکھتے ہیں کہ:

پس بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے

خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا

بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے (امداد الفتاویٰ، جلد ۵، ص ۱۵۱ تا ۱۵۴)۔

خیر الفتاویٰ میں حضرت مفتی عبدالستار صاحب زید مجدہم کا ایک فتویٰ موجود ہے وہ یہ کہ جب مستفتی نے مساجد میں اجتماعی اور انفرادی طور پر معتدل جہر کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے یوں جواب دیا:

(الجواب) قرآن حکیم اور احادیث مرفوعہ صحیحہ سے مجالس ذکر کا جواز بلکہ استحباب ثابت ہوتا ہے اس

کے بعد حضرت مفتی صاحب زید مجدہم نے قرآن و سنت اور حدیث کے کچھ دلائل لکھ

دیئے اور دلائل ممانعت کے مدلل جواب دیدیئے اور اس مضمون میں انہوں نے فقہاء اور

علماء کے اقوال بھی نقل کر کے آخر میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے فتویٰ کو نقل

کر کے لکھتے ہیں کہ:

بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ، جلد ۵، ص ۱۵۴)۔

ہاں حالات اور اشخاص کے اعتبار سے اس کی فضیلت میں اختلاف ہو سکتا ہے البتہ ذکر بالجہر میں شرط یہ ہے کہ بطور ریاء نہ ہو کسی نائم یا مصلیٰ کو اذیت نہ ہو بلا تجویز شیخ جہر مفراط نہ ہو پھر اس جہر مفراط اور اس کی بینات خاصہ کو قربت مقصودہ نہ سمجھے تارک پر تکبر نہ ہو۔ (دیکھئے خیر الفتاویٰ، جلد ۲، ص ۷۳ تا ۷۵)۔

اس فتویٰ پر حضرت مفتی محمد اسحاق صاحب، حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب اور حضرت مفتی محمد انور صاحب تینوں نے الجواب صحیح لکھا ہے۔ اس جواب میں غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اختلاف جہر شدید میں ہے اور جو حضرات شدید جہر یعنی زیادہ تیز آواز کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ بھی صرف اس وقت جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو اور وہ جہر شدید یعنی جس سے لوگوں کو یعنی نمازیوں وغیرہ کو تکلیف پہنچے وہ تو بالاتفاق ناجائز ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

پس ذکر جہر اس حد تک جائز ہے کہ اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور نہ خود اپنے آپ کو تعب ہو اور نہ ریاء کا خوف ہو اور اگر قصد ریاء نہ ہو محض وسوسہ ریاء کا ہو تو وہ ریاء نہیں ہے اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے خلاصہ یہ کہ ذکر جہر کیلئے حد یہ ہے کہ جس سے نہ اپنے کو ایذا ہو نہ دوسروں کو ایذا ہو اور اگر کسی نے ذکر جہر تو شروع کیا خدا کے اندر پھر بے اختیار بلا قصد کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے تجاوز من الحد ہو گیا تو اس شخص پر ملامت نہیں۔ ”فان الامور الغير الاختيارية خارجة عن التكليف كما لا يخفى“ (امداد الاحکام، جلد ۱، ص ۳۲۱)۔

اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے جہر میں افراط آئے اور حد سے تجاوز کر جائے پھر بھی مضا ثقہ نہیں۔ مسلک دیوبند کے ترجمان حضرت مولانا الیاس بانی تبلیغی جماعت، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ: ذکر باخفاء افضل ہے یا جہر اور حالت ذکر میں بعض مرتبہ وجد میں آ کر زانوں پر ہاتھ مارنا، تالی بجانا، کودنا، چلانا وغیرہ امور کا کیا حکم ہے؟

یعنی ذکر تو کار ثواب ہے لیکن جہر مفراط کی صورت اور اس کی ہیئت مثلاً کھڑے ہونا یا بیٹھنا یا حلقہ باندھنا یا سر بلانا وغیرہ کو بالذات عبادت نہ سمجھے بلکہ ذریعہ سمجھے۔

(الجواب) ذکر الہی خواہ بالاخفاء یا بالجہر ہو عبادت ہے اور اگرچہ ذکر خفی بوجہ مظنہ ریاء جہر سے افضل ہے لیکن اگر ذکر جہر خالی از ریاء و دیگر مفاسد مثل تاذی مصلین اور نائمین اور قارئین وغیرہ ہو تو بوجہ مشقت ذکر خفی سے افضل ہوتا ہے۔ اس کے بعد دلیل میں حضرت سہارنپوریؒ نے شامی سے ایک حوالہ نقل کیا، اور اس کے بعد فرماتے ہیں: ”اور بحالت ذکر اگرچہ وجد (یعنی شور و غل وغیرہ) ریاء سمعہ کے طور پر ہو تو مذموم اور حرام ہے اور بلا اختیار بلا ریاء اور بلا سمعہ کے ہو (تو) مضا ثقہ نہیں“ اس کے بعد دلیل میں حضرت نے علامہ ابن عابدینؒ کا ایک دوسرا حوالہ پیش کیا اور حضرت سہارنپوریؒ کے فتویٰ پر حضرت مفتی عنایت الہی، حضرت مفتی یحییٰ گنگوہیؒ، حضرت مفتی نور محمد اور حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ نے ”الجواب صحیح“ لکھا ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ خلیلیہ، ص ۳۲۷ تا ۳۲۹)۔

مذکورہ بالا فتویٰ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف جہر شدید میں ہے باقی وجد اور شور و غل اگر ریا کاری اور شہرت کی وجہ سے ہو تو پھر تو حرام ہے ورنہ اگر بلا اختیاری، بلا ریا کاری، وسمعہ کے ہو تو مضا ثقہ نہیں کے الفاظ کس قدر محتاط ہیں اور آج کل کے غیر محتاط فتاویٰ ملاحظہ کیجئے۔ اس کو خوف خدا کہتے ہیں کیونکہ ریا کاری اور شہرت پسندی کیلئے کوئی کام کرنے کی حرمت میں کسی کو اختلاف نہیں اور وہ تو یقینی حرام ہے لیکن یہ بات تو معلوم ہے کہ ریاء کاری اور شہرت پسندی کا تعلق دل اور نیت سے ہے اس لئے حضرت سہارنپوریؒ نے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا کہ اگر ریاء کی وجہ سے کرتا ہے تو حرام کرتا ہے اور اگر بلا اختیار یعنی بغیر ریاء اور شہرت پسندی کے کرتا ہے تو مضا ثقہ نہیں اور آج کل بے احتیاطی یہ ہے کہ جہاں ذکر جہر دیکھا تو اس کی نیت پر حملہ کر کے اور بغیر کسی قید و بند کے اس کے فعل کو حرام کہنے لگتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اس مسئلہ پر تحقیق کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

جس کسی نے ذکر جہر کو بدعت کہا ہے وہ بھی مطلق نہیں بلکہ خاص قسم کے التزامات کے ساتھ ہو تو وہ بدعت ہے۔ مطلق جہر بالذکر بدعت کہنے کا کوئی معنی نہیں جبکہ روایات صحیح میں اس کا جواز و استحسان ثابت ہے آگے چل کر حضرت مفتی صاحب افضل اور غیر افضل اور جہر مفراط کے متعلق فرماتے ہیں کہ: رہا افضل اور غیر افضل کا سوال سو وہ احوال و اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے کسی کیلئے جہر افضل ہے اور کسی کیلئے سر افضل اور کسی وقت جہر کسی وقت سر افضل ہے تعین اس کا عوام کو خود نہیں کرنا چاہئے کسی شیخ کامل سے کرنا چاہئے۔ بہر حال

۱۔ جہر مفراط عرفی امر ہے اس کا کوئی بیان نہ مقرر نہیں کیا جاسکتا عرف میں جس کو جہر مفراط سمجھا جائے وہ مفراط ہے اور جس کو متوسط سمجھا جائے وہ متوسط ہے اور مختار ہمارے مشائخ کا یہ ہے کہ جس کیلئے اس کا شیخ جس قدر جہر کو تجویز کرے اتنا جہر کرنا چاہئے جس سے قلب پر اثر پہنچ سکے اور دماغ پریشان نہ ہو اس سے زیادہ جہر فضول ہے البتہ کسی وقت غیر اختیاری ہو جائے تو اس میں مضا ثقہ نہیں۔



یہ امر قابل نظر ہے کہ اس کے جہر سے دوسروں کی نماز، تسبیح میں یا نیند میں خلل بغیر ان کی اجازت کے نہ آئے۔ (دیکھئے امداد المفتین، ص ۲۴۹ تا ۲۵۰)۔

## عصر حاضر کے جید علماء اور مفتیان کرام سے ذکرِ جہری کے متعلق سوال:

پاکستان کے جید علماء اور مفتیان کرام سے میرے چچا زاد بھائی صاحبزادہ زاہد زمان، کربو غہ شریف والے نے شرائط کے ساتھ ذکرِ جہری کے متعلق سوال پوچھا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔ اور مفتیان کرام نے جو جوابات دیئے ہیں ان کے چند اقتباسات بھی ذیل میں درج ہیں۔

### استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص لاؤڈ اسپیکر پر یہ کہتا ہے کہ ذکرِ جہر بدعت اور حرام ہے اور ذکرِ جہر کرنے والا بدعتی ہے، اور دوسرا شخص اس کے جواب میں کہتا ہے کہ مطلق ذکرِ جہر بدعت اور حرام نہیں بلکہ بہت سے محققین جن میں علماء دیوبند بھی شامل ہیں وہ سب ذکرِ جہر کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱) ریاء کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کے آرام میں خلل نہ ہو۔

(۳) چیخ و پکار کیے بغیر متوسط جہر کے ساتھ ذکر ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی بہت سے محققین جن میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا الیاس صاحب بانی تبلیغ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم شامل ہیں ان کے نزدیک ذکرِ جہر مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے؟

نیز آپ کے نزدیک ذکرِ جہری مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے یا حرام؟ اور ذکرِ جہر کر نیوالا یا اس کو جائز قرار دینے والا بدعتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اس کو بدعتی کہنے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا تو جروا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ المستفتی زاہد زمان

## دارالعلوم کراچی کا جواب:

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۲ نے اس سلسلے میں جو جواب دیا وہ یہ ہے۔

”مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکرِ بالجہر بدعت نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور ان شرائط کے ساتھ ذکرِ بالجہر کرنے والے کو بدعتی قرار دینے والا خود غلطی پر ہے اور راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے“..... واللہ اعلم بالصواب۔ محمد اسحاق سواتی عفا اللہ عنہ، دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۲، ۲۴/۱۲/۱۴۱۶ھ

مفتی محمد اسحاق صاحب کے جواب کو حضرت مفتی محمود اشرف صاحب، مفتی اصغر علی صاحب اور مفتی عبدالمنان صاحب نے صحیح اور درست قرار دیا۔ اور اسی طرح کا جواب دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۲ کے مفتی جناب اکرام اللہ بنوری صاحب نے بھی دیا ہے، جس پر حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کی تصدیق بھی موجود ہے اور یہ جواب ۱۴۱۵-۱۲-۲۹ھ کو لکھا گیا ہے۔

## دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ:

مذکورہ سوال کے جواب میں اکوڑہ خٹک کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ سے دو جواب آئے ایک جواب حضرت اقدس مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کا اور دوسرا حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتہم کا ہے دونوں کا جواب پڑھ لیجئے۔

حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کا جواب:

”ذکرِ جہر جب ایذا سے خالی ہو تو علامہ شامی نے امام عبدالواہاب شعرائی سے روایت کیا

ہے کہ یہ مستحب ہے“۔ محمد فرید عفی عنہ

حضرت مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتہم کا جواب:

”ذکرِ بالجہر جب کسی کیلئے یعنی نائم، مریض اور مصلیٰ وغیرہ کیلئے مضرنہ ہو تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے..... لہذا ذکرِ بالجہر غیر مضر کو حرام اور بدعت کہنے والا غلطی پر ہے“۔ ہوا لموفق کتبہ

سیف اللہ حقانی، مفتی دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

## جامعہ خیر المدارس کا فتویٰ:

پاکستان کے قدیم اور مشہور مدرسہ جامعہ خیر المدارس سے اس کا جواب یوں دیا گیا:

”عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ذکرِ بالجہر بلا اختلاف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہو جائیگا، مثلاً نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریاء کا خوف ہو تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہیئے“۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق، مفتی

جامعہ خیر المدارس، ۲۴/۱۲/۱۴۱۶ھ

حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب زید مجدہم کے اس جواب پر حضرت مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کی تصدیق موجود ہے۔

## دارالعلوم فیصل آباد کا جواب:

حضرت اقدس مولانا مفتی زین العابدین دامت برکاتہم کے مدرسہ دارالعلوم فیصل آباد کا اس سلسلہ میں

یہ جواب آیا:

”عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر ذکر ان مذکورہ شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا جائے تو جائز ہے تمام علماء کے نزدیک۔ (جو شرائط سوال میں درج ہیں) اگر ان شرائط سے ہٹ کر ہو تو پھر بدعت ہے“ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ مظہر اقبال، دارالافتاء، دارالعلوم فیصل آباد ۳۰ ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵-۰۵-۳۰

## مدرسہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد کا جواب:

مدرسہ عربیہ عبیدیہ کے مہتمم اور دارالعلوم فیصل آباد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا جاوید حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم نے اس کا جواب یوں دیا ہے:

مذکورہ شرائط کیساتھ ذکر جہری ہونے پر بلکہ مسجد میں اجتماعی ذکر کے مستحب ہونے پر علامہ شعرانیؒ نے اجماع نقل فرمایا ہے..... تو اسے بدعت کہنے والا فاسق ہے نیز اکابر علمائے دیوبند (جن کا ذکر استفتاء میں کیا گیا ہے) کے مسلک سے منحرف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ جاوید حسین عفا اللہ عنہ، (استاد الحدیث) دارالعلوم فیصل آباد

## جامعہ امداد العلوم پشاور:

جامعہ امداد العلوم پشاور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا الطاف الرحمن بنوی صاحب دامت برکاتہم نے اس سوال کا جواب یوں دیا کہ:

ذکر جہر غیر مفرط مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے بالخصوص جبکہ متوسلین کی مشق اور ترین کیلئے ہو، حوالہ جات مشہور و معروف ہیں۔ الطاف الرحمن، امداد العلوم پشاور۔

## صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت:

صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت حضرت شیخ الحدیث مفتی محمد امین اور کزنی صاحب دامت برکاتہم، جامعہ

یوسفیہ شاہووام والے، ان کا جواب مندرجہ ذیل ہے:

مندرجہ بالا تفصیل و شروط کے ساتھ ذکر بالجہر کو حرام یا بدعت کہہ دینے والا جاہل ہے یا مفسد و زانیع، حضرت امام ابوحنیفہؒ و دیگر اہل علم نے ایسے ذکر جہر کو مکروہ و بدعت قرار دیا ہے، جو صاحب شریعت سے بلا جہر ثابت ہو یعنی کسی موقع پر ذکر تو منقول ہو لیکن جہر منقول نہ ہوا ایسے موقع پر باعتبار قربت جہر کو مکروہ فرمایا جبکہ صاحبین اور دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک یہ جہر بھی بلا کراہت جائز ہے اور مفتیؒ یہ حنفیہ کے نزدیک یہی قول ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ محمد امین عفا اللہ عنہ، خادم جامعہ یوسفیہ، شاہووام۔

حضرت شیخ الحدیث اور کزنی دامت برکاتہم نے اس سلسلہ میں ایک اور جواب بھی دیا ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

بہر حال جو شخص ذکر جہری کو مطلقاً بدعت قرار دیتا ہے اور وہ بھی لاؤڈ سپیکر پر یقیناً خود مبتدع اور مفسد ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ محمد امین عفا اللہ عنہ، خادم جامعہ یوسفیہ، شاہووام، یکم ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ

یہاں جن حضرات کے جوابات نقل کئے گئے ہیں ان کے تمام تحریری جوابات کی اصل تحریرات عکس کی صورت میں نقل کی جا چکی ہیں۔ نیز الحمد للہ آج تک یہ سارے علماء و مفتیان عظام بھی زندہ ہیں ان سے براہ راست خود بھی پوچھا جاسکتا ہے۔ اس باب کے آخر میں مناسب یہ ہے کہ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اپنا عمل بھی پیش کیا جائے جو دعا کے بارے میں آپؒ سے منقول ہے۔

## حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مسجد میں جہری دعا:

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مسجد کے مؤذن کا بیان ہے کہ:

جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر نکل گئے تو امام صاحبؒ نے نماز شروع کی۔ پھر میں واپس آیا تو فجر طلوع ہونے کے قریب تھی میں نے دیکھا کہ آپؒ کھڑے ہوئے اپنی دائرہ کو پکڑ کر کہہ رہے ہیں: یَا مَنُ یَجْزِی بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ خَیْرٌ خَیْرًا وَ یَا مَنُ یَجْزِی بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ شَرٌّ شَرًّا أَجْزُ النِّعْمَانِ عَبْدُکَ مِنَ النَّارِ وَ مَا یَقْرُبُ مِنْهَا وَ اذْخُلْهُ سِعةً رَحْمَتِکَ: اے وہ ذات جو ذرہ برابر خیر کے بدلے خیر دیتا ہے اور ذرہ برابر شر کے بدلے شر (اور سزا) دیتا ہے۔ اپنے بندے نعمان کو جہنم کی آگ سے خلاصی نصیب فرما اور جو عمل اس آگ کو قریب کر نیوالا (اور پہنچانے والا) ہے اس (قول و فعل) سے بھی بچا اور اسے اپنی وسیع رحمت میں داخل فرما (عقود الجمان، ص ۲۲۵)۔



نیز قاضی صمیرؒ نے بکرؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک رات ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے رور کو رکوعا مانگ رہے ہیں کہ:

رَبِّ ارْحَمْنِي يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ وَفَنِي عَذَابَكَ وَاعْفِرْ لِي ذُنُوبِي يَوْمَ يَقُومُ  
الْأَشْهَادُ یعنی: اے میرے پروردگار مجھ پر رحم فرما اس دن جبکہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔  
اور مجھے اپنے عذاب سے بچا اور میری خطاؤں کو معاف فرما اس دن جبکہ گواہ کھڑے  
ہوں گے (عقود الجمان، ص ۲۲۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں جہری دعا اور ذکر جائز ہے۔ اور آپؒ کی یہ دعا جہری ہی تھی کیونکہ مؤذن اور قاضی صمیرؒ نے ان کی دعا کو سن بھی لیا تھا اور یاد بھی کیا تھا۔

## مذکورہ بالا عبارتوں کا خلاصہ:

مذکورہ بالا عبارتوں سے اختلاف کی نوعیت معلوم ہوئی نیز یہ کہ جب جہر معتدل ہو اس کے جواز پر اور جہر مفطر (یعنی جس جہر سے خود کو نقصان ہو یا نمازیوں وغیرہ کو تکلیف ہوتی ہو) کے ناجائز ہونے پر تمام فقہاء و علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ جن علماء کی عبارتیں مجمل ہیں ان کے کلام اور عبارتوں کو اسی جہر مفطر یا کسی خارجی سبب مثلاً تخصیص والتزام پر محمول کیا جائے گا اور اگر کوئی شخص صراحت کیساتھ مطلقاً ذکر معتدل کی نفی ایسی جگہ میں کرتا ہے جہاں شریعت مطہرہ نے ذکر جہر اور ذکر سر میں سے کسی ایک صورت کو متعین نہیں کیا ہے تو ایسے شخص کا یہ قول قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشادات اور عمل سے ٹکراتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ جہر مفطر میں وہ جہر جو آواز کی انتہائی حد ہو یا یوں کہہ دیجئے کہ شدید جہر ہو تو وہ بھی اذان، تلبیہ اور جہاں دین کا اظہار یا کفار و مشرکین پر رعب جمائے کی خاطر ہو یا مسلمانوں کے اندر جذبہ پیدا کرنے کی خاطر ہو تو یہ بھی بالاتفاق جائز ہے مثلاً حملہ کے وقت نعرہ تکبیر لگا کر کفار پر ٹوٹ پڑنا وغیرہ البتہ جہاں اتنے جہر کی شرعی ضرورت نہ ہو وہاں اس قدر جہر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اس کا یہ فائدہ بتلاتے ہیں کہ یہ آواز جس حد تک جائیگی وہاں تک جڑی بوٹیاں پتھر ڈھیلے وغیرہ اور حیوانات وغیرہ سب اس کے ذکر پر گواہ بن جائیں گے اور ذکر کی برکت ان کو پہنچ جائیگی۔

نیز اس ذکر کا ولولہ دوسرے سننے والوں میں پیدا ہو جائیگا جو لوگ ذکر کی آواز سن لیں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی درجہ میں تو یاد کر لیں گے اسی طرح کے فوائد کے پیش نظر وہ بغیر کسی ضرورت کے جہر شدید کے بھی قائل ہیں اور بلا کسی کیفیت خاصہ کے۔ لیکن بہت سے محققین بلا ضرورت جہر شدید کو اگر چہ ریاء وغیرہ جیسے مفسد سے خالی ہو تو بھی صحیح نہیں سمجھتے ان کے پیش نظر ”دون الجہر“ والی آیت اور ”اربعو ۱“ وغیرہ جیسی حدیث ہے اس لئے وہ اس سے صرف ضرورت کے وقت جہر شدید کو مستثنیٰ کرتے ہیں مثلاً اذان، تلبیہ، اظہار دین اور عین جملہ

کے وقت یا جس شخص کے مہوم اور غلط افکار کو دفع کرنے کیلئے ضرورت کے تحت جہر شدید کریں تو جائز ہے اور ضرورت کے بغیر ناجائز۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی تفصیل قرآن و حدیث روشنی میں آئندہ آجائیگی۔

## جہری ذکر افضل ہے یا سرّی:

جہر افضل ہے یا سرّی اس کے متعلق اتنی بات یاد رکھیں کہ جب کوئی صاحب بصیرت عالم اور فقیہ یہ کہتا ہے کہ جہر افضل ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ بس جہری ہی کرنا ہے یا اگر سرّی کے متعلق کہتا ہے کہ سرّ افضل ہے تو اس کا مطلب نہیں کہ بس سرّی ذکر کرتا رہے حالانکہ تمام علماء قرآن مجید کی تلاوت جہراً کرتے ہیں اور جب تھک جاتے ہیں تو چپکے چپکے پڑھتے ہیں۔ نہ تو انسان ہمیشہ چپکے چپکے ذکر و تلاوت و دعا کر سکتا ہے اور نہ جہراً بلکہ کبھی ذوق و شوق ہو یا نیند کا غلبہ ہو تو جہراً پڑھتا ہے اور جب تھکاوٹ محسوس کرتا ہے تو چپکے چپکے پڑھتا رہتا ہے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ خود چپکے چپکے ذکر بھی کرتے تھے اور جہراً بھی ذکر و تلاوت کرتے تھے لہذا ایسی صورت میں کہ جب سری یا جہری ذکر کی فضیلت کا بیان ہو تو علماء کا مطلب صرف سرّ اور جہر کی اپنی ذاتی حیثیت کو واضح کرنا ہوتا ہے کوئی کہتا ہے کہ سرّی ریاء سے دور تر ہے اور اس کے برعکس دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ریاء ایک قلبی کیفیت اور نیت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اگر ریاء سے خالی ہو تو جہر میں مشقت اور دوسرے فوائد ہیں جو کہ ذکر سرّی میں نہیں۔ اس لئے جہر افضل ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ بعض کے نزدیک جہر افضل ہے اور بعض کے نزدیک اخفاء۔

## عبادات اور سرّ و جہر میں فضیلت کی بنیاد:

علماء کا یہ اختلاف قرآن و حدیث کے نصوص کی بنیاد پر ہے مثلاً جو حضرات علماء کرام ذکر سرّی (یعنی زبان سے چپکے چپکے ذکر کرنے) کی فضیلت بیان کرتے ہیں ان کے پیش نظر قرآن مجید اور حدیث کے مندرجہ ذیل نصوص ہیں۔

إِنْ تَبْذُرُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاهِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ: اگر

اپنے صدقات (خیرات) کو ظاہر کرو تو اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپا کر ان فقیروں کو دو تو

یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے (بقرہ، ۲۷۰)۔

اس آیت میں خفیہ صدقہ کا زیادہ ثواب بتلایا جا رہا ہے اگر چہ علانیہ بھی بہت اچھا ہے اگر نیت خالص ہو۔ اسی نیت کی وجہ سے بعض لوگ فی نفسہ تمام عبادات میں خفیہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور بعض اس میں تفصیل کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ فرضی عبادات خواہ نماز ہو، زکوٰۃ اس میں اظہار ہی افضل ہے اور جو نفلی عبادات ہیں ان میں اخفاء افضل ہے البتہ خارجی اسباب مثلاً اس نیت سے علانیہ صدقہ دے دینا تاکہ دوسرے لوگوں کو شوق و رغبت ہو جائے

وہ فقیر کو صدقہ دیں تو ایسی صورت میں اظہار اچھا ہے، اگر نیت خالص ہو۔ لیکن بعض حضرات اظہار اور اخفاء کو برابر سمجھتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی تو فرمان ہے کہ:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ: جو لوگ اپنے اموال دن رات چپکے اور علانیہ خرچ

کرتے ہیں انکا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کیلئے کوئی خوف اور رنج نہیں ہوگا (بقرہ، ۲۷۴)۔

اس آیت کے پیش نظر وہ فرماتے ہیں اگر نیت خالص ہے لوگوں کے دکھاوے اور شہرت کی نیت نہ ہو تو علانیہ خیرات کرنا بھی بہتر ہے تاکہ اوروں کو بھی شوق و رغبت ہو اور چھپا کر خیرات بھی بہتر ہے تاکہ لینے والا شرم محسوس نہ کرے۔ غرض ان کے نزدیک بعض فوائد کی وجہ سے خفیہ بہتر ہے اور بعض فوائد کی وجہ سے علانیہ لیکن صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ خیرات و صدقات میں فی نفسہ اخفاء افضل ہے اور اس اخفاء میں خود دینے والے کو ہی زیادہ فوائد ہیں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے اس کو عام لوگوں کی داد نہیں ملتی، دوسری بات یہ کہ لینے والا بھی شرمندگی سے محفوظ رہتا ہے لیکن چونکہ صدقہ کے اظہار میں اور لوگوں کو رغبت ہوتی ہے اس لئے جہر صدقہ دیدینا بھی اچھا ہے بشرطیکہ نیت خالص ہو۔

بہر حال فرائض تو ہیں اجتماعی امور، ان کے اظہار میں فضیلت بھی ہے اور ان میں اندیشہ بھی زیادہ نہیں لیکن نوافل خصوصاً صدقات میں اخفاء افضل ہے اگرچہ بہتر دونوں ہیں لیکن اس سے ذکر جہر اور ذکر سرّ کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ”خیر الذکر الخفی“ والی حدیث سے زبانی چپکے چپکے ذکر کی فضیلت ثابت ہوئی ہے کیونکہ زبانی اور چپکے کو ذکر خفی نہیں کہتے اس کا بیان انشاء اللہ ”أَدْعُوا رَبَّكُمْ“ کے تحت آجایگا۔ نیز صدقات میں چپکے دینے میں انسان کے اپنے نفس کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے لیکن چونکہ ذکر جہری خود بھی نفس کی اصلاح اور دل کی نرمی اور نیند اور سستی کے ختم کرنے میں ذکر لسانی سرّی سے زیادہ مفید ہے اس لئے یہاں یہ بحث صحیح نہیں کہ لسانی سرّی افضل ہے یا جہر افضل ہے بلکہ ان کی فضیلت کا تعلق مختلف اوقات اور مختلف اشخاص کے ساتھ ہے جیسا کہ محققین علماء کا اس کے متعلق یہی فیصلہ ہے ہاں اگر خارجی اسباب کی رعایت نہ ہو تو فی نفسہ نقلی اذکار میں اخفاء ہی افضل ہے لیکن اس سے مراد ذکر لسانی سرّی نہیں بلکہ وہ ایک اور صورت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان عنقریب آ رہا ہے۔

## ذکر لسانی جہری کی افضلیت کے متعلق محقق علماء کا فیصلہ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ذکر جہر افضل ہے یا خفی؟ حضرت نے جواب

۱۔ یعنی زبان کے ساتھ چپکے چپکے ذکر کرنا۔

میں ارشاد فرمایا: دونوں میں فضیلت ہے من وجہ، کسی وجہ سے جہر افضل ہے اور بعض وجہ سے خفی افضل ہے اور دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مطلق ذکر کا حکم فرمایا ”أَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا“ مطلق کے زد میں جو ہوا مور ہے اور فضائل خارجی مختلف ہوتے ہیں باعتبار ذکر اور وقت اور کیفیت ثمرات کے، فقط واللہ اعلم۔ (دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۹۷)

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ایک مرید کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے“ حضرت تھانویؒ نے اس سائل کو اٹھارہ ہزار بار اسم ذات کا جہری ذکر بتلایا اور یہ اس شخص کی حالت کے مطابق تھا، اس لئے جہر اس کیلئے زیادہ مفید پایا اس لئے فرمایا کہ ذکر جہر اچھا معلوم ہوتا ہے (امداد الفتاویٰ، جلد ۵، ص ۱۶)۔

حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کے اس فتویٰ کی تائید بہت سی کتابوں میں بہت سے علماء سے منقول ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ وغیرہ، فتاویٰ شامیہ، فتاویٰ خلیلیہ، امداد المفتین وغیرہ بہت سے فقہاء اور علماء کے بہت سے حوالوں سے یہی ظاہر اور ثابت ہے نیز حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور مسلک دیوبند کے مشائخ مثلاً حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ وغیرہ تمام مشائخ کے عمل سے ذکر جہر اور خفی کے متعلق یہی ثابت ہے کہ ذکر جہر اور سرّ میں وقت اور شخص کا لحاظ رکھتے تھے۔ ذکر جہری افضل ہے یا سرّی اس کا معاملہ بہت ہی سہل اور آسان ہے اس لئے اس کو زامی مسئلہ بنانا اچھا نہیں، ذوق اور رائے کا اختلاف ہے ورنہ عملاً تقریباً تمام مسلمان اپنے ذکر و تلاوت و دعا میں جہر معتدل اور سرّ دونوں کو اختیار کرتے رہتے ہیں، کوئی کسی وقت جہر کرتا ہے اور کوئی کسی وقت سرّ۔

## ذکر خفی اور ضرب خیالی:

یاد رہے کہ ذکر جہری کیلئے بعض علماء ذکر جلی کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور چپکے چپکے زبان سے ذکر کیلئے بعض علماء سرّی اور بعض علماء خفی کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور صوفیاء اور مشائخ اس ذکر کو بھی ذکر خفی کہتے ہیں جو کہ خیال سے دل پر ضرب لگائی جاتی ہے یا یوں خیال کرے کہ ”دل اللہ اللہ“ کرتا ہے یا خیال سے ”لا الہ الا اللہ“ کی ضربیں لگاتا۔ اس ذکر کو صوفیاء ذکر قلبی بھی کہتے ہیں لیکن یاد رہے حدیث میں جس ذکر خفی اور قلبی کا ذکر ہے یا علماء کرام جس کو ذکر قلبی کہتے ہیں اس سے مراد یہ صوفیاء کرام کا ذکر خفی اور قلبی نہیں بلکہ صوفیاء کرام کا یہ ذکر

۱۔ حضرت علامہ احمد عبدالرحمن البناؒ اپنی کتاب الفتح الربانی کی شرح بلوغ الامانی میں لکھتے ہیں: ”قد جمع العلماء بین احادیث السّرّ والجہر بان ذالک مختلف باختلاف الاشخاص والاحوال فقد یكون الجہر افضل اذا امن الریاء وکان فی الجہر تذکیر للعاقلین و قد یكون الاسرار افضل اذا اخشی الریاء او تشویش علی نحو مصلی“ (الفتح الربانی، جلد ۱۴ ص ۲۰۶)۔ اسی طرح کی عبارت بلکہ زیادہ مفصل فتاویٰ خیریہ وغیرہ میں موجود ہے۔ (فتاویٰ خیریہ علی ہاشم تفسیر الحامدیہ، جلد ۲، ص ۲۸۱)، (فتاویٰ بزازیہ علی ہاشم الہندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸)، (فتاویٰ الشامیہ، جلد ۵، ص ۲۵۵)، (طحاوی علی مراقی الفلاح، ص ۱۷۴)، (فتح البعین للعلامة سید محمد ابی السعود المصری الحنفیؒ، جلد ۱، ص ۲۳۹)، (روح المعانی، جلد ۸، ص ۱۴۰)، (الحاوی للفتاویٰ للسیوطی، جلد ۱، ص ۳۸۹)، اسی طرح اور بھی بہت سی کتابوں میں جہر اور سرّ کی افضلیت کی متعلق یہی فیصلہ اور تفصیل موجود ہے۔



بھی جلی اور لسانی سرّی کی طرح ذکر کی ایک صورت ہے جو کہ جائز ہے کہ یہ صورت بھی بذات خود عبادت یعنی عبادت مقصودہ نہیں بلکہ دوسری صورتوں کی طرح یہ بھی ذکر کا ایک طریقہ اور صورت ہے اگر جہر میں لسانی ضربیں ہیں تو یہاں خیالی ضربیں ہیں اور اس کو خیالی ورد تو کہا جاتا ہے، نہ کہ یہ وہی ذکرِ خفی اور قلبی ہے جس کی فضیلت حدیثوں میں بیان کی گئی ہے۔

## ذکرِ خفی سے مراد کون سا ذکر ہے؟

ذکرِ خفی جس کا بیان حدیثوں میں آیا ہے اس سے مراد دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی وہ یاد ہے جو فرشتوں سے بھی چھپی رہتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قلبی لگاؤ ہے، اس کی عظمت میں اس کی قدرت کی نشانیوں میں جو آسمان و زمین میں ہیں ان میں غور و فکر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی نشانیوں میں مستغرق ہونا ہے اور فکر اور قلبی لگاؤ سے معرفت کے وہ چشمے ابلتے رہتے ہیں اور ہر لمحہ اور ہر آن انسان کے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اس قدر بڑھتی رہتی ہے کہ اس کو ہر گزشتہ آن تاریک اور اللہ تعالیٰ کیلئے کیا ہوا ہر اچھے سے اچھا عمل حقیر اور قابل استغفار نظر آتا ہے، اور ایسا ذکر اور غور و فکر کرنے والا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے التجاء، راز و نیاز میں رہتا ہے اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی جو عظمت اس پر کھلتی رہتی ہے اس کی عقل حیران رہتی ہے اور یہی حیرانی ہر آن ہر لمحہ بڑھتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دولت نصیب فرمائے۔

البتہ ذکر کی انہی صورتوں جلی جہری ہو یا سرّی یا خیالی جیسے طریقوں سے انسان اس اعلیٰ ذکر یعنی ذکرِ خفی تک پہنچ جاتا ہے۔

## ذکرِ خفی اور حدیث:

اب ذکرِ خفی کے متعلق حدیثوں کو پڑھ لیجئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خیر الذکر

الخفی و خیر الرزق ما بکفی: بہترین ذکر وہ ہے جو خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو

بقدر کفایت ہے (موارد الظمان)۔

یہ حدیث مسند امام احمدؒ اور بیہقیؒ میں بھی ہے یہ حدیث بہت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی اسامہ بن زید (عدوی ہو خواہ لیشی ہو دونوں) سخت کمزور راوی ہیں اور بہت سے علماء حدیث نے ان کو وہمی و اہی منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ نیز اسامہ بن زید جس شخص سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں وہ محمد بن عبد الرحمن ابی لمبہ ہیں وہ

بھی متکلم فیہ ہے دارقطنی نے اس کو ضعیف اور یحییٰ بن معین نے اس کی حدیث کو لاشئٰی قرار دیا ہے۔ بہر حال حدیث کے متعلق اتنی بات تو واضح ہے کہ یہ ضعیف ہے البتہ معنی کے لحاظ سے دوسری احادیث اور شریعت مطہرہ کے مزاج سے پوری مطابقت رکھتی ہے لیکن اس سے مراد ذکرِ لسانی خفی نہیں جیسا کہ اس کا بیان ایک دوسری حدیث میں موجود ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افضل الذکر

الخفی الذی لا یسمعه الحفظة سبعون ضعفاً اذا کان یوم القیامة: وہ افضل

ذکرِ خفی ہے جس کو کراما کاتین بھی نہیں سنتے قیامت کے روز اس کا ثواب ستر (۷۰) گنا

بڑھا ہوا ہوگا۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ فرماتے تھے، جب

قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو حساب کتاب کیلئے جمع کرے گا اور کراما کاتین

(یعنی اعمال لکھنے والے اور جمع کرنے والے) فرشتے آئیں گے (اور تمام جمع شدہ اعمال

اور ریکارڈ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کریں گے) اللہ تعالیٰ (وہ تمام ریکارڈ دیکھ کر) ان

سے فرمائے گا دیکھو اس شخص کے اعمال میں کوئی چیز باقی رہ گئی ہے؟ (جو کہ اس کے دفتر اور

ریکارڈ میں موجود نہیں) تو فرشتے عرض کریں گے: اے ہمارے رب: ہم نے ان

چیزوں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کو ہم نے معلوم نہ کیا اور جو بھی ہم نے یاد رکھا

ہم نے اس دفتر اور ریکارڈ میں تمام کا تمام جمع کر لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تب اپنے اس بندے کو

مخاطب کر کے فرمائے گا کہ میرے پاس تیری ایسی چھپی ہوئی نیکی محفوظ ہے جسے (کوئی نہیں

بلکہ) تو بھی نہیں جانتا اور میں خود تجھے اس نیکی کا اجر عطا کروں گا اور وہ ذکرِ خفی ہے (آخر ج

ابو یعلیٰ کذا فی مجمع الزوائد، جلد ۱۰، ص ۸۱)۔

یہ حدیث بھی ضعیف ہے لیکن اس حدیث نے پہلی حدیث کے معنی کو متعین کر لیا کہ اس سے قلبی لگاؤ اور فکر مراد ہے

کیونکہ انسان کو خود تو اس ذکر کا پتہ چلتا ہے کہ اپنے خیال کیساتھ دل پر ضرب لگاتا ہے یا چپکے چپکے زبان سے تسبیح و

تہلیل پڑھتا ہے بلکہ اس کے سر ہلانے، جھکانے اور زبان ہلانے کو فرشتے بھی تو محسوس کرتے ہیں لیکن عشقی

کیفیت اور قلبی لگاؤ وغیرہ ایسے امور ہیں جن کو انسان کسی عمل میں شمار نہیں کرتا ہے، واللہ اعلم۔

بندہ نے ذکرِ خفی کے متعلق جو حدیث اور جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے اس کی تائید قاضی عیاضؒ کی

عبارتوں میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں؛

قال القاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ و ذکر اللہ تعالیٰ ضربان ذکر بالقلب

و ذکر باللسان و ذکر القلب نوعان احدهما وهو ارفع الاذکار واجلها الفکر فی عظمة الله تعالى و جلاله و جبروته و ملکوته و آیاته فی سموته و اراضه و منه الحديث خیر الذکر الخفی والمراد به هذا..... الخ : قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک دل کا ذکر دوسرا زبان کا، اور دل کے ذکر کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک ان میں سے وہ جو تمام اذکار سے بلند درجہ کا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال، اس کے جبروت اور اس کی عجائبات اور اس کی آسمانوں اور زمین کی نشانیوں میں فکر کرنا ہے اور خیر الذکر الخفی کی حدیث سے یہی ذکر مراد ہے..... الخ (شرح مسلم، جلد ۲، ص ۳۴۴)۔

## جہاں ذکر ضروری ہے وہاں ذکر لسانی معتبر ہے نہ کہ قلبی:

یاد رہے کہ جن فقہاء نے قلبی ذکر کا انکار کیا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ذکر وہی ہے جو صرف زبان کے ساتھ ہو تو ان کا مطلب یہ نہیں کہ ذکر قلبی اور تفکر پر ثواب نہیں ملتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ نے جن مواقع پر ذکر لسانی کی تعلیم دی ہے مثلاً قیام میں قرأت اور رکوع میں سبحان ربی العظیم وغیرہ تو ایسے مواقع میں اگر کوئی زبان ہلائے بغیر خیال سے تلاوت کرے یا تسبیحات رکوع و سجود میں پڑھے تو یہ اس کیلئے کافی نہیں بلکہ زبان ہلائے بغیر صرف خیال سے ذکر کرنا معتبر نہیں۔

## ذکر و تلاوت اور دُعا میں اخفاء کا مطلب:

یہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یاد الہی کا تعلق دل سے ہے باقی سری لسانی جہری لسانی یا خیالی ضر میں یہ صرف ذکر کی صورتیں اور شکلیں ہیں جن کو اوراد کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان زبان کو حرکت دیتا ہے یا خیالی ضرب دل پر لگاتا ہے لیکن اس کے دل میں خالق کی بجائے مخلوق کا تصور ہوتا ہے۔ خیالی ذکر اور ذکر لسانی سڑی تو کیا بلکہ معتدل جہر کے ساتھ تلاوت و ذکر والی صورت میں بھی عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اس ذکر و تلاوت کے اندر اللہ تعالیٰ سے لو لگانے اور اس کی یاد تو دور کی بات ہے نفس تلاوت اور الفاظ ذکر کی طرف بھی دھیان نہیں رہتا جو کہ بہت ہی کم درجہ کا ذکر ہے تو ایسی صورت میں ان سارے اوراد کی حیثیت ذکر کی شکل و صورت جیسی ہے جس کے اندر روح ذکر اور یاد کا فقدان ہے۔ البتہ یہی شکل و صورت اور یہی اوراد ہوتے ہیں جس میں اگر غور و فکر شروع کیا جائے یا کثرت سے ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لگ جاتا ہے۔ اور بعض یکسو طبیعتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان کو کثرت ذکر جہر، خیالی ضربوں کے بغیر بھی یہ نعمت حاصل ہوتی ہے، لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد سمجھنا چاہیے کہ ذکر و تلاوت میں اخفاء کا مطلب یہ ہے کہ علانیہ نہ ہو یعنی لوگوں سے پوشیدہ کیا جائے جیسا کہ نوافل کی فضیلت اس میں ہے کہ گھر کے اندر پڑھے جائیں یہی حال ذکر، اذکار اور دُعاؤں کا ہے کہ تمام نفلی عبادات لوگوں سے چھپ کر کی جائیں، خواہ وہ جہراً ہوں یا سرّاً۔ بہر حال، پوشیدہ عبادت میں بہت زیادہ ثواب ہے اور یہ ریاء سے بھی دور ہے۔ لیکن دوسروں کو عملی ترغیب کیسے ہو جائے اور ان کو کیسے ذکر و اذکار اور نیک اعمال پر لگایا جائے اور انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کیسے رچ بس جائے تو اس کیلئے یہی ہو سکتا ہے کہ ترغیب کے ساتھ ساتھ عملی طور پر ان کے ساتھ شریک ہو جایا کریں نیز یہ کہ جو لوگ ذکر و اذکار اور تلاوت کے عادی نہیں ان کے دل ذکر و تلاوت سے مانوس نہیں ہیں وہ ذکر و تلاوت کے ماحول میں آ کر خود بخود ذکر و تلاوت کے عادی ہو جاتے ہیں اور یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ ذکر و تلاوت کے عادی نہیں ہوتے اگر ان کو ایسا ماحول نہ ملے یا ذکر و عبادت کے ماحول اور مجالس سے کٹ جائیں تو وہ تنہائیوں کی وجہ سے ذکر نہیں کر سکتے اور ان کا ذوق و شوق کم ہو جاتا ہے نیز ایک دوسرے کے دل کا اثر بھی ایک دوسرے پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہمت والوں کے ساتھ بے ہمت لوگوں کو ہمت ہو جاتی ہے اس طرح اس میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں ان فوائد کو مد نظر رکھ کر کوئی نفلی عبادت کو مسجد وغیرہ میں اجتماعی طور پر کرتا ہے تو اس کی فضیلت اگر چہ فی نفسہ نہیں لیکن دوسرے خارجی اسباب کی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے انہی فوائد کے پیش نظر قرآن و حدیث نے مجالس ذکر پر زور دیا ہے جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ آگے آئیگا۔

## اگر چہ اخفاء سرّ لسانی سے حاصل ہوتا ہے لیکن.....

خلاصہ یہ کہ ذکر وغیرہ میں اخفاء اگر چہ سری لسانی سے بھی حاصل ہوتا ہے لیکن اس کا حصول اس وقت ممکن ہے جب یہ سری لسانی لوگوں کے سامنے نہ کیا جائے اور یہ بات بھی نہ ہو کہ ذکر مسجد میں بیٹھا ہوا ہو یا لوگوں کے سامنے قرآن مجید سامنے کھولا ہوا ہو یا صرف سر جھکایا ہوا ہو یا اپنی خلوت کے اندر رہتا ہو تو ایسی صورت میں اس کی عبادت چھپی ہوئی اور اخفاء میں نہیں بلکہ لوگوں کے سامنے علانیہ اور جہراً ہے اور اس میں بھی ریاء کا اندیشہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں ذکر جہر سے زیادہ ریاء کا اندیشہ اسی میں ہے خصوصاً جبکہ ذکر جہر کرنے والوں کو قسم قسم کے طعنے دیئے جا رہے ہوں، کوئی کہتا ہو بدعتی ہے، کوئی کہتا ہو ریاء کا رہے تو ایسی صورت میں ذکر جہری میں ریاء کے اندیشہ کے بجائے ذکر جہری میں زیادہ مجاہدہ ہے۔ ریاء کا ری کا اندیشہ تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ لوگ اس کو بزرگ سمجھتے۔ پھر اجتماعی کاموں میں زیادہ تر ریاء کا اندیشہ کم ہوتا ہے کیونکہ جب سب ہی ایک کام کرتے ہیں تو اس کی دوسروں پر کیا فضیلت رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی سر جھکائے ذکر میں مشغول ہے یا خلوت کے اندر رہتا ہے یا مسجد میں خاموش بیٹھا ہے تو دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ فلاں کیسے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہے اور کیا



کیا معارف اور اسرار اس پر کھلتے ہوں گے حالانکہ ہو سکتا ہے کہ ایسی صورت میں شاید وہ سورہا ہو اور خلوت کے اندر بھی خراٹے لے رہا ہو لیکن مفت میں اپنے لئے بزرگی کا سامان مہیا کر رکھا ہو اور ایسی صورت میں تو اور زیادہ ریاء میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

عرض یہ ہے کہ عبادت میں اخفاء کا مطلب یہی ہے کہ عبادت لوگوں سے چھپ کر کی جائے کہ لوگوں کو اس کی عبادت کا پتہ نہ چلے خواہ جہر سے ذکر و تلاوت کرے یا چپکے چپکے اور یہ اخفاء اس لئے تو ہے تاکہ اس کی یہ عبادت ریاء کاری کی نذر نہ ہو جائے البتہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ لسانی سری یعنی چپکے چپکے زبان سے ذکر کرنے پر لوگوں کو بہت کم اطلاع ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی راستے میں چلتے چلتے یا لیٹے لیٹے اسی طرح ذکر کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی آگاہ نہ ہو تو بلاشبہ اس میں فضیلت ہے اور رہی ریاء کاری تو اس کا تعلق نیت سے ہے اگر نیت میں اخلاص نہیں تو ریاء کے لئے چور دروازے کھلے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کا ذکر کر رہے ہیں اور ان کے سینے کا گوشت خیالی ذکر سے حرکت کرتا رہتا ہے اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ہمارے دل جاری ہیں اور ہم ذکر خفی اور بے ریاء عبادت کر رہے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے ایسے ذکر میں ریاء کاری کا جو اندیشہ ہے یہ جہر سے بھی کہیں زیادہ ہے اور نہ قلب جاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ دل پر گوشت حرکت کرے یہ تو ایک مشق ہے اور جب کوئی مشق کرتا ہے تو بدن کے کسی بھی حصہ کو ہلا سکتا ہے، البتہ اس سے توجہ اور فکر میں یکسوئی پیدا کی جاسکتی ہے، عرض یہ ہے کہ ریاء کاری کا اندیشہ ایسے اذکار میں بھی ہے جن کے بارے میں ہم عموماً یہ کہتے ہیں کہ ان میں ریاء کاری کا اندیشہ نہیں ہے ان میں لسانی جہر کے مقابلہ میں زیادہ ریاء کاری کا اندیشہ ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی چپکے چپکے زبان ہلائے اور کوئی ایسی صورت اختیار نہ کرے جس سے لوگ آگاہ ہو جائیں تو بلاشبہ ایسا ذکر بہتر ہوگا بشرطیکہ اس کی حیثیت صرف ورد کی نہ ہو بلکہ وہ چپکے چپکے زبان ہلانے کے ساتھ الفاظ ذکر یعنی ورد اور تلاوت پر بھی دھیان رکھے اور معنی کا لحاظ کرے یا کم از کم اپنے ورد اور الفاظ ذکر کی طرف تو دھیان رکھے۔ اگر اس کا اپنے ورد کی طرف بھی دھیان نہیں رہتا تو اس کے اس سری لسانی سے تو وہ ذکر جہر بہتر ہے جس میں کم از کم الفاظ ذکر کی طرف دھیان تو رہتا ہے جو بالآخر معنی اور یاد الہی میں استغراق کی کیفیت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص اور اپنی یاد کی دولت سے نوازا ہے اس کے لئے دونوں صورتیں برابر ہیں۔ خواہ لوگوں کے ساتھ ہو یا لوگوں سے چھپ کر ہو سرّاً ہو یا جہراً ہو ہر حالت میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا رہتا ہے، ایسے لوگوں کا اولین اور اعلیٰ ترین طبقہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے بعد ان کی اتباع میں جس کو جس قدر یہ دولت ملے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی حقیقی یاد سے آشنا کر دے (آمین)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نفلی عبادات، نفلی اذکار، تلاوت وغیرہ کی ادائیگی اگر لوگوں سے پوشیدہ ہے تو جہری لسانی اور سری لسانی دونوں برابر اور اخفاء میں داخل ہیں۔ لیکن جو عبادات لوگوں سے پوشیدہ نہیں وہ علانیہ اور جہر میں

داخل ہیں، خواہ سرّاً ہوں یا جہراً۔ مثلاً ایک آدمی جنگل میں یا رات کے وقت مسجد میں آتا ہے وہ جہراً تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑاتا ہے اس کی یہ عبادت بھی اخفاء میں داخل ہے اور جو لوگوں کے سامنے قرآن مجید کھول کر سرّاً تلاوت کرتا ہے ذکر سری میں مشغول ہے تو ایسی صورت میں اس کی یہ عبادت بھی علانیہ ہے کیونکہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔ غرض یہ کہ جس پر واقعی اخفاء کا اطلاق ہو سکے وہ تو اخفاء ہے ورنہ علانیہ اور جہر ہے اور حقیقی اخفاء سر سے بہتر ہے البتہ جہر اور علانیہ عبادت بعض اوقات، بعض اشخاص کے لئے بہتر ہوتی ہے۔ لہذا اخفاء اور اظہار کا تعلق لوگوں کی اطلاع یا عدم اطلاع پر موقوف ہے اور عبادات (تلاوت، نوافل، اذکار وغیرہ) کے اندر سر لسانی اور جہر لسانی یہ ادائیگی کی صورتیں اور شکلیں ہیں۔ اور یہ عبادت مقصودہ نہیں اور مختلف احوال اور اشخاص کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان میں کسی ایک کی افضلیت مسلم ہے اور تمام مسلمان اپنی عبادت کی ادائیگی کبھی جہراً اور کبھی سرّاً کرتے ہیں اگرچہ فی نفسہ خفی اور اخفاء افضل ہے لیکن خارجی اسباب کی بناء پر ذکر جہری سری سے افضل ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

## علماء اور فقہاء کی عبارتوں سے غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ:

بہت سے امور اور علماء کی عبارتیں ایسی ہیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے ایک سیدھا سادہ مسئلہ الجھ کر رہ جاتا ہے اس لئے ضروری یہ ہے کہ چند ایسے امور کی نشان دہی کی جائے جن کی وجہ سے کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

## علماء جب کہتے ہیں کہ فلاں چیز مستحب نہیں اس میں غلط فہمی.....

آپ کتابوں میں دیکھیں گے ان میں لکھا ہوگا کہ فلاں چیز مستحب نہیں تو اس سے ہر مسئلہ میں مراد یہ نہیں ہوتا کہ وہ کام مکروہ یا غیر مناسب ہے بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہوتا ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ فلاں وقت میں فلاں عمل مستحب ہے اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ فلاں عمل اس وقت مستحب نہیں ایسی صورت میں صاحب بصیرت علماء کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ عمل فی نفسہ جائز ہے لیکن اس وقت کے ساتھ اس کی خصوصیت نہیں تو وہ اس عمل کی صرف اسی وقت میں استحباب کی نفی کرتے ہیں نہ کہ ان کے نزدیک فی نفسہ وہ عمل مکروہ یا بدعت ہوتا ہے۔ مثلاً فرض نماز کے بعد ”اللہ اکبر“ کہنا حدیثوں میں آیا ہے تو بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد ”اللہ اکبر“ کا لفظ کہنا مسنون و مستحب ہے یعنی وہ تکبیر کے ساتھ ساتھ اس وقت کو بھی تکبیر کیلئے مستحب یا مسنون مانتے ہیں لیکن دوسرے علماء اس کی تردید کرتے ہیں۔ مثلاً امام نوویؒ نمازوں کے متصل تکبیر اور ذکر کے متعلق اور اس میں اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں کہ؛

هذا دليل لمقاله بعض السلف انه يستحب رفع الصوت بالتكبير والذكر

عقب المكتوبة و ممن استحبہ من المتأخرين ابن حزم الظاہری و نقل ابن بطال و آخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالذكر و التكبیر: یہ (حدیث) بعض سلف کے قول کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے اللہ کبر کہنا اور ذکر کرنا مستحب ہے اور متأخرین میں سے جس نے اس کو مستحب قرار دیا ہے ان میں سے ابن حزم ظاہری بھی ہیں اور ابن بطالؒ اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ ائمہ متبوعین اور ان کے علاوہ دوسرے علماء اس پر متفق ہیں کہ تکبیر اور ذکر میں آواز بلند کرنا مستحب نہیں (شرح مسلم جلد ۱، ص ۲۱۷)۔

اس کے بعد امام نوویؒ نے حضرت امام شافعیؒ کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عمل کو تعلیم پر معمول کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس نقطے پر بھی بحث آجائیگی لیکن یہاں اتنی بات عرض کرنی تھی کہ یہاں جو لکھا گیا ہے کہ ائمہ متبوعین اور دوسرے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فرض نمازوں کے فوراً بعد جہر تکبیریں و ذکر کرنا مستحب نہیں تو ان کا مطلب یہ نہیں کہ مطلقاً جہری ذکر کا ثواب نہیں بلکہ وہ اس وقت کے استحباب یا مسنون ہونے کے قائل نہیں ورنہ جس کام کو نبی کریم ﷺ نے کیا ہوا اور اس کی تردید نہیں کی تو اس کے متعلق کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ مکروہ یا کارثواب نہیں بلکہ مستحب کی تو تعریف ہی یہی ہے کہ کسی عمل کو نبی کریم ﷺ نے کبھی اختیار کیا ہوا اور کبھی چھوڑا ہو لہذا اب اس عمل کو بدعت یا مکروہ کہنے کی جرات کون مسلمان کر سکتا ہے؟ بشرطیکہ اس عمل میں کوئی اور مفاسد بدعت یا کراہت کے شامل نہ ہوں مثلاً یہ عقیدہ ہو کہ یہ نماز کا حصہ ہے یا نمازیوں کی تشویش کا باعث ہو غرض ہر ایسی چیز جب کسی عمل میں ایسے آئے جو شرعاً ممنوع ہو تو اس ممانعت کی وجہ سے وہ عمل کارِ گناہ بن جائے گا لیکن اس کے علاوہ نفس عمل کو بدعت یا مکروہ کہنا بہت بڑی جرات مندی ہے۔ جو کسی بھی مسلمان کا خصوصاً علماء کے شایانِ شان نہیں۔“

دیکھئے یہی امام نوویؒ ہیں جو عام حالات میں اسی ذکر و تکبیر جہری کو خود بھی جائز قرار دیتے ہیں اور امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ و متبوعین کے نزدیک صرف جائز ہی نہیں بلکہ اس کی افضلیت کو بھی نقل کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ:

والذى نص عليه الامام النووي فى فتاواه ان الجهر بالذكر حيث لامحذور شرعاً مشروع مندوب اليه بل هو افضل من الاخفاء فى مذهب الامام الشافعى وهو ظاهر مذهب الامام احمد واحدى الروايتين عن الامام مالك بنقل الحافظ ابن حجر فى فتح البارى..... الخ : امام

۱۔ یعنی جہاں شریعت مطہرہ نے ممانعت نہیں فرمائی ہے اور نہ ذکر کی کسی شکل و صورت کو مقرر کیا ہے۔

نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں جس چیز کی تصریح اور وضاحت کی ہے وہ یہ کہ جب کوئی مانع شرعی نہ ہو تو جہری ذکر نہ صرف مستحسن ہے بلکہ وہ اخفاء سے افضل ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ کا بھی ظاہر مذہب یہی ہے (کہ جہر افضل ہے) اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی نقل کیا ہے (کہ جہر افضل ہے) (روح المعانی ج ۱۶ ص ۱۶۲)۔

آپ کے سامنے امام نوویؒ کی دونوں عبارتیں موجود ہیں اس لئے آپ اندازہ کر چکے ہوں گے کہ بہت سے لوگوں کا کسی خاص حالت یا خاص وقت میں اس بات پر متفق ہونا کہ اس وقت جہر مستحب نہیں اس بات کی دلیل نہیں کہ تمام اوقات میں وہ اس کی بدعت یا کراہت کے قائل ہیں یا اس عمل کو عام حالات میں بدعت اور مکروہ قرار دے دیتے ہیں بلکہ مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس وقت میں ذکر کی حیثیت کیا ہے البتہ اگر اس کے ساتھ دوسرے مفاسد مل جاتے ہیں تو پھر مفاسد کی بنیاد پر حکم لگایا جائے گا، نہ کہ نفس ذکر جہر کی بنیاد پر۔

جب کوئی چیز مطلقاً ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی صورت وغیرہ کو ناجائز یا بدعت کہنے والا برہان و دلیل پیش کرے گا:

آج کل ذکر کی مروجہ صورتوں کے بارے میں عجیب بات یہ کہی جاتی ہے کہ فلاں صورت کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے مجالس ذکر ثابت نہیں وغیرہ۔ لیکن جب ذکر بالجہر ثابت ہو چکا ہے پھر بھی اس کے بعد بلا کسی خاص وجہ کے یہ اعتراض اٹھانا کہ ذکر جہر تو جائز ہے مگر فلاں ہیئت اور صورت کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے یقیناً حماقت اور ستافقت کی دلیل ہے۔ اور اس کے بعد یہ مطالبہ کرنا کہ یہی صورت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے یا کہ نہیں صرف ضد اور ہٹ دھرمی ہے کیونکہ جب جہر بھی ثابت ہے اور مجلس ذکر کی فضیلت بھی ثابت ہے تو پھر اس کے بعد جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں صورت مجلس ذکر کی جائز نہیں دلیل و برہان پیش کرنا اسی کے ذمہ ہے۔ اس کو چند مثالوں سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔

- نفلی روزوں کی فضیلت ثابت ہو چکی ہے اب جو کوئی کہے کہ منگل یا بدھ کے دن میں روزہ جائز نہیں یا بدعت ہے تو اس کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منگل یا بدھ کے دن روزہ نہیں رکھا تھا اس لئے اس روز روزہ رکھنا بدعت ہے بلکہ اس کو بدعت کے ثبوت یا ناجائز ہونے کیلئے دلیل و برہان پیش کرنا ہوگی۔ ہاں جن دنوں کے متعلق نبی کریم ﷺ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ اس دن روزے جائز نہیں مثلاً عیدین وغیرہ کے

۲۔ انشاء اللہ مفاسد اور دوسرے امور پر بیان آ جائیگا۔



موقعہ پر، تو ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہاں منع کی دلیل موجود ہے۔

- نفلی نمازوں کی ترغیب و فضیلت شریعت مطہرہ میں ثابت ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ میں (۲۰) رکعت نفل پڑھنا یا چالیس رکعت نفل پڑھنا فلاں وقت نفل جائز نہیں یا بدعت ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نہیں پڑھے تو اس کیلئے یہ کہنا کافی نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ وہ اس کے ناجائز ہونے پر دلیل پیش کرے کیونکہ نفلی نمازوں کی فضیلت تو مطلقاً ثابت ہے۔ اب ایک خدا کا بندہ اس اطلاق کے رو سے جس وقت چاہے نفلی نماز پڑھ سکتا ہے اب اگر اس سے کوئی وقت مستثنیٰ ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جس کے متعلق قرآن وحدیث میں ممانعت موجود ہے۔ اوقات مکروہہ میں نوافل کی ممانعت حدیث میں موجود ہے اور اوقات مکروہہ کے علاوہ ہر وقت نفلی نمازیں جائز اور کار ثواب ہیں۔

- قرآن وحدیث میں فقیروں غریبوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب آئی ہے اب اس کے متعلق حکم وترغیب کے رو سے ہر وقت فقیروں، غریبوں کو دے دینا اور ایک فقیر کو دے دینا یا چند فقیروں کو دے دینا یا کھانے پر بلانا یا ان پر نقدی غلہ وغیرہ کی صورت میں تقسیم کرنا سب جائز اور کار ثواب ہے اب اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں وقت کھانا کھانا یا مال تقسیم کرنا بدعت ہے یا ناجائز ہے کیونکہ اس وقت نبی کریم ﷺ نے تقسیم نہیں کیا تھا تو اس کے لئے یہ کافی نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اور شریعت مطہرہ نے تو اجازت دیدی ہے کہ جس وقت چاہے دے دیا کرو البتہ اگر کوئی وقت یا صورت اس سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہی ہوگی جسکو شریعت نے مستثنیٰ کیا ہو۔

یہی حال نفلی طوافوں کا ہے حج کے راستوں وغیرہ کا ہے کہ ان میں صرف وہی وقت اور وہی طریقہ مستثنیٰ ہو سکتا ہے جسکی تردید اور ممانعت موجود ہو اور جو شخص بلا دلیل کسی ایسی چیز پر ناجائز اور بدعت کا حکم لگا تا ہو جو مطلقاً ثابت ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کے نزدیک بدعت اور ناجائز کا اختیار خدا اور اس کے رسول ﷺ کے پاس نہیں بلکہ وہ خود یہ اختیار اپنے ہاتھ میں سمجھتا ہے اور شرک عظیم کا ارتکاب کرتا ہے۔

**وہ امور جو مطلق جائز کو ناجائز یا بدعت بناتے ہیں:**

اب وہ امور کیا ہیں جو کسی مطلق جائز چیز کو بدعت یا ناجائز بناتے ہیں اس کے متعلق چند باتیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ اس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ اثر عبداللہ بن مسعودؓ میں بھی آجائیگی۔

-- ایک ہوتے ہیں مقاصد اور دوسرے ہیں وہ اسباب و ظروف اور شکلیں و صورتیں جن سے وہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً روزہ ایک عبادت مقصودہ ہے اور اس کے حصول کیلئے ایام اور دن ظروف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ذکر بھی ایک عبادت ہے اور اس کی ادائیگی کی صورتیں لسانی سری اور لسانی جہری وغیرہ ہیں۔ ان ظروف و صورتوں اور اسباب کے متعلق اتنی بات یاد رہے کہ جو شکلیں اور ظروف ضروری نہ ہوں یعنی فرض یا واجب نہ ہوں ان صورتوں اور ظروف کو فرض اور واجب ماننا شریعت میں ایک نیا عقیدہ اور نظریہ پیدا کرنا ہے اور یہ بدعت ہے۔ اسی طرح جن شکلوں صورتوں اور ظروف کی فضیلت، ثواب یا وجوب شریعت میں ثابت نہ ہو، ان شکلوں صورتوں کو واجب ماننا یا ان کی فضیلت یا ثواب کا عقیدہ رکھنا بدعت ہے۔ مثلاً رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ دوسرے ایام میں روزوں کو فرض ماننا یا جن ایام میں روزوں کا زیادہ ثواب ثابت ہے ان کے علاوہ دوسرے ایام میں روزوں کے زیادہ ثواب کا عقیدہ رکھنا یا جس طرح سری نمازوں میں چپکے چپکے تلاوت اور جہری نمازوں میں امام کیلئے جہراً تلاوت واجب ہے اگر وہاں سری جگہ جہریا جہری جگہ سر کو واجب سمجھا جائے تو یہ بدعت ہے۔

-- اسی طرح جہاں کسی صورت اور شکل کی یا کسی دن کی فضیلت یا وجوب ثابت نہیں اور نہ اس کی ممانعت ثابت ہے ایسی صورت میں جس طرح اس ظرف اور شکل کے بارے میں زیادہ ثواب کا عقیدہ رکھنا یا اس کو واجب اور ضروری قرار دینا بدعت ہے۔ اسی طرح اس ظرف یا شکل کو بدعت کہنا بھی ایک بدعی عقیدہ و نظریہ ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی یاد کی ادائیگی کی کسی صورت یا شکل کو جبکہ اس کی فضیلت یا وجوب ثابت نہ ہو اور نہ اس کی ممانعت ثابت ہو تو پھر بلاوجہ اس ظرف اور شکل کو بدعت کہنا یہ بھی ایک بدعی عقیدہ اور نظریہ ہے۔

-- اگر کسی عبادت میں ظرف اور شکل فرض اور واجب یا زیادہ ثواب کا عقیدہ نہ رکھا جائے لیکن اگر وہ دوسروں کی ایذا کا سبب بنے تو ایسی صورت میں بھی بوجہ ایذا رسانی کے وہ عمل ناجائز ہو جائے گا کیونکہ اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ اپنی کسی ذاتی عبادت کی وجہ سے کسی دوسرے کے ذکر و عبادت میں یا اس کے آرام میں خلل ڈالا جائے یا وہ صورت ایسی ہو جو خود انسان کے لئے مضر ثابت ہو جائے مثلاً بلا وجہ جہر میں شدت کرنا یا اپنی جان پر کھیل کر روزہ رکھنا وغیرہ۔ یاد رہے کہ کسی کو ایذا دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی نماز ذکر و عبادت میں خلل واقع ہو یا سونے والے کے آرام میں خلل پڑتا ہو لیکن اگر کسی کا دل ذکر اللہ سے

متنفر ہو اور اللہ تعالیٰ کا نام سن کر شیطان کی طرح جزبہ ہو جاتا ہو اور متنفر ہو کر بھاگتا ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ کا نام لینا، ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور شیطان سے بیزاری کا اعلان ہے۔

- جس صورت میں کسی عبادت کی تمام شکلیں اور ظروف جائز ہوں ایسی صورت میں کسی صورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جائے کہ لوگ سمجھیں کہ اس عبادت اور ذکر کی بس یہی ایک صورت ہے یا بس یہی ایک طریقہ ایسا ہے کہ اس سے عبادت ادا ہوتی ہے۔
- کسی ذکر و عبادت کی صورت ایسی نہ ہو جو لوگوں کو ذکر و عبادت سے متنفر کر دے اور نہ ایسے انداز میں ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہو بلکہ ادب و احترام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا لحاظ کرتے ہوئے ہو۔

## جائز کام جواز کی حد پر قائم رکھنا بھی ضروری ہے:

یہ بات بالکل صحیح اور شریعت مطہرہ اور علماء اسلام کے نزدیک ثابت ہے کہ اگر کسی مباح اور جائز عمل کو کوئی سنت کا درجہ دے یا اس میں دوسرے مفاسد شامل ہو جائیں تو ایسی صورت میں وہ بدعت یا مکروہ بلکہ بعض اوقات حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عمل ہی نیا اور بدعت ہے۔ بلکہ بدعت وہ زائد اعتقاد ہے۔ اور یہی بدعت ہے۔ اسی طرح دوسرے مفاسد کے مل جانے سے مندوب اور جائز کام مکروہ بلکہ حرام ہو سکتا ہے، جس کی وجہ سے اور علماء کرام اس کام کو بدعت قرار دیتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کام کو علی الدوام ممنوع قرار دیا جائے یہ تو شریعت مطہرہ میں تحریف و تبدیل ہوگا کہ ایک جائز کام کو علی الدوام ناجائز قرار دے دیا جائے مثلاً قبروں کو جانا کا ثواب ہے یہ آخرت کی یاد اور موت کی یاد کا سبب بن جاتا ہے اور گذرے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ محبت و تعلق کا اظہار ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اگر کوئی قوم قبروں پر اس لئے جائے کہ ان ہی سے مانگیں یا دوسرے ناجائز اعمال شروع کریں مثلاً طواف وغیرہ تو قبیہ پابندی لگانے میں کوئی حرج نہیں اور نبی کریم ﷺ نے خود بھی ایک زمانے میں اس پر پابندی لگائی تھی لیکن جب عقائد اور اعمال کے بگڑنے کا خطرہ ٹل گیا تو پھر اجازت دیدی۔

اسی طرح اگر کہیں کوئی کسی جائز کام کو سنت قرار دیتا ہے یا نہ کرنے والوں پر نکیر کرتا ہے تو ایسی صورت میں یا تو اس کو مسئلہ بتایا جائے گا لیکن اگر فساد زیادہ ہو تو اس کو منع بھی کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ دائمی طور پر وہ چیز ناجائز قرار دے دی گئی بلکہ اگر ایک جائز کام جس میں کوئی مفسدہ اور غلط عقیدہ شامل نہ ہو مگر کوئی شخص اس کو ناجائز یا حرام سمجھتا ہے تو وہاں علماء کا فرض بنتا ہے کہ وہ قولاً اور عملاً اس کے جواز کو ثابت کر دیں مثلاً

موزوں پر مسح جائز ہے اور فقہاء اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ جہاں لوگ موزوں پر مسح کرنا جائز سمجھتے ہوں تو وہاں کے علماء اور دوسرے سمجھدار لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول و عمل سے یہ ظاہر کریں کہ موزے پہننا اور اس پر مسح کرنا جائز ہے البتہ اگر کوئی قوم موزوں پر مسح کو واجب قرار دیدے تو ان کی اصلاح بھی ضروری ہے تاکہ شریعت کا ہر حکم اپنی جگہ قائم رہے۔

## کوئی کام فی نفسہ بدعت نہیں ہوتا لیکن کسی عارض یا تخصیص کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بدعت بن جاتا ہے:

یہ بات بار بار بتائی جا چکی ہے کہ بہت سے اعمال فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی اس کو کسی ایسے وقت کے ساتھ خاص کر دے کہ بس یہی اس کے کرنے کا وقت ہے اور اسی وقت میں یہ سنت و مستحب ہے تو اس کی بنیاد پر علماء کرام تردید کرتے ہیں کہ وقت کی خصوصیت صحیح نہیں نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتا ہے لیکن جب علماء اس کی ادائیگی کو کسی خاص عمل کے بعد یا اس سے پہلے کرنے سے روکتے ہیں اس میں ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل کسی دوسرے عمل کا حصہ قرار نہ پائے مثلاً فرض نماز کے بعد تکبیر کہنا خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے لیکن بعض علماء نے صرف اس لئے چھوڑ دیا تا کہ لوگ اس کو نماز کا حصہ نہ قرار دیں کہ اس کے بغیر اس کی نماز پوری نہیں ہوتی یا اس لئے چھوڑ دیا تا کہ لوگ اس کو سنت یا واجب قرار نہ دیں جیسا کہ اس کا بیان آگے انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ یا مثلاً سجدہ شکر کو لیجئے کہ یہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ (العیاذ باللہ) امام ابوحنیفہؒ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ عمل کو بدعت قرار دیتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سجدہ شکر نماز کے فوراً بعد کرنا مکروہ ہے یہ وہ اس وجہ سے کہتے ہیں تاکہ کوئی اس زائد سجدہ کو نماز کا حصہ نہ قرار دے، لہذا وہ فی نفسہ اس کو ناجائز یا مکروہ یا بدعت نہیں کہتے۔

حضرت علامہ موطاویٰ سجدہ شکر میں بحث کر کے ان لوگوں کی بات کو مسترد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کو اس لئے مکروہ کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے اور فرمایا کہ یہی سجدہ شکر اکابر صحابہؓ جیسے ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ سے ثابت ہے تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سجدہ شکر مکروہ ہے اور پھر حضرت امامؒ کے قول کی صحیح توجیہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ:

وسجدة الشکر مستحبة بہ یفتیٰ لکنہا تکرہ بعد الصلاة لان

الجهلة یعتقدون انها سنة او واجبة وکل مباح یودی الیہ فهو مکروہ: اور

سجدہ شکر مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے مگر نماز کے بعد سجدہ شکر کرنا مکروہ ہے کیونکہ جاہل



لوگ اس کے متعلق سنت یا واجب ہونے کا عقیدہ رکھیں گے اور ہر مباح عمل جو ایسے (غلط

عقیدے) کا سبب بنتا ہے تو وہ عمل مکروہ ہوتا ہے (طحاوی علی مرقا الفلاح، ص ۲۷۲)۔

علامہ طحاویؒ کی بات واضح ہے کہ نماز کے بعد اگر سجدہ شکر کیا جائے تو بالآخر لوگ نمازوں کے بعد سجدہ شکر کرنے لگیں گے اور اس کو ایک سنت یا واجب امر قرار دیں گے۔ اس لئے ہر کام جو غلط عقیدہ اور خرابی کا سبب بن جاتا ہے تو وہ مکروہ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ سجدہ شکر ہی کو ناجائز اور مکروہ قرار دیا جائے بلکہ ایسے موقع سے بچا جائے جس کی وجہ سے وہ دوسری عبادت کا حصہ بن جائے یا لوگ اس کو سنت یا واجب قرار دے کر بالآخر نہ کرنے والوں پر تکبر کرنے لگیں۔ جیسا کہ بہت سے جائز امور کو جب کسی خاص عبادت مثلاً نماز یا اذان وغیرہ کے آگے پیچھے کا معمول بنایا جاتا ہے تو بالآخر لوگ اس مباح اور جائز عمل کو نماز یا اذان کا حصہ قرار دے دیتے ہیں اور نہ کرنے والوں پر تکبر کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عمل اپنے مقام سے ہٹ کر بدعت اور ناجائز ہو جاتا ہے اگرچہ فی نفسہ وہ کام جائز بلکہ مستحب ہوتا ہے۔

## کیا جہر صرف اذان وغیرہ میں درست ہے؟

علماء کرام ذکر جہر کے جواز یا فضیلت کی بحث میں یوں لکھتے ہیں کہ:

اما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبة والحج : بہر حال

ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا جائز ہے جیسے اذان اور خطبہ اور حج میں (شامی، جلد ۵،

ص ۲۵۵، بزاز بیہ علی ہاش الہندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۹)۔

تو اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ گویا صاحب کتاب کا مطلب یہ ہے کہ اذان وغیرہ کے بغیر کسی وقت بھی ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا جائز نہیں۔ حالانکہ یہاں صاحب کتاب کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ صرف اذان تکبیرات تشریق وغیرہ میں تو جہر جائز ہے اور اس کے بغیر نہیں۔ اگر اس کا یہ مطلب ہو تو ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اذان کو جہر اثابت کریں حالانکہ اذان تو ایک اعلان اور ایک دعوت ہے جس کا تصور بھی بغیر جہر کے نہیں ہو سکتا اور اس میں جہر شدید کا ہونا تو اثر سے ثابت ہے اور تکبیرات تشریق وغیرہ تو جہر اہمی واجب یا مسنون ہیں ان کی تعداد میں تو اختلاف ہے لیکن جہر میں تو نہیں بلکہ جہر کو فقہاء واجب یا مسنون مانتے ہیں لہذا وہ اذان وغیرہ کے جہری ہونے کیلئے دلائل پیش نہیں کرتے بلکہ اس سے استدلال کر کے عام حالات میں ذکر جہر بلکہ رفع صوت اور بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کے جواز کو ثابت کرتے ہیں۔

لہذا ایسے مقامات پر صاحب کتاب کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ جہاں شرعی مانع موجود نہ ہو تو وہاں جہر اور بلند آواز سے ذکر جائز ہے اور وہ اذان اور تبلیہ جس میں زیادہ بلند آواز اچھی ہے اسے دلیل میں پیش کرتے ہیں

کہ دیکھئے تبلیہ وغیرہ میں دعا و پکار اور ذکر ہے وہ بھی زیادہ بلند آواز میں اچھا ہے تو جب یہ ”ادعو ربکم“ اور ”اربعوا“ وغیرہ حدیثوں کے مخالف نہیں تو دوسری جگہوں میں بھی یہ جائز ہے بشرطیکہ کسی کی ایذا اور تکلیف کا سبب نہ بنے۔ نیز اگر مصنف صرف اذان وغیرہ جیسی چیزوں ہی میں جہر کو جائز سمجھتے ہیں جو واجب اور مسنون ہیں اور اس کی علاوہ دوسرے موقعوں پر جہر کو ممنوع قرار دیتے ہیں تو پھر فتاویٰ بزاز یہ میں حدیث ”اربعوا“ اور ”حدیث ابن مسعود“ وغیرہ کا کیوں جواب دیتے ہیں صاف صاف یوں کہتے ہیں کہ چونکہ اذان وغیرہ کے علاوہ جہر قطعاً ممنوع ہے اس لئے عبد اللہ بن مسعودؓ نے بھی اس کو منع کیا تھا۔ حالانکہ وہ ایسے نہیں لکھتے بلکہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے واقعہ سے جواب دیتے ہیں کہ لوگوں نے چونکہ صفت جہر ہی کو عبادت سمجھ لیا تھا اس لئے ان کو منع کیا نیز پھر وہ ذکر جہر اور سرری کی فضیلت کی تفصیل میں یوں کیوں لکھتے کہ: والجمع بینہما بان ذالک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال: اور ان دونوں (طرح کی حدیثوں) میں تطبیق اس طرح ہے کہ جہر اور سرر اختلاف اشخاص اور اوقات سے مختلف ہوتا ہے (شامی، جلد ۵، ص ۲۵۵)۔

تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اذان وغیرہ میں کسی شخص کیلئے سرری لسانی اچھا ہے اور کسی کیلئے جہر، حالانکہ یہ بات نہیں۔ لہذا علماء کی ایسی عبارتوں سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ان چیزوں کو نقل کر کے صرف اتنی بات بتانا چاہتے ہیں کہ جہر قرآن مجید اور حدیث شریف کے مزاج اور اس کے حکم کے خلاف نہیں بلکہ جہاں شرعی مانع نہ ہو وہاں ذکر جہر جائز ہے۔

## رفع الصوت کا مطلب:

رفع الصوت فقہاء کی اصطلاح میں جہر کامل یعنی پوری قوت سے آواز نکالنے کو کہتے ہیں جیسا کہ اس کا بیان پہلے بھی گذر چکا ہے اور انشاء اللہ بعد میں بھی آئے گا۔

## رفع الصوت حدیث اور محدثین کی اصطلاح میں:

جہر اور رفع الصوت کے یہ معنی صرف لغت اور فقہاء کی اصطلاح میں ہی نہیں بلکہ احادیث اور محدثین کی اصطلاح میں بھی رفع الصوت کا مطلب چیخنا چلانا اور پکارنا ہوتا ہے اور جو آواز چیخنے چلانے سے کم ہو اسے دون الجہر کہتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ باب اور عنوان میں یوں فرماتے ہیں کہ:

رفع الصوت بالاھلال: احرام (کے وقت تبلیہ) کے ساتھ آواز بلند کرنا۔ پھر اس باب

اور عنوان کے نیچے حضرت انسؓ کی حدیث کو پیش کرتے ہیں: یصرخون بہما جمیعاً:

صحابہ کرامؓ حج اور عمرہ دونوں میں چلاتے تھے (یعنی آواز بلند کرتے تھے) (بخاری، جلد ۱،

ص ۲۰۹ تا ۲۱۰)۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے یہ امر کیا کہ: اَنْ اَمُرَ اَنْ يَرْفَعُوا اصواتهم بالاھلال او التلبیۃ: کہ میں (اپنے صحابہؓ کو) اس بات کا حکم دوں کہ وہ تلبیہ یعنی لبیک کہنے میں اپنی آوازیں بلند کریں (مشکوٰۃ کتاب المناسک بحوالہ مؤطا امام مالک، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ)۔

اب اسی رفع الصوت یعنی بلند آواز کے حکم کی تعمیل صحابہ کرامؓ نے کیسے کی؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے کریں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

خر جنامع رسول اللہ ﷺ نصرخ بالحج صراخا: ہم آپ ﷺ کے ساتھ اس طرح نکلے کہ ہم حج کیلئے چلاتے تھے (مشکوٰۃ کتاب المناسک بحوالہ صحیح مسلم) اور حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں سواری پر حضرت ابوطحہؓ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا ”وَانْهَمُ لَيَصْرُخُونَ بِهَمَا جَمِيعًا الْحَجَّ وَالْعَمْرَةَ: اور صحابہ کرامؓ دونوں کیلئے (یعنی حج و عمرہ کیلئے) چلاتے تھے“ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری)۔

”صَرَخَةً“ کے معنی چیخنا، چلانا، زور سے آواز دینے کو کہتے ہیں اس لئے اذان کو بھی صَرَخَةً کہا جاتا ہے کہ یہ چلانے کی آواز میں دی جاتی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ خط کے زمانے میں لوگوں کے سامنے دعا مانگ رہے تھے اس میں آتا ہے ”رفع صوته بالاستغفار: استغفار کے ساتھ آپ آواز بلند کر رہے تھے“ اور پھر اسی روایت میں ہے کہ: ”عج الی ربہ: اور اپنے پروردگار سے چلا کر فریاد کی“ (حیۃ الصحابہؓ جلد ۳، ص ۳۳۰)۔

عج کے معنی بھی چیخنے چلانے، پکارنے کے ہیں (لغات الحدیث)۔ نیز نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: ”افضل الحج العج والنسج: افضل حج وہ ہے جس میں چلانا اور بہانا ہو (یعنی جس حج میں چلنا کر اور پکار کر تلبیہ کہنا ہو اور قربانی کا خون بہانا ہو)“ (مشکوٰۃ باب الحج)۔ انشاء اللہ تعالیٰ آنے والی حدیثوں سے خوب معلوم ہو جائیگا کہ جہر معتدل قرآن وحدیث سے بالا جماع ثابت ہے بلکہ جہر شدید بھی اگر مضر اور تکلیف دہ نہ ہو تو وہ بھی جائز ہے اگرچہ اس میں اختلاف ہے لیکن نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کے عمل سے اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے آپ خود معلوم کر سکیں گے۔ کہ جہر اور رفع الصوت میں اس قدر بے جا اختلاف کرنا کہ جہری ذکر پر بدعت اور ناجائز ہونے کا فتویٰ لگایا جائے خود ایک بدعت ہے کہ ایک جائز چیز کے متعلق عدم جواز کا ایک نیا عقیدہ بنا لیا جائے اور حرام وحلال کا اختیار اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنے اختیار میں لے کر اپنی بندگی کرانے کے جرم عظیم کا ارتکاب کیا جائے۔

بسا اوقات اختلاف بہت کم نوعیت کا ہوتا ہے لیکن بعد والے اس کو بڑھاتے رہتے ہیں:

بسا اوقات اختلاف بہت کم نوعیت کا ہوتا ہے مگر کسی امام کے پیروکار اس کو بڑھا دیتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ کا فروعی مسائل میں جو اختلاف ہوتا ہے ان میں سے کسی امام نے اختلافی مسائل میں سے اپنے لئے جس مسئلہ کو اختیار کیا ہے تو ان کے درمیان اختلاف کی نوعیت بہت کم درجہ کی ہوتی ہے۔ لیکن بعد والوں میں سے بعض علماء ان کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور پھر اس مسئلہ کے حق میں اپنی طرف سے ایسے دلائل پیش کرتے ہیں کہ جو اختلاف افضل اور غیر افضل کا ہوتا ہے تو وہ بدعت وغیرہ جیسے اختلاف کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور یہی معاملہ غالباً ذکر جہر میں ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے صراحت کے ساتھ ذکر جہر کے متعلق کوئی ممانعت مستند طریقہ سے منقول نہیں پائی گئی۔ مسند امام ابی حنیفہ، مساند خوارزمی، امام محمدؒ کی کتاب الآثار اور ان کی کتاب زیادات وغیرہ، نیز حضرت امام ابو یوسفؒ کی جو کتابیں بندہ کو میسر آئیں ان میں کہیں بھی ذکر جہر کے متعلق صراحت کے ساتھ ممانعت نہیں پائی گئی اور نہ اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل نظر سے گذری البتہ عید الفطر کے ایام میں راستوں میں جہر اُتکبیر ہونی چاہئے یا کہ نہیں اس مسئلہ میں ائمہ متبوعین کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام محمدؒ اور جمہور ائمہ متبوعین اس بات کے قائل ہیں کہ عید الفطر کے موقع پر راستوں میں تکبیریں بلند آواز سے کہنا مستحب اور مسنون ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے کہ جہری تکبیریں ہونی چاہئیں، لیکن حضرت امامؒ کی ظاہر روایت یہی ہے کہ عید الفطر کے موقع پر تکبیریں جہر اُتکبیر ہونی چاہئیں۔ لیکن بعد کے علماء نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ عید الفطر کے ایام میں جو شخص بھی تکبیریں کہے گا تو سنت سمجھ کر کہے گا اس لئے جائز عمل کو سنت کا درجہ دیدیا جائیگا۔ جس کی وجہ سے یہ بدعت ہو جائیگی پھر آگے چل کر بعض علماء نے ”اذکر ربک“ وغیرہ جیسی آیتوں سے مطلقاً ذکر جہر کے بدعت ہونے کا مسئلہ نکالا جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شریعت مطہرہ نے بلند آواز کے ساتھ ذکر کو مسنون کر دیا وہاں تو یہ جائز اور مسنون ہے لیکن جہاں شریعت مطہرہ نے ذکر کی صورت کو متعین نہیں فرمایا تو ایسی حالت میں چلا کر بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس صورت میں بدعت کہنا اس وقت صحیح ہے جب ذکر جہر کو مسنون سمجھا جائے یا اس سے جہر مفطر یا جہر مضمر ادلیا جائے۔ ورنہ اگر مطلقاً ذکر جہر مراد لیا جائے تو یہ نہ صرف قرآن وسنت کے خلاف ہوگا بلکہ ایک ہی فقیہ کے قول و تحریر میں اس قدر تضاد پایا جائے گا کہ جس کی وجہ سے اپنے علماء کے اقوال و تحریرات بے اعتبار سمجھی جائیں گی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احناف کے بعض فقہاء کے مجمل اقوال کی عبارتوں سے بعض علماء نے جو یہ سمجھا ہے کہ



حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذکر بالجہر بدعت ہے یہ بات قطعاً غلط اور خلاف حقیقت ہے بلکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ذکر بالجہر کو ایسے موقع پر بدعت کہتے ہیں، جہاں ذکر کرنے کا موقع تو ہو مگر جہر ثابت نہ ہو۔ تو ایسے موقع پر ذکر بالجہر کو سنت قرار دینا بدعت ہے۔ مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق تکبیرات تشریق یوم عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کی نماز فجر سے دس ذی الحجہ کی نماز عصر تک آٹھ نمازوں کے بعد شروع ہیں اس سے زیادہ شروع نہیں بلکہ بدعت ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ وغیرہ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ تکبیرات تیرہ (۱۳) ذی الحجہ کی عصر تک یعنی تیس نمازوں کے بعد جہراً واجب ہیں۔ اسی طرح عید الفطر میں عید گاہ کو نماز عید کیلئے جاتے وقت امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جہراً تکبیریں کہنا مستحب ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چپکے کہنا مستحب اور جہراً بدعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ذکر کے مواقع ہیں مگر ان میں جہر سنت سے ثابت نہیں اور جہاں ذکر کا موقع ہو مگر جہر سنت سے ثابت نہ ہو تو وہاں ذکر بالجہر کو سنت قرار دیا جانا بدعت ہے۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ غیر سنت کو سنت کا مقام دے دینا بدعت ہے نہ کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اور جس نے بھی ہمارے فقہاء کے اقوال اور ائمہ مجتہدین کی آراء اور ان کی عبارتوں اور ان کے باہمی اختلاف میں غور و فکر کیا تو وہ اسی نتیجے پر پہنچا ہے جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف مطلقاً ذکر بالجہر کو منسوب کرنا غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

## ذوق کے اختلاف سے ذکر جہر کی افضلیت میں اختلاف:

در اصل عام حالات میں ذکر جہر یعنی جہر شدید جائز ہے یا کہ نہیں یا جہر شدید افضل ہے یا خفی اس اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نقشبندی حضرات رحمہم اللہ جن کے اذکار میں لطائف پر ذکر ہوتا ہے اور وہ خیالی ضربیں دل پر لگاتے ہیں۔ اور اس کے برعکس قادری اور چشتیہ حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ ذکر جہر بتایا کرتے تھے اور جہر بھی اس قدر کہ خوب قوت اور ضرب کے ساتھ ہو۔ چونکہ ہم عصر علماء میں کبھی ذوق کے اختلاف سے بھی اختلاف بڑھ جاتا ہے چنانچہ قادریہ اور چشتیہ طریقہ سلوک سے جو لوگ منسلک تھے وہ ذکر جہر کو ترجیح دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ شدید جہر میں مشقت زیادہ ہے اور لوگوں کو فائدہ ہے وغیرہ اور وہ خیالی ضربوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو ذکر کی کوئی بھی صورت نہیں جہر اگرچہ شدید بھی ہو وہ بھی کم از کم شرعاً تو ثابت ہے جیسا کہ اذان تبلیہ ہے۔ لیکن ذکر کی یہ خیالی صورت تو ذکر کی صورتوں میں سے بھی نہیں اور نقشبندی حضرات جہر کے مقابلے میں اسی خیالی ذکر کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کا نام ذکر خفی رکھ دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ریاء کاری سے دور ہے۔ اخلاص اس میں زیادہ ہے اور اس کے مقابلہ میں ذکر جہر کے خلاف وہ عبارتیں نکال لیتے تھے جو تکبیرات تشریق کی تعداد اور عید الفطر کے دن جہراً تکبیروں کہنے سے متعلق تھیں، تو اس پر قیاس کر کے وہ کہتے تھے کہ جہر (یعنی جہر شدید) بدعت ہے، مکروہ ہے

وغیرہ وغیرہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سارے علماء اور مفسرین کا یہ اختلاف تعصب اور باہمی عناد کی بنیاد پر تھا بلکہ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ بعض علماء اور مفسرین ایسے بھی تھے جن کا اختلاف اپنے ذوق کی بنیاد پر تھا۔ چنانچہ حضرت علامہ شیخ احمد المعروف ملا جیونؒ اپنی تفسیر میں ان کے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ:

ولا یخفی ان الایۃ تدل علی افضلیۃ الذکر الخفی ولہذا قال بعض اہل السلوک ان الذکر الخفی عزیمة والجہر بدعة او مباح و عند البعض الجہر افضل: یاد رہے کہ یہ آیت ذکر خفی کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس لئے بعض اہل السلوک نے کہا ہے کہ آہستہ ذکر عزیمت ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے یا مباح ہے اور بعض کے نزدیک جہر افضل ہے۔

اس کے بعد علامہ ملا جیونؒ فرماتے ہیں:

وهذا بحث مختلف فیہ بین الانام فی زماننا ولا طائل تحته اذ المقصود للکل الوصول الی اللہ تعالیٰ بای طریق کان: اور یہ بحث ہمارے زمانے کے لوگوں میں مختلف فیہ ہو گئی ہے لیکن اس بحث میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اصل مقصد تو سب کا وصول الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب اور تعلق کو حاصل کرنا) ہے جس طریقے سے بھی ہو (تفسیرات احمدیہ، ص ۲۸۱)۔

غرض یہ کہ سر اور جہر کا معاملہ شریعت مطہرہ میں اس قدر سخت نہیں کہ اس کی بنیاد پر کسی کو بدعتی یا فاسق وغیرہ قرار دیا جائے، الا یہ کہ وہ طریقہ ایسا ہو جس میں دوسری غلط چیزیں شامل ہوں مثلاً ساز وغیرہ۔

## کسی عالم یا فقیہ کی ایک مقام پر لکھی ہوئی عبارت کو لے کر دوسرے مقام پر لکھی ہوئی عبارت کو چھوڑ دینا:

کبھی کبھی کسی عالم اور فقیہ یا مفتی کے سامنے کوئی خاص قسم کا واقعہ یا حالت ہوتی ہے تو وہ اس کے مطابق فتویٰ دے دیتا ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ چیز فی نفسہ ان کے نزدیک حرام یا ناجائز ہوتی ہے بلکہ اس کے عدم جواز کا تعلق اس چیز کے ساتھ ملنے والے ناجائز امور کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جو اس قدر بلند آواز کے ساتھ مسجد میں دعا مانگتے تھے جن کی وجہ سے مسجد میں شور و شغب کی فضا بن جاتی اور آواز اس قدر تیز کہ کان بہرے اور بند ہو جاتے تھے ان کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے تو دو بدعتیں جمع کی ہیں ایک بلند آواز سے دعا، دوسری بدعت یہ کہ بلند آواز مسجد

میں (دیکھئے روح المعانی، جلد ۸، ص ۱۳۹)۔ لیکن حضرت علامہ آلوسیؒ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ نفس ذکر جہر ممنوع یا بدعت ہے بلکہ ان کے سامنے جو واقعہ ہے اس کے مطابق لکھتے ہیں ورنہ دوسری جگہ وہ خود جہر معتدل کو ثابت کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اور بعض اشخاص کے لحاظ سے اس کی افضلیت کی تائید بھی کرتے ہیں جیسا کہ اس کتاب میں آپ کو ان کے دونوں طرح کے حوالے مل جائیں گے۔

اسی طرح آپ کو کتابوں میں بہت سے حوالے ایسے مل جائیں گے کہ وہ کسی خاص واقعہ کے متعلق ہوں گے جس کو دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کونسی چیزیں ایسی ہیں جو جائز چیز کے ساتھ مل کر اس جائز کو ناجائز بنادیتی ہیں مثلاً یا تو اس چیز کے متعلق غلط عقیدہ ہوگا کہ وہ چیز مباح یا مستحب ہوگی لوگ اس کو فرض، واجب یا سنت مؤکدہ سمجھنے لگے یا کسی ایک صورت میں ذکر وغیرہ کو منحصر کرتے ہوں گے یا اس میں حد سے زیادہ تجاوز کرتے ہوں گے۔ یا اس کے ساتھ دوسری چیزیں مثلاً بین باجا وغیرہ ملا ہوگا وغیرہ۔ تو ایسے حوالوں کو دیکھ کر غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں بلکہ شاید اسی عالم اور فقیہ کے قول و فعل یا اس کی تحریر میں اس چیز کے متعلق اصل حکم بھی آپ کے سامنے آجائے، جیسا کہ بندہ نے نمونہ کے طور پر حضرت علامہ آلوسیؒ کے حوالے کے متعلق بتایا اور ان کے دونوں طرح کے حوالے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔

## نقل عبارت میں علماء سے تسامح ہو سکتا ہے:

علماء کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ کسی کتاب سے ایک بات ثابت کرنے کیلئے ادھورا حوالہ لکھ دیتے ہیں تا کہ وہ صرف اپنی ایک بات کو ثابت کر دیں اور صرف ایک مسئلہ کی وضاحت کر دیں لیکن اس سے کبھی کبھی یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اسی مسئلہ کے متعلق کتاب والے کی جو رائے ہے یا ان کے نزدیک جو بات ثابت ہوتی ہے اس کو الٹ دیا جاتا ہے یا اسی حوالے کو ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ گویا وہ اس چیز کے عدم جواز کا قائل ہے حالانکہ وہ ان کے نزدیک جائز ہوگی۔ مثلاً امام حافظ الدین محمد بن محمدؒ کی لکھی ہوئی عبارت کو اگر اتنا پیش کیا جائے کہ وہ لکھتے ہیں کہ:

وفی فتاویٰ القاضی رفع الصوت بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعودؓ

انه سمع قومًا اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علیہ الصلوٰۃ و السلام

جہراً فراح الیہم فقال ما عہدنا ذالک علی عہدہ علیہ السلام وما اراکم

الامبتدعین فما زال یدکر ذالک حتی اخرجہم عن المسجد: فتاویٰ قاضی

خان میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت

ہے کہ انہوں نے سنا کہ ایک قوم مسجد میں جمع ہو کر جہر الا الہ الا اللہ اور دور دشریف پڑھتے

ہیں تو وہ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ بات نہیں تھی اور میں تمہیں بدعتی سمجھتا ہوں، بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا (فتاویٰ بزاز یہ علی ہاشم الہندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸)۔

اگر فتاویٰ بزاز یہ کی اتنی ہی عبارت نقل کر کے اس پر اکتفا کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب بزاز یہ بھی علامہ قاضی خان کا ساتھ دے رہے ہیں اور اس کی تائید کر رہے ہیں، حالانکہ اگر ان کے بعد والی عبارت کو ملا دیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاضی خان کی عبارت کو اس کی ٹھیک جگہ پر محمول کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ اسی کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح جن نصوص یعنی قرآن و حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ذکر جہری مکروہ ہے تو وہ اس کا بھی جواب دیتے ہیں (دیکھئے پوری عبارت فتاویٰ بزاز یہ علی ہاشم الہندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸ تا ۳۷۹) نیز اس کی قدر مفصل عبارت اس کتاب میں بھی موجود ہے اس کو پڑھ لیجئے، پھر اس ادھورے حوالہ کو دیکھ لیا جائے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائیگی کہ بعض اوقات ادھورے حوالے سے تحریر اور مضمون کا مقصد و معنی بالکل الٹ جاتا ہے۔

## صحابہ کرامؓ تین مقامات پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے، اس کا مطلب؟

بعض کتابوں میں قیس بن عبادؓ سے ایک بات منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

کان اصحاب رسول ﷺ یکرہون رفع الصوت عند الجنائزہ وعند الذکر

وعند القتال: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب یعنی صحابہ کرامؓ تین موقعوں میں آواز بلند کرنا

مکروہ سمجھتے تھے، جنازہ کے وقت اور ذکر کے وقت اور لڑائی کے وقت (فقہ السنۃ، جلد ۱،

ص ۵۳۸ اور فتح ربانی، جلد ۸، ص ۲۴)۔

ان تینوں مواقع میں آواز بلند کرنے میں خواہ جس چیز کیساتھ بھی ہو بلند آواز میں باتیں کرنا ہو یا ذکر و تلاوت کرنا ہو کو مکروہ سمجھتے تھے اس کی وجہ کیا تھی، لڑائی کے وقت جب عین دست بدست حملہ کا وقت نہ ہو اس کے متعلق تو واضح ہے اس لئے ایسے موقع پر تیز آواز نکالنا دشمن کو موقع دے دینا ہے اور یہی تیز آواز مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے اور جنازے کے وقت تیز باتیں یا اونچی آواز سے ذکر کرنا اس لئے مکروہ سمجھتے تھے کہ مردے کے ساتھ جاتے وقت انسان کو اپنی آخرت اور اپنی موت کی فکر کرنی چاہیئے۔ کہ ایسا دن مجھ پر بھی آنے والا ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی شخص آواز اونچی کرتا ہے، تیز تیز باتیں کرتا ہے یا زیادہ تیز آواز کے ساتھ ذکر کرتا ہے، قرآن مجید پڑھتا

۱۔ اس روایت پر انشاء اللہ تعالیٰ پوری بات اپنے مقام پر آئے گی۔



ہے تو اس کو یہ فکر نصیب نہ ہوگی نیز اس کی وجہ سے دوسروں کی توجہ بھی اس بہترین فکر سے ہٹ جاتی ہے، اس وجہ سے فقہاء کرام بھی جنازے کے ساتھ جاتے وقت بلند آواز سے باتیں بلکہ ذکر و تلاوت کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔ تقریباً تمام فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ جنازہ کے ساتھ جاتے وقت خاموشی اختیار کرنا چاہیے اور تیز آواز کے ساتھ نہ بات ہو نہ ذکر و تلاوت کی جائے تاکہ خود بھی موت اور آخرت کی فکر کریں اور دوسروں کو بھی یہ موقع دیا جائے۔

تیسرا موقعہ جس میں صحابہ کرامؓ آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ ذکر جہر کو مکروہ سمجھتے تھے ورنہ الفاظ یوں ہوتے کہ ”یکرہون الجہر بالذکر“ یا یوں ہوتے ”یکرہون رفع الصوت بالذکر“: جہر کے ساتھ ذکر“، ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے۔ یہاں الفاظ یہ نہیں بلکہ ”عند الذکر“ ہے یعنی ذکر کے موقعہ پر بلند آواز سے باتیں وغیرہ نہیں کرنی چاہیئے، مثلاً بیان ہو رہا ہے تو اس وقت اونچی باتیں بلکہ اونچی آواز سے ذکر بھی نہ کریں یا مثلاً خطبہ پڑھا جا رہا ہے اس وقت بھی چپ رہیں نیز لوگ تلاوت اور ذکر میں مشغول ہوں اس وقت بھی تیز تیز باتیں یا زیادہ تیز آواز سے ذکر و تلاوت کرنا یہ سب اس لئے مکروہ ہے کہ بیان، خطبہ اور دوسروں کے ذکر میں تشویش اور خلل پڑتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہری ذکر کو مکروہ سمجھتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی ذکر ہو رہا ہو اس وقت بلند آواز کر کے خطبہ وغیرہ میں خلل نہ ڈالو اور یہی بات حدیثوں سے بھی ثابت ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر احادیث پیش کی جائیں گی، اگر مذکورہ عبارت سے یہ مطلب لیا جائے کہ ذکر یعنی تسبیح و تہلیل اور قراءت قرآن کو جہر کے ساتھ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ یہاں الفاظ ”بالذکر“ نہیں بلکہ ”عند الذکر“ ہیں۔

نیز صحابہ کرامؓ کے خود اپنے عمل سے ذکر بالجہر ثابت ہے جیسا کہ انشاء اللہ پورا بیان آنے والا ہے جس سے ثابت ہوگا کہ ذکر جہر غیر ممنوعہ مواقع کے علاوہ قرآن، حدیث اور عملی اجماع سے ثابت ہے اور علماء نے بھی ”عند الذکر“ سے یہی معنی لیا ہے۔ چنانچہ علامہ احمد الرحمن قیس بن عبادؒ کے اسی قول کو نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ:

ومثل ذلك قالت الحنفية والمالكية أي بكراهة رفع الصوت امام

الجنازۃ و لوبذکر او قراۃ: اور اسی طرح خفی اور مالکی مسلک والوں نے کہا ہے کہ

جنازہ کے آگے آواز بلند کرنا اگرچہ کسی ذکر یا تلاوت قراءت کے ساتھ ہو (پھر بھی مکروہ

(ہے) (فتح الربانی، جلد ۸، ص ۲۴)۔

اگر علماءِ قیس بن عبادہ کے جملہ سے یہ مطلب لے لیتے کہ مطلقاً ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا ہی مکروہ ہے پھر تو عبارت یوں ہونی چاہئے کہ ذکر و تلاوت کے ساتھ آواز بلند کرنا تو ویسے بھی مکروہ ہے، مگر باتیں بھی تیز آواز کے ساتھ مکروہ ہیں یہاں تو عبارت بالکل برعکس ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اگرچہ ذکر پر آواز بلند کرنا فی نفسہ ممنوع

نہیں کیونکہ بعض اوقات لوگوں کیلئے ترغیب اور تذکیر کا سبب بن جاتا ہے اور لوگوں کو فضول باتوں سے دور کرنے کا ذریعہ اور سبب بن جاتا ہے لیکن جنازہ کے ساتھ جاتے وقت دوسری باتوں پر آواز بلند کرنا تو مکروہ ہی ہے بلکہ ایسے وقت میں ذکر یا بجز بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ آخرت و موت کی فکر میں خلل ڈالتا ہے اور وجہ وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی اور امام نوویؒ نے بھی جنازہ کے ساتھ رفع الصوت یعنی بلند آواز کے مکروہ ہونے کی وجہ تقریباً اسی طرح بتائی ہے۔ (کتاب الاذکار للنووی، ص ۱۴۶)

جب بعض علماء کہتے ہیں کہ جہر یہ ہے کہ خود سننے اس میں غلط فہمی:

بعض علماء کے نزدیک خفی نماز بھی اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتی جب تک نمازی اپنی قرأت کو خود نہ سن سکے بشرطیکہ اس کے کان درست ہوں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو سناتا ہے تو جو لوگ اس کے قریب ہوں گے وہ بھی اس کی قرأت کو سن سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات جہر کے متعلق پھر یوں لکھتے ہیں کہ کم از کم جہر جس سے نماز صحیح ہو جائے وہ اس قدر ہے کہ دوسرے ایسے لوگوں کو سناسکے جو اس کے بالکل قریب نہ ہوں۔ اور حافظ ابن تیمیہؒ (وَإِذْ كُنَّا رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ) (الایۃ کے تحت) (إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ، يَدَآءَ خَفِيًّا) کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

فالاخفاء قديكون بصوت يسمعه القريب هو المناجاة: پس اخفاء كجھي ايسي آواز

میں بھی ہوتا ہے کہ قریب کا شخص اس کو سن لیتا ہے، تو یہی مناجات ہے (تفسیر کبیر، حافظ

ابن تیمیہؒ، جلد ۴، ص ۳۲۰)۔

اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر صرف زبان حرکت کرتی ہے اور حروف صحیح ادا ہوں تو پھر سب سے صحیح ہو سکتی ہے اور کم سے کم جہر کی تعریف یہ علماء یوں کرتے ہیں کہ جب آواز اس قدر ہو کہ خود اچھی طرح سن سکتا ہو تو پھر اس پر جہر کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ اور ان علماء کیلئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ والی حدیث بھی دلیل بن سکتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں؛

لم يخافت من اسمع اذنيه: جس شخص نے اپنے کانوں کو سنا دیا اس نے آہستہ نہیں

یڑھا (مجمع الزوائد، جلد ۲، ص ۲۶۷)۔

دیکھئے یہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مطلب یہی تو ہے کہ جو اپنے کانوں کو سنائے تو اس نے اپنی قرأت کو حد انفاء سے نکال دیا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ فقہاء اور علماء اس بحث کو اس لئے نہیں چھیڑتے کہ اس سے زیادہ جہر ناجائز

واعلم ان الصواب والمختار ما كان عليه السلف رضى الله عنهم السكوت في حال السير مع الجنائز فلا يرفع صوتاً بقرأة ولا ذكر ولا غير ذلك والحكم فيه ظاهر وهو انه اسكن لخاطره واجمع لفكره فيما يتعلق بالجنائز (كتاب الاذكار، ص ١٢٦)

ہے یا حرام و مکروہ ہے، بلکہ وہ صرف یہ مقدار اس لئے بتاتے ہیں کہ اس سے طلاق، عتاق، نماز وغیرہ صحیح ہو سکتی ہیں یا کہ نہیں۔ مثلاً علامہ ابن نجیمؒ اس بحث میں اکثر مشائخ کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ،

واكثر المشائخ على ان الصحيح ان الجهر ان يسمع غيره والمخافة ان يسمع نفسه وهو قول الهند واني وكذا كل ما يتعلق بالنطق كالسمية على الذبيحة ووجوب السجدة بالتلاوة والعتاق والطلاق والاستثناء حتى لو طلق ولم يسمع نفسه لا يقع وان صح الحروف وفي الخلاصة الامام اذا قرء في صلوة المخافة بحيث سمع رجل اور رجلان لا يكون جهراً والجهر ان يسمع الكل

اور اکثر مشائخ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جہر یہ ہے کہ دوسروں کو سنائے اور آہستہ پڑھنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور یہی امام ہند وانی کا قول ہے اور یہی تفصیل ان سب چیزوں کے متعلق ہے جو بولنے سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا اور سجدہ تلاوت کا تلاوت سے واجب ہو جانا اور غلام کو آزاد کرنا اور طلاق دینا اور استننا کرنا، حتیٰ کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو (ایسے انداز میں) طلاق دی کہ اس نے اپنے کو نہیں سنایا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اگرچہ اس نے (زبان ہلا کر) حروف صحیح ادا کئے ہوں اور خلاصہ الفتاویٰ میں ہے کہ امام جب سری نماز میں خفیہ قرأت (ایسے انداز میں) کرتا ہے کہ وہاں ایک دو آدمی اسے سنیں تو وہ جہر نہ ہوگا جہر تو یہ ہے کہ سب سنیں (یعنی جو بالکل قریب ہوں وہ بھی سنیں اور جو دور ہوں وہ بھی) (بحر الرائق، جلد ۱، ص ۳۳۶)۔

مذکورہ عبارت سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگر کسی نے بسم اللہ پڑھی لیکن کان درست ہونے کے باوجود اس نے ایسے انداز میں نہ پڑھی کہ خود سنے تو گویا اس نے بسم اللہ خفیہ بھی نہیں پڑھی تو ذبح صحیح نہ ہوگی اس انداز کے ساتھ قراءت ہوگی تو نماز صحیح نہ ہوگی طلاق واقع نہ ہوگی، اگرچہ حروف صحیح ادا کئے ہوں لیکن دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ زبان کو ہلانا اور حروف کی صحیح ادائیگی کرنا ہی سری نماز وغیرہ میں ضروری ہے اگر خود نہ بھی سن سکے پھر بھی سری نماز صحیح ہوگی اور یہی بات وہ جہر کے متعلق جہری نماز کے بارے میں کہتے ہیں۔ اب یہاں صرف دو مفسرین کی رائے اس کے متعلق لکھ دیتا ہوں۔

علامہ قرطبیؒ ”دون الجہر“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ؛

ای دون الرفع فی القول ای اسمع نفسک کما قال وابتغ بین ذالک سبیلاً ای بین الجہر والمخافة و دل هذا على ان رفع الصوت بالذكر ممنوع: آواز بلند نہ کریں یعنی اپنے نفس کو سنائے جیسا کہ ”وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا“ میں ہے یعنی جہر اور اخفا کے درمیان اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذکر کے ساتھ آواز

بلند کرنا ممنوع ہے (تفسیر قرطبی، جلد ۷، ص ۳۵۵)۔

یہاں بلند آواز سے علامہ قرطبی کا جہر شدید جہر مفطر مراد ہے نہ کہ جہر معتدل غور کیجئے انہوں نے دون الجہر کے معنی دون الرفع سے واضح کئے پھر لکھتے ہیں کہ اپنی جان کو سناؤ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور نہ سنیں بلکہ اس کے بعد خود فرماتے ہیں کہ؛

یہ حکم ایسا ہے جیسا کہ؛ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا میں جہر معتدل کا حکم تو ہے البتہ جہر کامل جیسے رفع الصوت کو کہتے ہیں وہ اس آیت کی رو سے ممنوع ہے۔ اور جس آیت یعنی ”وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا“ پر جو حوالہ دیا ہے اور اس آیت کے ترجمہ میں علامہ قرطبیؒ یوں لکھتے ہیں ”نزلت و رسول الله صلى الله عليه وسلم متوار بمكة وكان اذا صلى باصحابه رفع صوته بالقرآن فاذا سمع ذالك المشركون سبوا القرآن ومن انزله ومن جاء به فقال الله تعالى 'وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ' فيسمع المشركون قرأتك وَلَا تُخَافُ بِهَا عن اصحابك اسمعهم القرآن وَلَا تَجْهَرُ ذالك الجهر: یہ آیت ایسی حالت میں نازل ہوئی جبکہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپے ہوئے تھے اور جب آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھاتے تھے تو تلاوت قرآن پر آواز بلند کرتے تھے پھر جب یہ قراءت مشرکین سن لیتے تو قرآن مجید پر اور قرآن مجید نازل کرنے والے پر سب و شتم کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ قراءت ایسے جہر کے ساتھ پڑھئے... کہ مشرکین آپ کی قراءت سنیں اور نہ اس کو صحابہ کرامؓ سے چھپا کر پڑھیں (بلکہ) ان کو تلاوت قرآن سنائیں اور اس طرح جہر نہ کریں (جو آپ ﷺ پہلے کر رہے تھے بلکہ اعتدال کے ساتھ جہر کریں) (تفسیر قرطبی، جلد ۱، ص ۳۴۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ”وَادْكُورُ رَبِّكَ فِى نَفْسِكَ“ میں جو بات علامہ قرطبیؒ نے لکھی ہے کہ بین الجہر و المخافة اور اس کا حوالہ بھی اسی آیت پر دیا تھا تو ان کے نزدیک جہر معتدل جائز ہے اور ان کے نزدیک رفع الصوت یعنی کامل جہر ممنوع ہے۔ نیز دیکھئے علامہ سید محمود آلوسیؒ ”وَادْكُورُ رَبِّكَ فِى نَفْسِكَ“ کے تحت لکھتے ہیں؛

والمراد بالجهر رفع الصوت المفطر و بما دونه نوع اخر بين الجهر قال ابن عباس رضى الله تعالى عنه هو ان يسمع نفسه وقال الامام المراد ان يقع الذكر متوسطا بين الجهر والمخافة كما قال تعالى وَلَا تَجْهَرُ



بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا: اور جہر سے مراد حد سے زیادہ آواز بلند کرنا ہے اور جو اس (جہر مفطر اور جہر شدید) سے کم ہو وہ جہر کی ایک اور قسم ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنا سکے اور امامؑ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد متوسط ذکر ہے کہ جہر اور آہستہ کے درمیان ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؛ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا (روح المعانی، جلد ۹، ص ۱۵۴)۔

یہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول سے مغالطہ نہ کھائیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہر مفطر سے جو کم ہو گیا تو وہ اس قدر جہر ہے کہ بس خود سن سکے۔ یہاں تو علامہ آلوسیؒ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک جہر اور سر کے درمیان ذکر کی حد اس سے شروع ہوجاتی ہے کہ خود سن سکے تو اس قدر جہر آواز سے جہر کا ادنیٰ درجہ شروع ہوتا ہے اس کا آخری درجہ اس قدر ہے کہ جہر مفطر تک نہ پہنچے ورنہ اگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مطلب یہ بیان کیا جائے کہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ خود کو سنا سکے تو پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر جو بخاری و مسلم وغیرہ میں صحیح طور پر ثابت ہے وہ تو یہی ہے کہ اس قدر جہر کریں کہ صحابہؓ کو سنا سکیں لیکن اس قدر اونچی آواز نہ ہو کہ آواز دور دور تک جائے کہ کفار و مشرکین سنیں اور وہ آپ ﷺ کو ایذا پہنچائیں، جیسا کہ اس کا بیان خود اسی روح المعانی میں موجود ہے۔ چنانچہ ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا“ کے تحت علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں؛

اخرج احمد و البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن حبان و غیر ہم عن ابن عباسؓ قال نزلت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف بمكة فكان اذا صلى باصحابه رفع صوته بالقرآن فاذا سمع ذالك المشركون سبوا القرآن و من انزلہ و من جاء به فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ علیہ الصلوۃ والسلام وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ اِی بقرأتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن وَلَا تُخَافُ بِهَا عن اصحابک فلا تسمعهم القرآن حتی یاخذوا عنک و ابْنُ عَبَّاسٍ بَيَّنَ ذَالِكَ سَبِيْلًا: امام احمد صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپے ہوئے تھے تو جب آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھاتے تھے تلاوت قرآن کے ساتھ آواز کو بلند کرتے تھے جب یہ مشرکین سنتے تھے تو قرآن اور اس کے نازل کرنے والے اور اس کے لانے والے کو گالیاں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا (وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا) یعنی تلاوت قرآن مجید کے ساتھ (اتنی) آواز بلند نہ کرو کہ مشرکین سن لیں اور قرآن کو گالیاں دیں اور صحابہ کرامؓ سے

بالکل چھپا کر بھی نہ پڑھیں کہ وہ بھی نہ سن سکیں، حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ سے قرآن مجید کو حاصل کر سکیں (اور سیکھ سکیں) اور درمیانی راہ اختیار کریں (یعنی جہر میں اعتدال رکھیں) (روح المعانی، جلد ۱۵، ص ۱۹۴)۔

یہ جہر اور اخفاء کے درمیان جو تفسیر ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح طور پر ثابت ہے جس سے ساری غلط فہمیاں دور ہوجاتی ہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف جہر مفطر میں ہے نہ کہ جہر متوسط میں۔ نیز امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغویؒ ”وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ“ کے تحت لکھتے ہیں کہ؛

(جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تعلیم یہ ہے کہ سری نماز میں آہستہ اور عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے تلاوت کریں اور دون الجھر کا مطلب یہ ہے کہ جہر نماز میں شدید جہر نہ کریں بلکہ درمیانی ایسی قراءت کریں کہ اپنے مقتدیوں کو سنا سکیں اور پھر اس کے بعد امام بغویؒ نے مجاہد اور ابن جریجؒ کا قول نقل کیا ہے کہ؛ امر ان یذکروا فی الصدور وبالتضرع الیہ دون رفع الصوت و الصیاح بالدعاء: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں میں یاد رکھیں اور اس کی طرف گڑگڑائیں اور دعا آواز بلند اور چلائے بغیر کریں (معالم تنزیل)۔

اگر عبارت میں خوب غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ علماء رفع الصوت اور بلند آواز جہر مفطر اور جہر شدید اور چلائے کو کہتے ہیں اور یہی جہر کے لغوی معنی ہیں اور جو ذکر و دعا اور تلاوت چلائے بغیر ہو وہی جہر معتدل میں شمار ہے۔

## ذکر جہر اور حدیث ”اربعوا علی انفسکم“:

علماء کی چند عبارتیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں ان پر بحث کرنے کے بعد براہ راست قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ اس مسئلہ کی حقیقت اور نوعیت قرآن وحدیث کی رو سے اچھی طرح واضح ہو جائے۔ ذکر جہر کے متعلق پورے ذخیرہ حدیث میں صرف ایک حدیث موجود ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہر میں بے اعتدالی نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر کیلئے نکلے یا کہ جب آپ ﷺ غزوہ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے اور لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) جب ایک وادی میں پہنچ گئے تو انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛

اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون اصم ولا غائباً انکم تدعون سمیعاً قریباً و هو معکم: اپنی جانوں پر نرمی (اور مہربانی) کرو کیونکہ تم بہرے اور غائب کو نہیں

پکار رہے ہو بلکہ تم اس ذات کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ

ہے (صحیح بخاری کتاب المغازی، جلد ۲، ص ۶۰۵)۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے متعدد جگہ روایت کیا ہے اور امام مسلمؒ نے بھی صحیح مسلم میں نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے "فكنا اذا علونا كبرنا: پس جب ہم بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے" (بخاری کتاب الدعوات)۔ تیسری روایت میں ہے: "لانسعد شرفاً ولا نعلو شرفاً ولا نهبط في وادٍ الا رفعنا اصواتنا بالتكبير: ہم کسی بلند (یعنی ٹیلے یا پہاڑ) پر نہیں چڑھتے اور نہ کسی بلندی پر پہنچتے اور نہ ہم کسی وادی میں اترتے مگر ہم اپنی آوازوں کو تکبیر کے ساتھ بلند کرتے (یعنی ہر بلندی پر چڑھتے وقت اور اس کے اوپر پہنچتے وقت، بلندی سے وادی میں اترتے وقت ہم بلند آواز کے ساتھ اللہ اکبر، اللہ اکبر پڑھتے)" (بخاری کتاب القدر)۔ چوتھی روایت میں یوں آیا ہے "فلما علا عليها رجل نادى فرفع صوته، لا اله الا الله و الله اكبر، جب ایک آدمی ٹیلے کی چوٹی پر پہنچا تو نعرہ لگایا اور آواز بلند کے ساتھ لا اله الا الله و الله اكبر کہا (بخاری کتاب الدعوات، مسلم کتاب الذكر والدعاء)۔

مذکورہ بالا روایتوں سے یہ ثابت ہوا کہ غزوہ خیبر کے موقع پر صحابہ کرامؓ بلندیوں پر چڑھتے اور اترتے وقت تکبیر و تہلیل کے نعرے لگاتے تھے اور چلا چلا کر اللہ اکبر اور لا اله الا الله پکارتے تھے قابل غور بات یہ ہے کہ اس پر نبی کریم ﷺ نے مذکورہ الفاظ کے ذریعے کس چیز اور کس عمل سے روکا اور کیوں روکا۔ اگر اس کا جواب یہ دیا جائے کہ نفس جہر سے روک رہے ہیں تو یہ جواب بالکل غلط ہے کیونکہ اگر نفس جہر سے روک رہے ہیں تو غزوہ خیبر کے بعد بھی جنگیں ہوئی ہیں ان میں بھی صحابہ کرامؓ حملہ کرتے وقت اور دوسرے مواقع میں بھی بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے اور تلبیہ و تکبیر تشریق سے وادی گونج اٹھتی تھی اور "لبيك اللهم لبيك: حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، کو خوب بلند آواز سے پکارتے حالانکہ یہ حاضر ہونے اور جس کیلئے حاضر ہوا ہے اس کا اقرار تو جتنا بھی خفیہ ہو سکے ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخاطبہ ہے حالانکہ اس وقت کسی نے یہ نہیں کہا کہ اتنے زور زور سے تلبیہ کیوں کہہ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو سميع و قریب اور تمہارے ساتھ ہیں اور نہ آپ ﷺ کی کسی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "اربعوا" کی بات کو منسوخ قرار دیا ہو بلکہ اسی "اربعوا" کے لفظ کے ہوتے ہوئے جہراً تلاوتیں ہوتی رہیں، تکبیریں ہوتی رہیں اگر کوئی یہ کہے کہ جہر کی یہ بعض صورتیں نبی کریم ﷺ نے اس جہر سے مستثنیٰ کی ہیں اور اس کے علاوہ تمام موقعوں پر ذکر جہر پر پابندی لگائی ہے تو وہ استثناء کس حدیث سے ثابت ہے یا یوں کہا ہو کہ تلاوت تو جہراً کرو لیکن ذکر جہر نہ کرو۔ اگر کوئی کہتا ہے "اربعوا" امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس امر پر بعد میں کیوں عمل نہ ہوا۔ العیاذ باللہ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی بات کو ٹھکرانے والے تھے حالانکہ اس امر کے بعد بھی جہراً تلاوتیں ہوتی رہیں، تکبیریں ہوتی رہیں۔

عرض یہ ہے کہ "اربعوا" کے حکم اور واقعہ میں غور کریں اور نبی کریم ﷺ کا خود اپنا عمل اور صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ حکم وجوب کیلئے نہیں بلکہ یہ "شفقت" کی بناء پر ہے۔ صحابہ کرامؓ اس حکم کو خوب اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور پورا واقعہ ان کے سامنے تھا کہ جہاد کو جاتے وقت اور غالب یہی ہے کہ خیبر سے واپس آ رہے تھے بلکہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تھے، تھکے ماندھے ہیں پھر چڑھتے وقت اور چوٹیوں پر پہنچتے وقت اور چوٹیوں پر سے اترتے وقت زور زور سے تکبیریں کہنا بلاشبہ اپنے آپ کو بلا وجہ مزید تھکاؤ و مشقت میں ڈالنا ہے، بہر حال یہاں "اربعوا" کے حکم کی علت شفقت ہی ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اربعوا علی انفسکم" یعنی اپنی جانوں پر آسانی کرو۔ اس کے بعد یہ جملے عموماً محاورت کے طور پر بھی بولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی آپ کے سامنے بہت زور زور سے بولتا ہے اور تم اس کو کہتے ہو کہ آرام سے بولو میں بہرہ تو نہیں اور یہ ایک تنبیہ ہوتی ہے ورنہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس بات کو تو جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور قریب ہیں کیونکہ یہ واقعہ تو مدینہ منورہ کا ہے اور مکہ مکرمہ میں قرآن کی جتنی سورتیں اور آیتیں نازل ہو چکی ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے وہ سميع و بصیر ہے وغیرہ وغیرہ۔ لہذا ان الفاظ سے نبی کریم ﷺ نے اس بات کی وضاحت کر دی کہ آخر ذکر اور تکبیریں تو آرام سے کرنی بھی جائز ہیں، تو جب ضرورت نہ ہو تو بلا وجہ اپنے آپ کو مشقت میں کیوں ڈالتے ہو۔ لہذا اپنے اوپر آسانی کرو اور مہربانی اور نرمی کرو یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ شفقت کیلئے ہیں ورنہ ذکر جہر میں ہر کوئی جانتا ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں سنا تا بلکہ وہ خود اپنے آپ کو سناتا ہے اور خود اپنے دل اور اپنے آپ کو جگا تا ہے نیز صحابہ کرامؓ چونکہ ایسے موقعوں میں جہراً تکبیریں کہتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے ایک صورت یہ بھی بتلا دی کہ ایسے مواقع میں یہ بھی جائز ہے کہ آہستہ آواز سے تکبیر و تہلیل کی جائے ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر نبی کریم ﷺ ان کو کچھ بھی نہ کہتے تو سفر کے وقت ٹیلوں پر چڑھتے اور اترتے وقت جہراً ذکر کرنا سنت قرار دیا جاتا اور جس کی وجہ سے امت مشقت میں پڑ جاتی تو نبی کریم ﷺ نے بتلا دیا کہ جہر کے بجائے سر بھی جائز ہے۔

نیز "اربعوا" کے معنی یہ نہیں کہ چپکے چپکے پڑھتے رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر آسانی کرو اپنی جانوں کو مشقت میں نہ ڈالو اس کو جہر معتدل کہتے ہیں کہ اس قدر جہر نہ ہو جس سے مشقت میں پڑ جاو یا اس سے زیادہ مشقت اٹھانا پڑے جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس کے معنی یوں بیان کرتے ہیں؛

اربعوا لاتجهدوا انفسکم: نرمی کرو اور اپنے نفسوں کو مشقت

میں نہ ڈالو (فتح الباری، جلد ۱۱ ص ۱۹۱)۔

اور اس پر "بہرے اور غائب" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کیونکہ عموماً جب بہرے یا جب کوئی شخص گم ہو جائے اور نظروں سے غائب ہو تو اس کو نعرے لگائے جاتے ہیں۔ تو یوں نبی کریم ﷺ نے نعرے لگانے سے روکا کہ اللہ



تعالیٰ کو ایسے نہ پکارو جیسا کہ کوئی بہرے اور غائب کو پکارتا ہے یہ تو واضح ہے کہ بہرے اور غائب کو نعرے اور چیخ کر پکارا جاتا ہے۔

بلاشبہ ایسی تیز آواز نہ صرف یہ کہ آواز نکالنے والے کی صحت اور بدن کیلئے مضر ہے بلکہ کان اور دماغ کو تھکانے اور درد سر کا باعث بن جاتی ہے آج کل جلسوں میں جو نعرے لگائے جاتے ہیں اور لاؤڈ سپیکروں میں رات دن جو دیوہیکل آوازیں نکالی جاتی ہیں ان آوازوں سے خود اپنے گلے پھاڑنے کے ساتھ عام لوگوں کیلئے بھی تکلیف اور ایذا کا باعث بن رہے ہیں۔ بلاشبہ بلاضروت ایسے نعرے لگانا جبکہ اس کیلئے کوئی داعیہ اور ضرورت موجود نہ ہو مثلاً اذان میں ضرورت ہے یا جہاں دین کا اظہار کرنا ہو، یا دشمن پر رعب جمانا ہو یا کسی منتشر فکر اور وسوسوں کا علاج مقصود ہو وغیرہ تو اس کے بغیر بلاوجہ زیادہ زور زور سے ذکر اور تکبیر کر کے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا صحیح نہیں ہے۔ خصوصاً جب یہ جہر دوسروں کو ایذا اور ان کی نماز وغیرہ میں تشویش کا سبب بنے۔

### حدیث ”اربعوا“ اور محققین علماء:

اب یہاں ”اربعوا“ اور اسی حدیث کے محققین علماء کی رائے بھی پڑھ لیجئے۔ حضرت امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

”اربعوا“ کے معنی ”ارفقوا“ نرمی اور آسانی کرو آخر میں فرماتے ہیں کہ: ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اذالم تدع حاجة الی رفعه فانه اذا خفضه كان ابلغ فی توقیرہ وتعظیمہ فان دعت حاجة الی الرفع رفع کما جاء ت به احادیث: پس اس حدیث میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ جب بلند آواز کی کوئی ضرورت نہ ہو تو ذکر میں آواز پست کرنا مستحسن (یعنی اچھا) ہے۔ کیونکہ آہستہ آواز میں اس کی توقیر و تعظیم زیادہ ہے البتہ اگر بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت ہو تو پھر بلند آواز سے ذکر کرنا چاہئے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے (شرح النووی علی صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۳۴۶)۔

اس حدیث میں ”اربعوا“ کا جو امر ہے اس کو حضرت امام نوویؒ نے بھی استحباب پر محمول کیا ہے یہ امر استحبانی ہے نہ کہ وجوب کیلئے بلکہ فرماتے ہیں کہ پست آواز مندوب ہے کہ اس میں تعظیم و توقیر زیادہ ہے یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں ”رفع الصوت“ بلند آواز کے مقابلہ میں خفض الصوت ”پست آواز“ آ جاتی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ جہر نہ کرے بلکہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ آواز کو نیچے کیا جائے کیونکہ صوت کے معنی آواز کے ہیں اور جو آواز جہر شدید سے پست اور کم ہو تو یہ آواز جہر معتدل اور جہر متوسط کہلاتی ہے۔ اور پھر ”اذالم تدع حاجة

الی الرفع“ الفاظ سے یہ بھی بتلا دیا کہ جب بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت یا کوئی اور ضرورت پیش آئے مثلاً دین کے اظہار کیلئے ہو اپنی نیند اور دل بیدار کرنے کیلئے اور یکسوئی پیدا کرنے کی حاجت ہو، یہاں ”حاجة“ نکرہ ہے جس کے معنی کوئی بھی حاجت، کوئی ضرورت ہو تو پھر بلند آواز مندوب ہے۔ یہ صرف حضرت امام نوویؒ کی تحریر میں نہیں بلکہ علماء احناف اور تقریباً تمام مسالک اور مذاہب کے علماء کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔

میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی عالم نے ”خفض الصوت“ پست آواز سے مراد ”چپکے چپکے“ ذکر کرنا نہیں لیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خفض الصوت کا مطلب اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے کہ کوئی عالم کبھی اس کو ”چپکے“ کے معنی میں لے لیتا ہے تو یہ اس کی خاص اصطلاح ہوگی ورنہ رفع الصوت کے مقابلہ میں خفض الصوت کے معنی یہی ہے کہ آواز ہو مگر زیادہ اونچی نہ ہو بلکہ معتدل یا پست ہو۔ کیا آپ جب کسی کے ساتھ پست آواز میں باتیں کرتے ہیں تو چپکے چپکے کرتے ہیں یا جب کوئی بہت اونچا بولتا ہو اور تم اس کو کہتے ہو کہ آواز پست کرو تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ چپکے چپکے ہو بلکہ یہی ہوتا ہے کہ زیادہ زور زور سے مت بولو۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث کے ”اربعوا“ والے حکم کو صرف امام نوویؒ نے نہیں بلکہ بہت سے فقہاء اور محدثین نے ندب یا شفقت پر محمول کیا ہے اور یہ اس لئے کہ حدیث کا واقعہ اور الفاظ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ یہ حکم شفقت یا ندب کیلئے ہے نہ کہ وجوب اور ذکر جہر کے عدم جواز کیلئے۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

اے سرمدِ زمانِ نرمی و اسامانی کنید بسرِ نفسہائے خود زبیر کہ شائے نہ خواہند کرد و غائب راضیوں۔ ”اربعوا“ دلالت دار کہ منع از جہت شفقت است نہ از جہت جواز: اے لوگوں! اپنے نفس پر نرمی اور آسانی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے، اس مضمون میں لفظ ”اربعوا“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا نہ کہ اس وجہ سے کہ جہر جائز نہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ قادریہ کے اشغال کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

فاول ما یلقى له الجہر بذكر اللہ تعالیٰ والمراد بهذا الجہر هو غیر المفطر فلا منافاة بینہ و بین مانہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث قال اربعوا علی انفسکم: مشائخ قادر یہ سب سے پہلے ذکر بالجہر کی تلقین کرتے ہیں اور اس جہر سے مراد ہے کہ جہر میں افراط نہ ہو اسی وجہ سے یہ ذکر بالجہر اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا ہے کہ اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو (القول الجمیل)۔

حضرت علامہ عبدالحق لکھنویؒ اس حدیث کے متعدد جوابات دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

احدهما ان الامر اربعوا ليس لوجوب حتى يكره الجهر او يحرم كيف ومعنى الربع يني عن ان الامر انما هو للتيسير عليهم: ان دونوں میں ایک جواب یہ ہے کہ یہاں امر وجوب کیلئے نہیں حتیٰ کہ جہر کو مکروہ یا حرام قرار دیا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اربعوا کے معنی خود اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یہاں حکم صرف ان پر آسانی کیلئے کیا گیا ہے (سباحۃ الفکر، ص ۱۴)۔

اس کے بعد حضرت علامہ لکھنویؒ نے اپنی اس بات کی تائید میں متعدد حوالے نقل کر کے اس حدیث کا دوسرا جواب یوں دیا ہے کہ:

وثانيها بان جهرهم كان مفراطاً كما يدل عليه سياق بعض الروايات دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے جہر میں افراط تھا جیسا کہ اس پر بعض روایات دلالت کرتی ہیں۔ حضرت لکھنویؒ پھر اس کے بعد کچھ روایتیں اس پر بیان کر کے آخر میں ایک تیسری وجہ بھی بتلاتے ہیں کہ: ووجه ثالث هو انه لو لم يمنعه رسول الله صلى الله عليه وسلم بل قررهم عليه لتوهموا ان رفع الصوت بالذكر في السفر وعند الصعود مسنون فان السنيتة كما ثبت بالفعل والقول تثبت بالتقرير وليس كذا لك فلذلك نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عنه سداً للذرائع وتيسيراً على الامة لادلالة على منع الجهر مطلقاً.

تیسرا جواب یہ ہے کہ:

اگر رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو منع نہ فرماتے بلکہ اس جہر اور بلند آوازوں پر رہنے دیتے تو صحابہ کرامؓ اور بعد میں آنے والی امت یہ دھم کرتے کہ سفر میں اور ٹیلے پر چڑھتے وقت بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا مسنون ہے کیونکہ سنت جس طرح نبی کریم ﷺ کے فعل اور قول سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح تقریر (یعنی آپ ﷺ کے سامنے کوئی کام ہو رہا ہو اور آپ ﷺ اس کو اسی طرح کرنے دیں) سے بھی ثابت ہوتی ہے، حالانکہ یہ سنت تو نہیں لہذا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسے سد الذرائع کیلئے اور امت پر آسانی کیلئے (تاکہ امت بلند آواز کے ذکر کو سنت نہ قرار پائے) منع کیا اور اس میں مطلقاً ذکر جہر روکنے کی کوئی دلالت نہیں ہے (سباحۃ الفکر، ص ۱۴ تا ۱۵)۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملہم میں لکھتے ہیں کہ:

۱۔ یعنی بہت زیادہ بلند آواز اور حد سے متجاوز انداز یعنی شدید جہر کر رہے تھے۔

اما حديث انكم لاتدعون اصم ولا غائباً محمول عندی علی الافراط ای حدیث انکم لاتدعون اصم ولا غائباً: وہ میرے نزدیک بلند آواز میں افراط (یعنی حد سے متجاوز یعنی جہر شدید اور جہر مفراط پر محمول ہے) (فتح الملہم، جلد ۲، ص ۱۷۲)۔ علامہ خیر الدین ربیؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

فان قلت صرح في الخانية بان رفع الصوت بالذكر حرام لقوله صلى الله عليه وسلم لمن رفع صوته بالذكر انك لاتدعوا اصم ولا غائباً وقوله صلى الله عليه وسلم خير الذكر الخفي لانه ا بعد من الرياء واقرب للخصوع محمول على الجهر المضمر: پس اگر تم یہ کہو کہ فتاویٰ خانیہ (یعنی فتاویٰ قاضی خان) نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے ذکر حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو فرمایا جو بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے نیز آپ ﷺ نے (ایک دوسری حدیث میں) فرمایا کہ بہترین ذکر خفی ہے کیونکہ یہ ریاء کاری سے زیادہ دور ہے اور عاجزی کے زیادہ قریب ہے تو میں (جواب میں) کہتا ہوں کہ یہ (قاضی خان کا) کلام اس جہر پر محمول ہے جو فاحش اور مضرب ہو (فتاویٰ خیر علی ہامش تنقیح الحامد، جلد ۲، ص ۲۸۲ تا ۲۸۳)۔

علامہ کروریؒ وغیرہ اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے بھی اس حدیث کے متعلق یہی لکھا ہے کہ: یہ حدیث مطلقاً ذکر جہر کی ممانعت کی دلیل نہیں ہو سکتی جیسا کہ ان فقہاء کے مفصل حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

حضرت سید علامہ آلوسیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

محمول على ان النهی المستفاد التزاماً من امر اربعوا الذي بمعنى ارفعوا ولا تجهدوا انفسكم مراد به النهی عن المبالغة في رفع الصوت: یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ ”امر اربعوا“ جو کہ نرمی اور اپنی جانوں کو مشقت میں نہ ڈالو کے معنی میں ہے اس سے التزاماً جو نرمی مستفاد ہوتی ہے وہ یہ کہ اس سے بلند آواز میں مبالغہ مراد ہے (روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۶۳)۔

یعنی اس سے اپنی جانوں پر نرمی اور اپنی جانوں کو مشقت میں نہ ڈالو سے جو نرمی مستفاد ہوتی ہے یہ نرمی مطلقاً ذکر جہر سے نہیں بلکہ شدید جہر اور زیادہ بلند آواز سے روکا گیا ہے بلاشبہ یہی بات اس حدیث سے معلوم ہوئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کو بلا ضرورت چیخنے اور چلا نے سے روکا گیا ہے نہ کہ جہر سے۔

۱۔ فتاویٰ قاضی خان کا اپنا فتویٰ پہلے گزر چکا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اس کو دیکھئے۔



حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

ليس فيه النهي من الجهر بل فيه كونه لغواً لان الذي تدعونه اقرب اليكم من حبل الوريد فلاتلقوا انفسكم في العناء ففيه اجزاء السر لا النهي عن الجهر: اس حدیث میں جہر سے نہیں روکا گیا ہے بلکہ اس میں بتلایا کہ جہر لغو ہے کیونکہ جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے تو اپنے آپ کو بلا وجہ مشقت میں نہ ڈالو۔ لہذا اس حدیث میں یہ تعلیم نہیں کہ جہر ناجائز ہے بلکہ یہ اس کی تعلیم ہے کہ ذکر سرّاً (چپکے چپکے) بھی جائز ہے (فیض الباری، جلد ۴، ص ۱۳۴)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قال عليه السلام ”اربعوا على انفسكم“ اور یہ بھی ذکر جہری ہے ”رفق“ کو فرمایا ہے گلا پھاڑنے سے منع فرمایا (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۹۶)۔

یہ بات بالکل درست و صحیح ہے کیونکہ نفس کو مشقت اور تکلیف میں اس وقت ڈالا جاتا ہے جبکہ اذان کی طرح اونچی آواز سے چیخ چیخ کر تکبیر و تہلیل کی جائے۔ جہر معتدل میں نفس کو تکلیف ہرگز نہیں ہوتی بلکہ بشارت ہوتی ہے۔

### حدیث اربعوا کا خلاصہ:

مذکورہ بالا حوالوں سے ”حدیث اربعوا“ اور تاویلات کا خلاصہ یہ ہوا:

- (الف) حدیث کے مضمون اور تمام روایتوں پر نظر ڈالی جائے تو ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی آوازیں حد اعتدال سے بڑھ گئیں تھیں اور اپنی جانوں کو زور زور کی آواز سے مشقت میں ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ”اربعوا“ کے جملے ارشاد فرمائے تو یہاں منع یا روکنا بے اعتدالی سے ہے نہ کہ نفس جہر اور جہر معتدل سے اور منع بھی شفقاً ہے نہ کہ فرض یا واجب۔ جیسے کہ خود ”اربعوا: نرمی کرو“ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔
- (ب) آواز اس قدر اونچی نہ ہو جیسے کوئی بہرے یا گم شدہ اور غائب شخص کو چلا کر پکار رہا ہو۔ یہاں جہر مفراط سے منع کیا جا رہا ہے۔

- (ج) اس قدر جہر سے اسلئے منع کیا کہ جنگ اور لڑائی کا موقع تھا اور یہی جہر کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے، جیسا کہ لڑائی کے ایسے موقعوں میں جس اور گھنٹی منع ہے۔ لیکن اس تیسرے جواب پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض روایتوں میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ غزوہ خیبر سے واپس آ رہے تھے اور مدینہ منورہ کے قریب ہو چکے تھے اس لئے دشمن کا خطرہ باقی نہیں

تھا، لیکن پھر بھی یہ تیسرا جواب اتنا کمزور نہیں کیونکہ حدیث میں اس بات کی رہنمائی ضرور ملتی ہے کہ ایسے موقعوں پر خواہ لڑائی کے لئے جاتے وقت ہو یا واپس آتے وقت۔ راستوں میں زور زور کی آواز سے ذکر وغیرہ نہ کریں تاکہ دشمن وغیرہ کو ٹھکانوں کی اطلاع نہ ہو جائے۔ نیز دشمن موقع پا کر تعاقب بھی کر سکتا ہے، بارہا ایسا ہوا کہ شکست کے بعد دشمن تعاقب کرتا ہے اور وہ اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(د) چوتھی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جہر سے اس لئے روکا تاکہ وہ سفر میں گھاٹیوں ٹیلوں پر چڑھتے اور اترتے وقت جہری ذکر و تکبیر کو مسنون نہ سمجھیں، اس لئے فرمایا کہ اپنی نفسوں پر نرمی کرو یعنی اختیار دیا کہ جہر بھی جائز ہے سر بھی جائز ہے۔

(ر) پانچویں وجہ یہ بیان کی گئی کہ اس میں جہر کی ممانعت نہیں بلکہ سر کی بھی اجازت دے دی گئی۔ بہر حال حدیث کا مضمون آپ کے سامنے ہے اور واقعہ بھی آپ کے سامنے ہے، حدیث قطعاً نفس جہر کے منع پر دلالت نہیں کرتی بلکہ شفقت پر دلالت کرتی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ طویل مسافتوں اور تھکاوٹ کی حالت میں اونچی بات سے بھی تکلیف ہوا کرتی ہے، اور سانس رک جاتا ہے اور ایسی صورت میں ہمارے محاورہ میں بھی یہ ہوتا ہے کہ آرام سے بات کرو کہ میں کوئی گونگا بہرا تو نہیں۔

یہاں بھی مطلب اور حدیث سے مستفاد یہی ہے کہ اپنی جانوں پر رحم کرو، اور اتنا اونچا ذکر نہ کرو جو تمہیں نقصان پہنچائے، تو یہ حکم شفقت پر محمول ہوا واللہ اعلم۔ اور حدیث کے الفاظ سے بالکل یہی ظاہر ہے البتہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ جہر مفراط سے منع کیا جا رہا ہے کہ جہاں جہر شدید کی کوئی ضرورت نہ ہو وہاں جہر شدید فضول اور لغو ہے اور بلا وجہ اپنے آپ کو ایذاء اور تکلیف میں مبتلا کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

### ذکر جہر کے خلاف قرآن مجید سے استدلال اور اس پر بحث

مذکورہ بالا چند حوالوں سے اختلاف کی نوعیت معلوم ہو چکی ہے اب اس کے متعلق قرآن مجید کی آیتوں کو پڑھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَذْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ: تم اپنے پروردگار سے دُعائیں مانگو، گڑگڑاتے ہوئے اور پوشیدگی میں بھی بلاشبہ (اللہ تعالیٰ) ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو حد سے گذر جانے والے ہیں (اعراف، ۵۵)۔

### أَذْعُوا رَبَّكُمْ کا مطلب کیا ہے؟

اس کے متعلق مفسرین میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، بعض علماء تفسیر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف دُعا ہے لیکن ”أَذْغُوا رَبَّكُمْ“ سے مراد عبادت بھی لیا جائے تو پھر بھی دُعا اس میں شامل ہی ہے کیونکہ دُعا عبادت ہے بلکہ عبادت کا مغز ہے۔

## تَضَرُّعاً کے معنی:

”ضرعاء“ کے معنی عاجزی، خوشامد، تملق کے ہیں اس کے ضمن میں فرمانبرداری کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور تَضَرُّع باب تَفْعُل سے ہے جو تکلف، مبالغہ اور اظہار کیلئے مستعمل ہوتا ہے، لہذا تَضَرُّع کے معنی صرف عاجزی کے نہیں بلکہ تَضَرُّع عاجزی کے اظہار کو کہا جاتا ہے، اور یہ اظہار حرکات اور ارادوں، زبان اور الفاظ سے بھی ہوتا ہے۔ اور بہت سے مفسرین نے بھی تَضَرُّع کے معنی تذلل، عاجزی کے اظہار اور اعلان سے کیا ہے، چنانچہ سورۃ اعراف کی اسی آیت کے تحت مفسرین نے تَضَرُّعاً کے معنی اظہار تذلل اور اظہار ذل النفس تذلاً ظاہراً وغیرہ جیسے الفاظ سے کرتے ہیں، اور اردو ترجموں میں اس کیلئے گڑ گڑاتے ہوئے، آہ وزاری کرتے ہوئے، تذلل ظاہر کرتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ گڑ گڑانے اور آہ وزاری میں بھی جہر ہوتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تَضَرُّع کے اندر خود جہر اور اظہار پایا جاتا ہے، اور اظہار تذلل اور تذلل ظاہر کرتے ہوئے وغیرہ میں تو لفظ اظہار جہر کی دلیل ہے۔ تو گویا دُعا اور عبادت میں عاجزی اور اپنی ذلت در ماندگی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

## تَضَرُّعاً کے معنی میں جہر:

اور تَضَرُّع میں عاجزی کے ساتھ جہر یا اعلان کا شامل ہونا صرف لغوی طور پر نہیں بلکہ سورۃ اعراف سے قبل سورۃ انعام میں اسی لفظ تَضَرُّع کا معنی مفسرین نے اعلان یا جہر بیان کیا ہے، چنانچہ کفار و مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ يُنَجِّكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَّئِنْ أَنجَا مِنْ هَذِهِ لَنُكَوِّنَنَّ مِنَ الشَّكْرِينَ: کہہ دو تمہیں جنگل اور سمندر کے اندھیروں سے کون بچاتا ہے جب تم اسے گڑ گڑاتے ہوئے بھی اور پوشیدہ بھی پکارتے ہو کہ اگر ہم کو اس آفت سے بچالے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے (انعام، ۶۳)۔

سورۃ انعام کی اس آیت مبارکہ میں بعض علماء اور مفسرین نے تَضَرُّعاً کا ترجمہ اعلانیۃ سے بھی کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اعلانیۃ بھی اور پوشیدہ طور پر بھی پکارتے ہوئے اور بعض نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ: معلنین اور مسرّین

۱۔ دیکھئے تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباسؓ، ص ۱۳۶ اور تفسیر جلالین، ص ۱۱۷۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو اعلانیۃ اور چھپا کر پکارنے والے ہوں ۲ اور بعض مفسرین اس کے معنی اعلانیۃ و اسراراً سے کیے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو اعلانیۃ اور اسراراً بھی پکارتے ہو ۳ اور بعض مفسرین نے اس کے معنی جہراً و سرّاً، کیا ہے ”اللہ تعالیٰ کو جہراً و سرّاً پکارتے ہو“ ۴ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ”(کبھی) تذلل ظاہر کرتے (اور کبھی) چپکے چپکے“ ۵ اسی طرح اور بھی بہت سے مفسرین نے تَضَرُّعاً کے معنی اعلان یا جہر وغیرہ سے کیا ہے، بلکہ بعض مفسرین نے سورۃ اعراف کے اَذْغُوا رَبَّكُمْ میں بھی تَضَرُّعاً وَ خُفْيَةً کے متعلق سرّاً و علانیۃ کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۶ اور درمنثور میں حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں ”التَضَرُّعُ علانیۃ و الخفیۃ سر: تَضَرُّعاً کے معنی علانیۃ کے اور خفیۃ کے معنی چپکے چپکے کے ہیں“ ۷ اسی طرح کے الفاظ سورۃ اعراف میں بھی ہیں جس میں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ تم تَضَرُّعاً اور خفیۃ دونوں طور پر اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ تو اس آیت کریمہ میں اس بات کی اجازت ہے کہ خواہ جہراً گڑ گڑانے کی صورت میں ہو یا چپکے چپکے ہو دونوں میں اصلاً کوئی قباحت نہیں اور دونوں صورتیں اس آیت کریمہ سے ثابت ہیں۔ اسی آیت سے اگر جہری دُعا کی نفی ہوتی تو علماء کرام یہ نہ کہتے کہ دُعا خفیۃ ہی افضل ہے اور بعض علماء جہری اور سری دُعا کی فضیلت میں وقت اور شخص کے لحاظ سے مختلف نہ ہوتے۔ اور پھر علماء کی ان تصریحات کا مطلب کیا ہوا کہ دُعا میں چلا نا اور نعرے لگانا مکروہ ہے پھر تو اگر کوئی بغیر چلائے اور نعرے لگاتے ہوئے معتدل جہر بلکہ ادنیٰ جہر کے ساتھ بھی دُعا کرے تو وہ بھی جائز نہ رہے گی۔ حالانکہ قنوت نازلہ اور صلوٰۃ استسقاء وغیرہ جیسے مواقع میں جہراً دُعا مانگی جاتی ہیں اور بالاجماع یہ جائز ہیں۔ نیز اگر ”أَذْغُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً“ کا حاصل معنی یہی ہوتے کہ ذکر، دُعا صرف سری اور چھپی ہی ہو سکتی ہے تو پھر صحابہ کرامؓ ٹیلوں اور گھاٹیوں پر چڑھتے وقت اور اس پر پہنچتے وقت جیسے اوقات میں کیوں تکبیر اور تہلیل کے نعرے لگاتے حالانکہ یہ آیت کریمہ تو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے جب قرآن مجید کا حکم پہلے سے موجود تھا پھر ”اربعوا“ کے الفاظ کی کیا ضرورت تھی کہ ”اپنے اوپر نرمی کرو“ پھر تو یوں فرماتے جب قرآن مجید کے رو سے دُعا اور ذکر میں جہر ممنوع یا حرام ہو چکا ہے پھر تم قرآن مجید کی مخالفت کیوں کر رہے ہو۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ دُعا کا یہی فطری طریقہ ہے کہ انسان گڑ گڑاتا بھی ہے اور چپکے چپکے بھی مانگتا ہے، لہذا حق اور سچ یہی ہے کہ صرف ”تَضَرُّعاً اور خفیۃ“ سے یہ قطعاً معلوم نہیں ہو سکتا کہ جہراً گڑ گڑانا ممنوع یا ناجائز ہے۔ البتہ علماء کرام بلند آواز یعنی بہت تیز آواز نکالنے کے متعلق

۲۔ دیکھئے تفسیر بیضاوی، ص ۲۵۷، جواہر القرآن للشیخ ططاوی، جلد ۲، ص ۳۹، تنویر الاذہان من تفسیر روح البیان، جلد ۱، ص ۴۸۱، تفسیر مدارک، جلد ۱، ص ۲۵)۔

۳۔ دیکھئے بیضاوی، ص ۲۵۷ اور روح المعانی، جلد ۷، ص ۱۷۹، جامع البیان، ص ۱۹۶۔

۴۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۱۳۹۔ ۵۔ دیکھئے بیان القرآن، ص ۳۸۲۔

۶۔ دیکھئے تنویر المقیاس، ص ۱۶۹، نظم الدرر وغیرہ۔ ۷۔ دیکھئے درمنثور، جلد ۳، ص ۹۲۔



جو یہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت بلا ضرورت اور بلا کسی حاجت کے مکروہ یا ناجائز ہے تو ”تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً“ کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ دوسری وجہ اور نصوص کی بناء پر فرماتے ہیں وہ وجہ مندرجہ ذیل ہیں۔

..... اس آیت کریمہ کے آخر میں ”إِنَّهُ لَا يَجِبُ الْمُعْتَدِينَ“: بے شک وہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ”حد سے گزر جانے والے لوگوں میں؟ تو اس میں بعض علماء نے دوسرے امور کے ساتھ یہ بھی شامل کیا ہے کہ چونکہ چلا چلا کر دُعا مانگنے سے وقار اور اللہ تعالیٰ کی توقیر اور تعظیم میں کمی معلوم ہوتی ہے یا اس کی رعایت باقی نہیں رہتی اس لئے یہ بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ ابن جریج کہتے ہیں: ”يَكْرَهُ دَفْعَ الصَّوْتِ وَالنِّدَاءِ وَالصِّيَاحِ فِي الدُّعَا : دُعَايِمْ آواز بلند کرنا اور نعرے لگانا اور چلا نا مکروہ ہے“ اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ ”وَالْاِعْتِدَاءُ فِي الدُّعَاءِ عَلَى وَجْهِ مِنْهَا الْجَهْرُ الْكَثِيرُ وَالصِّيَاحُ..... الخ : دُعَايِمْ حد سے تجاوز کے چند وجوہ ہیں ان میں زیادہ جہر اور چلا نا (بھی) ہے“ اسی طرح بہت سے علماء کرام دُعا کے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ اس میں چلا نا نعرے لگانا یعنی جہر شدید مکروہ ہے اور ان میں سے بعض علماء کرام ایسے ہیں کہ چلا نا اور جہر مفرط کی کراہت کو صرف دُعا کے ساتھ خاص کرتے ہیں جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان بھی آئے گا۔

..... دُعا و ذکر میں زیادہ زور دار آواز کی کراہت کے جو علماء قائل ہیں اس کی دوسری وجہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً وَ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ : اور یاد کر اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتا ہوا اور ڈرتا ہوا، اور یاد کرتا رہ صبح، شام بلند آواز کی نسبت ہلکی آواز سے اور غافلوں سے نہ ہو (اعراف، ۲۰۵)۔

وَ اذْكُرْ رَبَّكَ میں ذکر کا جو حکم ہے اس سے مراد کون سا ذکر ہے؟ بعض علماء تفسیر اس ذکر سے مراد صرف تلاوت قرآن لیتے ہیں پھر ان میں سے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد مقتدی کی قراءت ہے کہ اس کو چاہئے کہ وہ بھی امام کے ساتھ چپکے چپکے پڑھے لیکن یہ توجیہ بہت کمزور ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں امام کو تلاوت کے آداب بتلائے جاتے ہیں۔

..... اور جمہور علماء اس حکم میں تمام اذکار کو شامل کرتے ہیں، تلاوت تسبیح، تہلیل، تکبیر، استغفار وغیرہ تمام اذکار اس حکم میں شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ ابوالبرکات، عبداللہ ابن حمد نسفی

۱ دیکھئے ابن کثیر، جلد ۲، ص ۲۲۱، تفسیر مظہری، جلد ۳، ص ۳۶۳۔ ۲ دیکھئے تفسیر قرطبی، جلد ۷، ص ۲۲۶۔

حنفی فرماتے ہیں کہ ”ہو عام فی الاذکار من قراءة القرآن والدعاء والتسبيح والتہلیل وغیرہ ذالک: یہ حکم تمام اذکار کے متعلق ہے قراءت قرآن، دعا، تسبیح و تہلیل وغیرہ سب شامل ہیں“ اسی طرح تفسیرات احمدی، تفسیر بیضاوی، تفسیر صاوی، تفسیر ابوسعود وغیرہ تمام مفسرین نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں ذکر کا جو حکم ہے وہ تمام اذکار، تلاوت قرآن، تہلیل، تسبیح دُعا وغیرہ سب کو شامل ہے، آیت کریمہ کے معنی و مفہوم پر انشاء اللہ تعالیٰ پوری بحث آجائیگی۔

..... جہر شدید کے عدم جواز یا کراہت کیلئے تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا: اپنی نماز (یا دُعا) نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست بلکہ ان کے درمیان کی راہ اختیار کرو (بنی اسرائیل، ۱۰)۔ صلوٰۃ سے مراد بعض علماء دُعا لیتے ہیں اور اسی آیت کا پہلا حصہ اس پر قرینہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں ہے کہ ”کہہ دو (اے پیغمبر) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو اس کیلئے سب اچھے نام ہیں“ اور اس کے بعد مذکورہ بالا آیت شروع ہوتی ہے۔ نیز صحیح حدیث سے اس کی تفسیر یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد دُعا ہے اور بعض مفسرین اس سے مراد نماز میں تلاوت لیتے ہیں اور ان کیلئے بھی صحیح حدیث موجود ہے اس لئے تقریباً اس پر علماء کا بالآخر اتفاق ہو رہا ہے۔ کہ یہ آیت دُعا و ذکر اور تلاوت سب کو عام ہے لہذا جو علماء شدید جہر کے بلا ضرورت کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دون الجہر ہے اور وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ اور تُخَافِتُ بِهَا میں بھی درمیانی جہر اور معتدل جہر کا حکم ہے حدیث ”اربعوا علی انفسکم : اپنے نفسوں پر نرمی (اور مہربانی) کرو“ میں بھی شدید جہر اور بلند آواز سے روکا گیا ہے۔ اس لئے بلا وجہ جہر شدید مکروہ ہے یا غیر مستحب ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ: ”هَكَذَا يَسْتَحَبُّ اِنْ نَدَاءٌ وَ جَهْرًا بَلِيغًا“ مستحب یہ ہے کہ نعرہ (کے انداز میں) اور بلیغ (یعنی شدید) جہر کے ساتھ نہ ہو (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۲۷۹) یعنی حضرت حافظ ابن کثیر بلیغ یعنی چلا کر ذکر کرنے کو غیر مستحب اور ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

اور حضرت حافظ ابن حجرؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

لَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ اِی لَا تَعْلَنُ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ اِعْلَانًا شَدِيدًا فَيَسْمَعُكَ

۱ دیکھئے تفسیر مدارک، جلد ۲، ص ۹۲۔

۲ یہ عبارت ابن کثیر دار المعرفۃ بیروت والے نسخے کی ہے شاید اصل عبارت یوں ہو ”هَكَذَا يَسْتَحَبُّ اِنْ يَكُونُ الذِّكْرُ خَفِيًّا لَا يَكُونُ نَدَاءً وَ جَهْرًا بَلِيغًا“ یعنی مستحب یہ ہے کہ ذکر چپا کر ہو۔ نعرے (کے انداز) میں شدید جہر کے ساتھ نہ ہو۔

المشركون فيؤذونك ولاتُخافُ بها اى لاتخفص صوتك حتى لاتسمع اذنيك وابتغ بين ذالك سبيلاً اى طريقاً وسطاً : تلاوت قرآن شديد اعلان کے ساتھ نہ کیا کرو کہ مشرکین سنیں تو تمہیں ایذا پہونچائیں۔ نہ آواز کو اس قدر پست کرو کہ اپنے کانوں کو بھی نہ سنائی دے اور ان (دونوں یعنی اعلان اور جہر شدید اور اخفاء) کے درمیانی راہ کو اختیار کرو (فتح الباری، جلد ۸، ص ۲۵۷، بحوالہ طبری)۔

اور حضرت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ:

واختار بعض المحققين ان المراد دون الجهر البالغ او قدر الحاجة فيكون الجهر المعتدل والجهر بقدر الحاجة داخل في المأمور به : اور بعض محقق علماء کرام نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ (قرآن مجید میں جس جہر سے منع کیا گیا ہے) اس سے جہر بالغ (یعنی جہر میں مبالغہ اور شدید جہر) مراد ہے یا ضرورت سے زیادہ جہر مراد ہے لہذا جہر معتدل اور بقدر ضرورت جہر ہو تو خود مامور بہ میں داخل ہے (یعنی اس کا تو خود قرآن مجید میں حکم ہے) (روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۶۳)۔

اسی طرح بہت سے علماء و مفسرین نے بقدر حاجت جہر اور معتدل جہر کو تو عین شرعی حکم قرار دیا ہے۔ اسی طرح اذان، تکبیرات تشریق اور تلبیہ اور خطبہ یا مجمع بڑا ہے اور قاری آواز پہونچانے کیلئے پوری آواز سے قرآن مجید پڑھے۔ تاکہ مقتدی سن لیں ایسی حالت میں جہر شدید کو بھی جائز قرار دیتے ہیں البتہ وہ بلا ضرورت جہر شدید کو مکروہ مانتے ہیں اور اس کے برعکس بعض علماء ایسے بھی ہیں جو جہر شدید ان تمام حالات میں جائز سمجھتے ہیں۔ جن حالات میں خود ذکر کرنے والے کو یا اس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ مثلاً نمازیوں کی نماز اور آرام کرنے والوں کے آرام میں خلل نہ آئے۔

اور ان تمام آیات جن سے جہر معتدل ثابت ہے ان کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ اس کا بیان صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس وقت حالات ایسے تھے کہ اس وقت زیادہ جہر اور جہر شدید مفید نہیں تھا۔ لیکن جب اسلام کو شوکت اور غلبہ نصیب ہوا اور نقصان کا اندیشہ جاتا رہا تو پھر جہر شدید بلا ضرورت فی نفسہ ناجائز اور مکروہ نہیں رہا۔

چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین عبدالرحمن سیوطیؒ ذکر جہر کے تائید میں پچیس (۲۵) حدیثیں پیش کر کے اس کے بعد مذکورہ بالا آیتوں اور حدیث کا جواب دیا ہے۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا..... الخ کے تین جواب دیئے ہیں۔

الاول : انها مكية كاية الاسراء ولا تجهر بصلوتك ولا تخاف بها وقد نزلت

حين كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجهر بالقران فیسمعه المشركون فیسبون القران ومن انزلہ فامر بترك الجهر سدا للذريعة كما نهى عن سب الاصنام لذلك. فی قوله تعالى 'وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ' و قد زال هذا المعنى و اشار الى ذالك ابن كثير فی تفسيره.

الثاني: ان جماعة من المفسرين منهم عبدالرحمن بن زيد بن اسلم شيخ مالک و ابن جرير حملوا الآية على الذاکر حال قراءة القرآن وانه امر له بالذکر على هذه الصفة تعظيماً للقرآن ان ترفع عنده الاصوات و يقويه اتصاله بقوله 'وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا'

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت بھی سورۃ اسراء کی اس آیت 'وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ' کی طرح کی آیت ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نماز میں جہراً قراءت کیا کرتے تھے اور مشرکین یہ قرآن مجید کو سن کر قرآن مجید اور قرآن مجید کے نازل کرنے والے کو گالیاں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے سد الباب جہر ترک کرنے کا حکم دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک 'لَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ' میں بتوں کو بھی سب و شتم کرنے سے منع فرمایا تاکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو گالیاں نہ دیں اور اب چونکہ یہ سبب (یعنی اب کفار و مشرکین سے یہ خطرہ نہ رہا اس لئے اب کامل جہر بھی جائز ہے) اس بات کی طرف علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ اور دوسرا جواب اس آیت کا یہ ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت جس میں امام مالکؒ کے استاد عبدالرحمن بن زید اور ابن جریر بھی شامل ہیں انہوں نے اسی آیت کو ذاکر (یعنی ذکر کرنے والے) کے اس حال اور موقع پر محمول کیا ہے جبکہ قرآن مجید کی قراءت ہو رہی ہو اور ذکر کرنے والے کو اسی صفت کے ساتھ ذکر کا حکم دیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید کی تعظیم ہو اور قراءت ہوتے وقت آوازیں بلند نہ ہوں اور اس قول کو تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ آیت یعنی (واذکر ربک فی نفسک) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ متصل ہے، 'وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا' اور جب قرآن مجید کی قرأت کی جائے (یا خطبہ وغیرہ پڑھا جائے) تو اس کو سنو اور چپ رہو "اور علامہ سیوطیؒ نے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو امر ہے وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے

- ۱۔ یعنی شدید جہر کے ساتھ جیسا کہ بعد والے الفاظ خود اس پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔
- ۲۔ مشرکین تو قرب و جوار میں نہ تھے بلکہ آپ ﷺ کی آواز دور تک جاتی تھی۔
- ۳۔ یعنی جہر شدید سے منع فرما کر "وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ" کے ساتھ جہر معتدل کا حکم فرمایا۔
- ۴۔ یعنی جب قراءت قرآن ہو رہی ہو یا خطبہ پڑھا جا رہا ہو تو ایسی صورت میں اسی صفت کے ساتھ ذکر کریں یعنی دل ہی دل میں ذکر کریں۔ ۵۔ یہ جواب نہایت کمزور ہے۔



بعد حضرت علامہ سیوطیؒ نے ”لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ“ کے دو جواب دیئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

احدهما ان الراجح في تفسيره انه تجاوز المأمور به واختراع دعوة لا اصل لها في الشرع ويؤيده ما أخرجه ابن ماجه والحاكم في مستدركه وصححه عن ابي نعامة رضى الله عنه ان عبد الله بن مغفل سمع ابنه يقول اللهم اني استلک القصر الابيض عن يمين الجنة فقال اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سيكون في هذه الامة قوم يعتدون في الدُعاء فهذا تفسير صحابي وهو اعلم بالمراد. (الثاني) على تقدير التسليم فالاية في الدُعاء لافي الذكر والدُعاء بخصوص الافضل فيه الاسرار لانه اقرب الى الاجابة ولذا قال تعالى اذ نادى رَبُّهُ نَدَاءً خَفِيًّا ومن ثم استحجب الاسرار بالاستعاذة في الصلاة اتفاقاً لانها دُعاء.

یعنی ایک جواب یہ ہے کہ اس کی رائج تفسیر یہ ہے کہ اعتداء سے ایسی دُعا مانگنا مراد ہے کہ وہ مامور بہ سے متجاوز ہو اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جیسے ابن ماجہ نے اور حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن مغفلؓ نے اپنے بیٹے کو دُعا کرتے سنا کہ کہتے ہیں اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب کا سفید محل مانگتا ہوں (یہ سن کر) عبد اللہ بن مغفل نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو دُعا میں اعتداء اور تجاوز کریں گے چونکہ یہ تفسیر صحابیؓ نے کی ہے اور وہ اس کی تفسیر کو زیادہ جانتے ہیں (اس لئے یہی تفسیر رائج ہے کہ اعتداء سے ایسی دُعا مراد ہے جس کی اصل شریعت میں ثابت نہ ہو)۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے (کہ اس سے مراد شدید جہر کی ممانعت مراد ہے) تو یہ آیت دُعا کے بارے میں نازل ہوئی نہ کہ ذکر کے بارے میں اور دُعا میں اصل یہی ہے کہ آہستہ مانگی جائے کیونکہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”اِذْ نَادَى رَبُّهُ نَدَاءً خَفِيًّا: جب اس نے اپنے پروردگار سے چپکے سے نداء کی“ اور اسی وجہ سے نماز میں ’اعوذ بالله من الشيطان الرجيم‘ بالاتفاق آہستہ پڑھا جاتا ہے کیونکہ استعاذہ دُعا ہے (الحاوی للفتاویٰ، جلد ۱، ص ۳۹۴)۔

یہ پورا مضمون علامہ سیوطیؒ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے، اور سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ سادات صوفیہ کا معمول یہ ہے کہ مسجدوں میں ذکر کے حلقے منعقد کرتے ہیں اور ان حلقوں اور ان مجالس میں رفع الصوت یعنی بلند آواز کے ساتھ تہلیل لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا مکروہ؟ تو جواب میں علامہؒ نے فرمایا ”انہ لا کراہتہ فی شیء من ذالک: ان میں سے کسی چیز میں بھی کوئی کراہت نہیں“ اس کے بعد علماء کے اقوال، اور جہر کے فوائد جو کہ علماء نے بھی بیان فرمائے ہیں کو بیان کر کے اس پر پورا مدلل مضمون لکھ دیا ہے (الحاوی للفتاویٰ نتیجہ الفکر، جلد ۱، ص ۳۸۹ تا ۳۹۴)۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں کہ:

و خلاصة المرام في هذا المقام انه لا ريب في كون السر افضل من الجهر للتضرع والخيفة وكذا لا ريب في كون الجهر المفطر ممنوعاً لحديث اربعوا على انفسكم والاثار متظاهرة متوافقة على جوازه ولم نجد دليلاً يدل صراحة على حرمة او كراهية وقد نص المحدثون والفقهاء الشافعية وبعض اصحابنا على جوازه ايضاً ويدل عليه قول صاحب النهاية في كتاب الحج المستحب عند نافي الاذكار الخفية الا في ماتعلق باعلانه مقصود كالاذان والتلبية والخطبة كذا في المبسوط انتهى والظاهر ان مراد من قال الجهر حرام هو لجهر المفطر بدليل انهم يستدلون عليه بقوله عليه الصلوة والسلام ”اربعوا على انفسكم“ الحديث وقد عرفت في شان ورودہ ان ورودہ انما كان في الجهر لمفطر لافي الجهر مطلقاً مع انه كيف ثبت الحرمة الحقيقة بخبر الاحاد الذي هو من الادلة الظنية و من قال انه بدعة اراد به ان ايقاعه على وجه مخصوص والتزام ملتزم لم يعهد في الشرع بدليل انهم انما اطلق البدعة عليه في بحث التكبير في طريق صلوة عيد الفطر قالوا الجهر به في الطريق على الوجه المخصوص انما ورد في عيد الاضحى واما في عيد الفطر فهو بدعة: خلاصہ یہ ہوا کہ خوف و زاری کی وجہ سے جہر سے سرّ یقیناً افضل ہے اسی طرح بلا شک و شبہ ”حدیث اربعوا علی انفسکم“ کی وجہ سے جہر مفطر کی ممانعت میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے اور رہا جہر غیر مفطر (یعنی جو انتہائی اور شدید درجہ کے جہر سے کم ہو) تو وہ بکثرت احادیث اور آثار صحابہؓ سے ثابت ہے اور اس کی حرمت یا کراہت پر صراحت کے ساتھ کوئی دلیل موجود نہیں۔ محدثین اور فقہاء شافعیہ اور بعض فقہاء نے بھی اس کی جواز کی تصریح کی ہے اور صاحب نہایہ نے کتاب الحج میں مبسوط کے حوالے سے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اذکار میں سر مستحب ہے اور سوائے ان اذکار کے جن میں اعلان (اور اظہار) مقصود ہو جیسے اذان، تلبیہ اور خطبہ وغیرہ

۱۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہر متوسط کو بعض فقہاء احناف ناجائز یا مکروہ کہتے ہیں بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ بعض فقہاء نے تو جہر متوسط کے جواز کے متعلق صاف صاف کہہ دیا ہے کہ یہ جائز ہے اور بعض علماء احناف کی عبارت مبہم ہیں جن میں جہر مفطر اور جہر متوسط کی تفصیل نہیں۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرّ اور جہر کے افضل ہونے میں اختلاف ہے۔

اور جس جہر کو حرام قرار دیا ہے اس سے مراد جہر مفطر ہے کیونکہ وہ حدیث ”اربعو علی انفسکم“ سے استدلال کرتے ہیں اور اس حدیث کی شان ورود کو آپ جان گئے ہیں کہ یہ حدیث جہر مفطر کے بارے میں وارد ہو چکی ہے نہ کہ جہر مطلق کے بارے میں علاوہ ازیں یہ کہ جہر کی حرمت پر ان اخبار آحاد سے کیسے حرمت حقیقی کو ثابت کیا جاسکتا ہے جبکہ یہ ظنی ہیں اور جن علماء نے جہر کو بدعت کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ جہر میں کسی خصوصیت (اور تخصیص) کو داخل کیا جائے، اور ایسی چیز کا التزام کیا جائے جس کو شریعت نے لازم نہیں قرار دیا ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے عید الفطر کے دن راستے میں جاتے وقت بلند آواز سے تکبیر پڑھنے پر بدعت کا اطلاق کیا ہے اور کہا ہے کہ اس مخصوص وجہ کے ساتھ صرف عید الاضحیٰ کے ساتھ تکبیر کہنا ثابت ہیں اور عید الفطر کے دن بدعت ہے (سباحت الفکر، ص ۳۳)

## مذکورہ بالا آیات کریمہ اور اسکے متعلقہ اقوال کا موازنہ:

مفسرین اور فقہاء وغیرہ نے مذکورہ آیتوں کو سامنے رکھ کر ذکر جہر اور جہری دعا کے متعلق اپنی رائے لکھ دی ہے بعض علماء نے جہر شدید کو انہی آیتوں کی بنا پر مکروہ قرار دیا ہے اور بعض نے ان آیتوں کو ایک خاص وقت اور خاص حالات تک محدود کیا اور ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

..... ”لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ“ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد دعا میں چلا نا مراد ہے۔

..... اس کا تعلق آواز کے ساتھ نہیں۔ بلکہ ان امور سے ہے جنکی اصل شریعت میں ثابت نہ ہو یا جن میں شرعی حدود سے تجاوز ہو۔ مثلاً جنت کی کسی ایسی چیز کو مانگنا جن کا بیان شریعت نے نہیں کیا مثلاً یا اللہ مجھے سرخ جنت دے یا نویں جنت دے وغیرہ یا کوئی یہ دعا کرے کہ یا اللہ مجھے نبی کا درجہ دیدے یا دعا میں غیر اللہ سے سوال کرے اور رائج یہی ہے کیونکہ دعا عبادت ہے اور عبادت میں حدود سے تجاوز یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مانگا جائے۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”إِنَّكَ تُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ“ اللہ تعالیٰ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور حد سے گذر جانے والے لوگ متکبر ہیں ظالم ہیں اور مشرک ہیں۔ ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُشْرِكِينَ“ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو پسند نہیں کرتے لہذا بلا کسی مضبوط دلیل کے دعائیں آواز اونچی کرنے والوں کو مشرکین، ظالم اور متکبر لوگوں کی صف میں شامل کرنا از خود بھی بہت بڑا ظلم ہے اس لئے آیت کریمہ کا واضح مطلب یہی ہے کہ دُعا اور عبادت میں کسی ایسی چیز کو داخل نہ کر دیا جائے کہ جس کی اصل شریعت مطہرہ میں موجود نہ ہو مثلاً شرکیہ الفاظ وغیرہ۔

اگرچہ جہر مفطر کو بعض علماء نے اعتداء میں شامل کیا ہے لیکن جہر معتدل کے ساتھ دُعا مانگنے کو مکروہ سمجھ کر اعتداء میں شامل کرنا تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ جہر معتدل تو اتر عملی کے ساتھ ثابت ہے نیز سورت اسراء کی اس آیت ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا“ کے متعلق صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ یہ دُعا اور نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے (صحیح بخاری اور صحیح مسلم)۔

پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ دُعا میں مطلقاً جہر اعتداء میں شامل ہے اور ایسا حکم لگانا تو خود اعتداء اور شرعی حدود سے تجاوز ہے اور دور جدید کے کچھ لوگوں کے سوا کسی بھی فقیہ یا عالم نے اس بات کی تصریح نہیں کی ہے کہ دُعا میں معتدل جہر بھی ناجائز یا مکروہ یا اعتداء میں داخل ہے جنہوں نے لکھا بھی ہے تو انہوں نے چلا نے اور نعرے لگانے کو لکھا ہے۔

## خاص حالات میں جہر مفطر کے ساتھ دُعا مانگنا بھی اعتداء میں شامل نہیں:

نیز تمام حالات میں لایحسب المعتدین کی یہ تفسیر کہ اعتداء سے مراد دُعا میں چیخنا چلا نا ہے یہ بالکل انسانی فطرت کے متصادم ہے ہر وہ شخص جو مجبور ہو جائے، بیقرار ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ پر اعتناء، یقین بھی ہو اور اس کے ساتھ محبت بھی ہو اس کو اپنا خیر خواہ، خالق، مالک اور قدرت والا اور نہایت مہربان بھی جانتا ہو تو بیقراری اور مجبوری کی صورت میں انسان کی بے اختیار چیخیں نکلتی ہیں چلا تا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ جب کسی پر سخت مصیبت آ پڑتی ہے تو وہ شخص جب ایسے شخص سے مل جاتا ہے جو اس کا خیر خواہ اور ہمدرد ہو تو وہ اس کے سامنے رو پڑتا ہے اور اپنے دکھ اور درد کے مطابق روتا ہے۔ بچہ ماں کو دیکھ کر کس طرح بیقرار ہو کر روتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی عام انسان سخت مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے گرد و پیش کے اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے تو سخت بیقراری کی حالت میں جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کی چیخیں نکلتی ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر مضبوط یقین ہو اور وہ کسی حاجت میں کسی غیر کی طرف ہاتھ نہیں پھیلاتے جب وہ مجبور ہو جائیں تو وہ بھی بے اختیار اللہ تعالیٰ کے سامنے رو پڑتے ہیں بلکہ چلانے اور چیخنے تک نوبت پہنچ جاتی ہے اس کی یہ حالت اور ایسی فریاد تو اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس کے رحم و کرم اور اس کی قدرت پر اعتناء کی وجہ سے ہے۔ ایسی حالت و صورت میں وہ اپنی دعائیں اپنی آہ و پکار اللہ تعالیٰ کو نہیں سناتا بلکہ یہ اس کے خود اپنے اندرونی جذبات اور کیفیت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے وقت بے اختیار ابھر کر اس کی زبان اور آنکھوں سے بہہ نکلتی ہے یہ حالت اس کی نہایت خدا پرستی اور اللہ تعالیٰ پر مضبوط یقین و اعتناء کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ اوروں کی بجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑاتا ہے، روتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر اس کی چیخ بھی نکلتی ہے یا چلا کر رو پڑتا ہے تو اس کو حکم اعتداء میں داخل کرنا یقیناً محل نظر اور انسانی فطرت کے ساتھ جنگ ہے۔



حالانکہ اسلام دین فطرت ہے اور پھر اس کی یہ تفسیر نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت نہیں بلکہ بعض مفسرین کی اپنی ذاتی رائے ہے، جس کے ساتھ اتفاق مشکل ہے کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے اور بے اختیار ہو کر چلا کر روئے پھر اللہ تعالیٰ اس کو ظالموں کی صف میں کھڑا کر دے اسلئے بعض علماء اور فقہاء اس تفسیر کو مردود کہتے ہیں۔ البتہ اگر وہ یہ سب کچھ ریاء کاری اور لوگوں کو دکھاوے کیلئے کرتا ہے تو پھر تو وہ اعتداء میں شامل ہے۔ (فتاویٰ خیریہ علی ہاشم تنقیح الحامدیہ، جلد ۲، ص ۲۸۱)۔

## (اُدْعُوا رَبَّكُمْ) آیت کا سیاق و سباق:

آپ ذرا قرآن کھول کر اسی آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالیں اوپر کی آیتوں میں پہلے شرک کی بے حقیقتی اور بد انجامی کو بیان کیا گیا پھر اس کے بعد توحید کے مضمون کی وضاحت کی گئی ہے کہ آسمان اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اس کائنات کو پیدا کر کے اس سے بے تعلق نہیں ہو بیٹھا بلکہ اپنے عرش حکومت پر متمکن ہے اور تمام کائنات کی باگیں اور اختیارات صرف اس نے اپنے دست قدرت میں رکھی ہیں اور صرف وہی تمام کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے۔ دن رات، سورج، چاند، ستارے اور سیارے ہوائیں سب کے سب اس کے احکام کی تعمیل میں شب و روز گردش کرتے ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اور دن رات اس کے احکام کی تعمیل میں جوش و خروش کے ساتھ اپنے اپنے کام میں سرگرم ہیں۔ اور اسی کا امر و حکم کائنات کے گوشے گوشے میں جاری ہے تو خالق کائنات کے سوا کوئی دوسرا اس بات کا حقدار کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں اس کا حکم چلے۔

پھر یہ کائنات اپنے وجود سے شاہد ہے کہ اس کو پیدا کرنے والی ہستی بڑی بافیض اور نہایت ہی بابرکت و رحمت والی ہستی ہے تو حق اور صحیح یہی ہے کہ: اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَ طَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ: اپنے پروردگار کو پکارا کرو گڑ گڑاتے ہوئے، اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور زمین میں فساد نہ کرو اس کی اصلاح کے بعد، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے قریب ہے (اعراف، ۵۵)۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نفع و نقصان عزت و ذلت کائنات کی ہر چیز کا مالک و خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہی بافیض اور نہایت بابرکت و رحمت ہستی بھی ہے تو تم صرف اپنے رب کو سزا اور علانیہ پکارا کرو اور امید و بیم پر اچھی بری ہر حالت میں اسی سے لو لگائے رکھو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ خوف و طمع امید و بیم کا رشتہ جوڑنا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز ہے اور اللہ تعالیٰ حد

سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا لہذا تم شرک سے سخت پرہیز کرو اور اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کسی کو شریک کرنا اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور اس کی سر زمین میں فساد برپا کرنا ہے، لہذا تم شرک کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد نہ مچاؤ اور اپنے خوف و رجاء اور امید و بیم کا رشتہ صرف اللہ تعالیٰ سے جوڑ کر اپنی تمام تر حاجات اور مشکلات میں صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارو۔ اور جو لوگ خوف و رجاء اور اپنی امید و بیم کا مرکز و مرجع صرف اپنے پروردگار کو بناتے ہیں درحقیقت یہی لوگ محسنین بن سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یقیناً نیکوکاروں کے قریب ہے۔

ان آیات کے بعد پھر توحید اور آخرت کے دلائل کا بیان ہے۔ بہر حال ”لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ“ کی درست اور دل کو لگنے والی تفسیر یہی ہے کہ اعتداء سے مراد شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بجائے کسی اور کی بندگی کی جائے یا کسی اور کو پکارا جائے۔ دُعائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ریاء کاری کی جائے تو یہ بھی شرک خفی ہے اور اسی پر آیت کریمہ کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے۔ جس کے بعد آپ خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس سے مراد بے ریاء بندگی اور خالص اللہ تعالیٰ سے مانگنا مراد ہے اور یہی تفسیر بعض جید علماء فقہاء اور مفسرین سے بھی منقول ہے۔ چنانچہ امام کردری ”اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً“ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

ای اعبدوہ و ارفعوا حوائجکم و الضراعة الذلة و الخفية ان لا يدخله الرباء

انه لا يحب المعتدين ای المشرکین الذین يدعون غیر اللہ تعالیٰ: اُدْعُوا

رَبَّكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اسی کے سامنے اپنے حوائج پیش کرو اور

تَضَرُّعًا کے معنی عاجزی اور خُفْيَةً کا مطلب ہے ایسی بندگی جس میں ریاء کا دخل نہ ہو اور

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ سے مراد مشرکین ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی اور کسی اور

کو پکارتے ہیں (فتاویٰ بزازریہ علی ہاشم الہندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸)۔

نیز حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کی مرتب اور مدون کردہ تفسیر جواہر القرآن میں ہے کہ:

چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے اور وہی متصرف و مختار ہے لہذا

غائبانہ حاجات میں اسی کو پکارو، ”الْمُعْتَدِينَ“ غیر اللہ کو پکارنے والے (جواہر القرآن،

جلد ۱، ص ۳۶۷)۔

اسی طرح دوسرے محقق مفسرین نے بھی ”الْمُعْتَدِينَ“ سے غیر اللہ کو پکارنے والے ”مشرکین“ شرک کرنے والے مراد لئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام نوویؒ ایک صحیح حدیث (جس میں نبی کریم ﷺ نے اونچی آواز سے دُعائیں کہی ہیں جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آجائے گا) کے تحت لکھتے ہیں:

انه لا بأس برفع الصوت في الدعاء: (یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے)

کہ دُعائیں آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں (شرح مسلم، جلد ۲، ص ۹۳)۔

جب نبی کریم ﷺ سے خود بلند آواز کے ساتھ دُعا ثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آجایگا) تو پھر اس کے بعد اس تفسیر کے مرجوح ہونے میں کیا شک باقی رہتا ہے البتہ بلاوجہ اور بلا ضرورت بہت بلند آواز کے ساتھ دُعا مانگنا دیگر وجوہ کی بنیاد پر تو نامناسب یا مکروہ ہو سکتا ہے لیکن اس آیت کی رو سے نہیں۔

”وَإِذْ كُنَّا فِي نَفْسِكَ“ کے متعلق چند معتمد اقوال کا خلاصہ:

دوسری آیت وَإِذْ كُنَّا فِي نَفْسِكَ کے متعلق چند معتمد اقوال کا خلاصہ یہ ہے:

..... بعض مفسرین اور علماء کرام نے اس آیت کریمہ کو نماز کیساتھ خاص کر دیا ہے اور فرمایا ہے ”وَإِذْ كُنَّا فِي نَفْسِكَ“ اور اپنے پروردگار کے ذکر سے مراد نماز میں قرأت ہے۔ تو اس تفسیر کی رو سے تسبیح و تہلیل وغیرہ اذکار سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا اور اس آیت سے ذکر جہر کے خلاف استدلال ہی نہیں ہو سکتا۔

..... جو لوگ اس آیت کو نماز کے ساتھ خاص کرتے ہیں ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ اس میں امام اور قاری کیلئے قرأت کے آداب بیان کئے گئے ہیں کہ قراءت کرتے وقت معنی کا لحاظ کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے گڑ گڑاتے ہوئے معتدل جہر سے قرأت کریں یا یہ کہ سری یعنی ظہر اور عصر میں خفیہ قرأت کرو اور جہری نمازوں میں معتدل جہر سے قرأت کرو۔

..... اکثر مفسرین اور علماء کرام اس آیت ”وَإِذْ كُنَّا فِي نَفْسِكَ“ میں ذکر سے مراد خطبہ و وعظ و نصیحت، تلاوت قرآن، تسبیح و تہلیل اور استغفار و دعا تمام اذکار مراد لیتے ہیں اور وہ ان تمام کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا ادب یہ ہے کہ ان میں جہر شدید سے پرہیز کیا جائے البتہ جہاں جہر شدید کی ضرورت پڑ جائے مثلاً اذان، تلبیہ وغیرہ جیسی چیزیں جن میں اعلان اور اظہار دین مقصود ہوتا ہے تو وہاں رفع الصوت بلند آواز شدید ہی افضل اور بہتر ہے اور بلا ضرورت شدید جہر مکروہ یا کم از کم غیر اولیٰ ہے۔

..... بعض علماء اور مفسرین فرماتے ہیں کہ ”وَإِذْ كُنَّا فِي نَفْسِكَ“ میں جس جہر معتدل کا حکم ہے یہ حکم ارشادی ہے نہ کہ واجب کہ جہر شدید کو اس آیت کریمہ کی وجہ سے حرام یا مکروہ قرار دیا جائے البتہ جہر مفطر اور بالفاظ دیگر جہر مضرنقصان دہ جہر بالاتفاق مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ اس میں اپنے کو ایذا دینا ہے یا اس کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کی نماز وغیرہ میں خلل پڑتا ہے۔

..... اس پر تمام مفسرین اور علماء کا اتفاق ہے کہ ”وَإِذْ كُنَّا فِي نَفْسِكَ“ کی آیت ہے اسی طرح

”أَذْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ نیز ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا“ بھی بالاتفاق کلی آیت ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ اس سے مراد دُعا بھی ہے اور قرأت بھی لہذا یہ حکم نفس جہر شدید کی ممانعت کیلئے نہیں بلکہ کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں سے بچنے کی غرض سے تھا۔ نیز یہ حکم اس لئے بھی تھا تا کہ وہ جہالت کی بناء پر قرآن مجید اور اس کے نازل کرنے والے کو گالیاں نہ دیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس قدر جہر یعنی جہر معتدل کا حکم فرمایا کہ صحابہ کرامؓ اور نماز میں مقتدی قرأت کو سن سکیں، لیکن قرآن مجید وغیرہ کی آواز دور دور تک نہ جائے چونکہ اب وہ حالت نہ رہی اس لئے ذکر شدید، تلاوت بلند آواز کے ساتھ کی ممانعت باقی نہ رہی، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ: فلما هاجر الى المدينة سقط ذلك بفعل ابي ذلک شاء: پھر جب مدینہ منورہ کو آپ ﷺ نے ہجرت کی تو یہ حکم ساقط ہو گیا اور (یہ اجازت دی گئی کہ) جس طرح چاہے (تلاوت) کرو (تفسیر ابن کثیر، جلد ۳، ص ۶۹)۔

..... اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کا تعلق قاری اور ذکر کرنے یا خطبہ دینے والے کیلئے نہیں بلکہ اس کا تعلق سننے والوں کے بارے میں ہے کہ جب خطبہ دیا جا رہا ہو یا قرأت قرآن ہو رہی ہو تو اس وقت خاموشی کے ساتھ دل دل میں اور چپکے چپکے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تا کہ وہ ذکر الہی سے غافل نہ ہو اور اس کے بارے میں وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آیت ”وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعْ لَهُ“ قراءت کے متعلق ہے تو وہاں سننے والوں کیلئے چپ رہنے کا حکم تھا تو پھر چپ رہنے والوں کو یہ حکم دیدیا کہ بالکل ہی ذکر کو نہ چھوڑیں بلکہ دل دل میں اور چپکے چپکے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس پر دلیل ”وَلَا تَسْكُنُ مِنَ الْغَافِلِينَ“ ہے کہ تو غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ لیکن اس قول کی کمزوری واضح ہے کہ خطبہ کے وقت یا نماز میں قرأت کے وقت میں خاموش رہنا اور پوری توجہ کے ساتھ کان لگا کر سننا اور آیتوں میں غور کرنا ہی اس وقت کا ذکر ہے ورنہ اگر وہ خود بھی ذکر میں مشغول ہوا گرچہ چپکے چپکے کیوں نہ ہو تو پھر بھی توجہ خطبہ کی طرف نہیں رہے گی اور خطبہ سننا اور تلاوت قرآن سننا اور اس میں غور و فکر کرنا خود ہی اعلیٰ ذکر ہے۔ پھر اس وقت چپکے چپکے ذکر کرنے کے حکم کا کیا مطلب؟ واللہ اعلم بالصواب۔

ان تمام اقوال سے حاصل تو یہی ہوا کہ ان آیتوں سے ذکر جہر معتدل کی نفی تو ہرگز مراد نہیں بلکہ ان میں



جہر متوسط کا حکم ہے اور یہ خود بھی ذکر کی ایک مشروع اور جائز صورت ہے البتہ ان آیتوں کی جو تفسیر راجح معلوم ہوتی ہے اس کو نقل کر دیتا ہوں۔

..... سورة اعراف کی پہلی آیت یہ ہے ”اُذْ عُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً“ اور اپنے پروردگار کو گڑ گڑاتے ہوئے بھی اور چھپ کر بھی پکارا کرو اور اللہ تعالیٰ یقیناً حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“ (اعراف، ۵۵)۔ اس آیت کریمہ سے دُعا میں جہر کی ممانعت مراد نہیں لی جاسکتی۔ اس کا مفصل بیان گذر چکا ہے۔

..... اعراف کی دوسری آیت اور تیسری آیت یہ ہے؛ ”وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَ اَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ وَ اِذْ كُرِّرْتُكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً وَ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ“ اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور تو اپنے پروردگار کو یاد کر دل میں گڑ گڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور یاد کرتا رہ صبح، شام دون الجہر یعنی بلند آواز کی نسبت کم ہلکی آواز کے ساتھ اور غافلوں میں سے نہ ہو (اعراف، ۲۰۳ تا ۲۰۵)۔ پہلی آیت میں ”وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا“ کی تعلیم سننے والوں اور مقتدیوں کیلئے ہے کہ جب قرآن (اور خطبہ) پڑھا جائے تو کان لگا کر سنیں، اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کان لگا کر سننا تو اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ قرآن کو اور خطبہ کو آواز ہی سے پڑھا جائے تو ان آیات سے خود جہری قرأت و تلاوت اور ذکر ثابت ہوا کہ لوگ تو اسی وقت ذکر و قرأت کو سنیں گے جبکہ جہر ہو۔ لیکن قرآن مجید کو کس قدر جہر سے پڑھا جائے اور ذکر پر کس قدر آواز بلند کرنا چاہیئے تو ”وَ اِذْ كُرِّرْتُكَ“ کی تعلیم امام وقاری کو سنانے اور خود ذکر کرنے والے کیلئے ہے اور اس دوسری آیت (وَ اِذْ كُرِّرْتُكَ) میں ذکر اور قاری کو ذکر و تلاوت کا طریقہ بتلایا گیا ہے اس آیت کریمہ میں پہلے جہر اور دون الجہر کے معنی کو معلوم کرنا چاہیئے اس کے بعد ترجمہ خود بخود سمجھ میں آ جائے گا۔

## ”جہر“ اور ”دون الجہر“ کے معنی:

جہر کے معنی پکارنے، اعلان کرنے کے ہیں اور امام راغب کہتے ہیں کہ کسی چیز کو افراط (یعنی حد سے زیادہ زور) کے ساتھ نمایاں کرنے کو جہر کہتے ہیں خواہ اس کا تعلق سننے سے ہو یا دیکھنے سے (مفردات، ص ۱۰۱)۔ جہر کے معنی جو امام راغب نے کیے ہیں۔ قرآن مجید نے اسی معنی میں جہر کے لفظ کو جگہ جگہ استعمال فرمایا ہے کبھی

اس کا تعلق زیادہ زور کی آواز سے ہوتا ہے اور کہیں اس کا تعلق کھلم کھلا دیکھنے سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو قوم نے کہا کہ: لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً: ہرگز تجھے نہیں مانیں گے جب تک رو برو (یعنی کھل کر) اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں (بقرہ ۵۵)۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: فَهَوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَ جَهْرًا: تو وہ اسی (اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و رزق) سے پوشیدہ اور کھلم کھلا بھی خرچ کر دیتا ہے (نحل ۷)۔ بہر حال جہر کے لغوی معنی کسی چیز کو افراط اور پوری قوت سے نمایاں اور ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اور جب اس کا تعلق سننے اور قول کے ساتھ ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اعلان کرنا، نعرہ لگانا، چیخنا چلانا، رفع الصوت یعنی آواز بلند کرنا ہوتا ہے یعنی نام جو بھی رکھیں خواہ چلا ناکھیں یا آواز بلند کرنا مطلب سب کا ایک ہی ہے انسان اپنی پوری اور انتہائی قوت کے ساتھ آواز کو نکالے، اسی کو جہری آواز کہتے ہیں اور جب بالکل کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کوئی کام کرے اس کو جہری یا علانیہ عمل کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ”وَ اِذْ كُرِّرْتُكَ فِيْ نَفْسِكَ“ میں جو ”دون الجہر“ کا لفظ آتا ہے، جہر کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

فان الجهر هو الاظهار الشديد: بلاشبہ جہر اظہار شدید ہی ہے (علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر کبیر، جلد ۴، ص ۳۲۰)۔

## ”دون“ کے معنی:

”دون“ فوق کی ضد ہے لیکن عربی میں ”دون“ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، دون کم، نیچے، اوپر، آگے یا پیچھے، قریب اور علاوہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ”ہو دونہ“ وہ اس سے کم درجے میں ہے یا اس سے نیچے درجے میں ہے، ”مشیٰ دونہ“ وہ اس سے آگے چلا، ”من دون اللہ“ اللہ تعالیٰ کے سوا یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ جب اس کا صلہ ”مسن“ آ جاتا ہے، یعنی دون کے ساتھ جب ”من“ مل جاتا ہے تو پھر زیادہ تر اس کے معنی علاوہ اور سوا کے ہوتے ہیں۔

اور یہاں دون الجہر کے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ دون سے کم درجہ مراد لیا جائے تو ایسی صورت میں اس کے معنی یہ ہونگے کہ نعرے اور چلا نے یا بلند آواز (یعنی شدید جہر) کے بہ نسبت کم آواز کے ساتھ۔ اگر اس سے معنی علاوہ اور غیر کے معنی لیا جائے تو معنی یہ ہوگا بغیر چلائے کے آواز میں یا چلانے کے علاوہ آواز کے ساتھ تو دونوں صورتوں میں مطلب یہی ہے کہ معتدل جہر کے ساتھ ہونا چاہیئے کیونکہ نعرے سے کم آواز میں ذکر ہو یا چلائے بغیر جہر ہو۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ جہر شدید اور بہت زیادہ بلند آواز نہ ہو۔ بلکہ بعض علماء کے نزدیک یہ حکم بھی ارشادی ہے یعنی اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی زیادہ جہر کرے تو وہ حرام یا مکروہ کا مرتکب ہوگا

البتہ بلا ضرورت ایسا کرنا ادب کے خلاف ہوگا البتہ اگر دوسروں کے ضرر کا سبب بنے تو پھر ایذا رسانی کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔ اور اس آیت کا حکم ہو بہو ایسا ہے جیسا کہ اسراء کی آیت کا حکم وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُ مِنْهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا: نہ چلا کر نماز یا دُعا پڑھیں اور نہ بالکل آہستہ بلکہ ان دونوں کے درمیان راہ کو اختیار کریں (اسراء: ۱۱۰)۔

اور اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بہت زیادہ زور کے ساتھ قرآن مجید نماز میں پڑھا کرتے تھے تو کفار و مشرکین آپ ﷺ کی آواز سن کر قرآن مجید کے نازل کرنے والے (یعنی اللہ تعالیٰ کو) اور جو قرآن مجید لائے (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کو گالیاں دیتے تو نبی کریم ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ نہ تو جہر کریں یعنی بہت زیادہ زور کی آواز سے تلاوت کریں کہ کفار و مشرکین آپ ﷺ کو ایذا پہنچائیں اور نہ اس قدر پست آواز کے ساتھ تلاوت کریں کہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والے صحابہ کرامؓ بھی نہ سن سکیں بلکہ معتدل آواز کے ساتھ پڑھیں (بخاری کتاب التفسیر)۔

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت دُعا کے بارے میں نازل ہوئی (بخاری کتاب التفسیر) اور یہ تفسیر بھی بالکل درست ہے اور قرآن مجید کی پوری آیت کو سامنے رکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور پوری آیت یوں ہے قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ ط أَيَا مَنَّا تَدْعُو أَفَلَا الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُ مِنْهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا: کہہ دو (اے پیغمبر ﷺ) ”اللہ“ کہہ کر پکارو یا ”رحمن“ کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو، بس اچھے نام صرف اسی ہی کیلئے ہیں اور اپنی دُعا (یا نماز) بلند آواز سے نہ کرو اور نہ زیادہ پست آواز کے ساتھ بلکہ ان کے درمیان کی راہ اختیار کرو (اسراء: ۱۱۰) دیکھئے آیت کا شروع دُعا سے ہے کہ یا اللہ کہہ کر دعائیں مانگو یا رحمن کہہ کر دعائیں مانگیں..... الخ اور اسی ایک ہی آیت میں ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ“ کا حکم فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اصلاً دُعا کے متعلق ہے اور یہ بات تو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں ”صلی، صلوا“ کا لفظ دُعا کیلئے بھی مستعمل ہے۔ چونکہ نماز کے اندر بھی دعائیں تلاوت اور اذکار ہیں جن میں سے بعض اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہیں، مثلاً سورۃ فاتحہ، تلاوت قرآن، تکبیرات انتقال وغیرہ اس لئے اس کے متعلق یہ بھی صحیح ہے کہ یہ نماز کے متعلق نازل ہوئی ہو واللہ اعلم۔

**دون الجہر کے معنی ادنیٰ جہر نہیں اور فقہاء کی عبارتوں سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ:**

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ دون الجہر کے معنی ادنیٰ جہر نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چلائے بغیر اور نعرہ لگائے بغیر یا چلانے اور بلند آواز کی بہ نسبت کم۔ دونوں کا مطلب ایک ہے یہاں ایک سوال یہ ہے کہ

جہر شدید اور چلانے، نعرے یا بلند آواز سے کم ہو تو اس کی مقدار کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مقدار ادنیٰ جہر سے شروع ہوتی ہے اور جب تک چلانے نعرہ لگانے اور شدید کامل جہر تک نہ پہنچے سب دون الجہر میں شامل ہے اور اس کو درمیانی جہر کہا جاتا ہے خواہ وہ جہر اس قدر ہو کہ صرف خود کو سنا سکے یا اس قدر ہو کہ لوگ بھی سنیں جب تک چلانے اور نعرے کی حد تک نہ پہنچے تو یہ سارا درمیانی جہر میں شمار ہے۔

اور جہر اور ادنیٰ جہر کے متعلق ایک اختلاف فقہی ہے جو مشہور و معروف ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے اور اس میں بعض حضرات کا یہ قول بھی موجود ہے کہ ادنیٰ جہر یا وہ جہر جس سے جہری نماز صحیح ہوتی ہے وہ اس قدر ہے کہ خود کو سنا سکے۔ نیز جن مفسرین نے دون الجہر سے درمیانی مراد لیا ہے تو وہ بعض اوقات اس کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ تسمیع نفسك کہ اپنے آپ کو سنا سکے یا بسمعہ نفسہ کہ خود سننے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ درمیانی جہر کا اعلیٰ حد یہ ہے بلکہ وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر اتنی آواز نکالے کہ خود کو سنا سکے تو یہ بھی جہر متوسط میں شامل ہے یعنی سر اور خفیہ کے درجہ سے اوپر ہے لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اتنی آواز کے ساتھ کہ خود سننے اگرچہ اس پر ادنیٰ جہر کا اطلاق لغوی طور پر تو ہو سکے گا لیکن جہری نماز میں اس قدر جہر سے کام نہیں چلے گا۔

**بعض مفسرین کی عبارتوں سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ:**

بعض مفسرین نے ”دون الجہر“ کے تحت جو یہ لکھا ہے کہ جب ذکر کی آواز ذکر کے کانوں تک پہنچتی ہے تو اس سے خیال متاثر ہوتا ہے اور خیال متاثر ہو جانے سے ذکر قلبی یعنی یادداشت اور روحانی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو ان مفسرین کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ذکر اس قدر کریں کہ صرف اپنے کان سنیں اور کوئی نہ سنے بلکہ مطلب صرف اتنا ہے کہ جب ایک ذکر اپنے ذکر کو سنتا ہے خواہ اور لوگ سنیں یا نہ سنیں تو اس سے یہ مذکورہ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ علماء و فقہاء کا مطلب ذکر جہر کا اندازہ مقرر کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ذکر جب اپنے ذکر کی آواز کو سننے اس کا فائدہ بتلاتے ہیں اور اندازہ مقرر کرنے کیلئے اس قدر کہتے ہیں کہ بغیر کسی مصلحت اور ضرورت کے چلا کر ذکر نہ ہو۔ مثلاً علامہ فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ:

دون الجہر من القول المعنی ان یذکر ربہ علی وجہ یسمع نفسہ فان المراد حصول الذکر اللسانی والذکر اللسانی اذ کان بحیث یسمع نفسہ فانہ یتأثر الخیال من ذلک الذکر وتأثر الخیال یوجب قوۃ فی الذکر القلبی الروحانی: دون الجہر من القول کا معنی یہ ہے کہ اپنے پروردگار کو اس طرح یاد کرے کہ اپنے کو سنا سکے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ ذکر زبانی حاصل ہو جائے اور زبانی ذکر



جب اس طرح ہو کہ اپنے نفس کو سنا سکے تو ایسے ذکر سے خیال متاثر ہو جاتا ہے اور خیال کے

متاثر ہو جانے کی وجہ سے قلبی اور روحانی قوت حاصل ہوتی ہے (تفسیر کبیر، جلد ۱۵، ص ۱۰۸)

اس عبارت سے علامہ رازیؒ کا مقصد یہی تو ہے کہ ذکر لسانی کی آواز جب ذکر کے کانوں میں پہنچ جاتی ہے تو اس سے روحانی اور قلبی ذکر میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہاں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ذکر ایسا کریں کہ کوئی اور نہ

سنے بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ ذکر جب اپنے ذکر کی آواز کو سننے کو اس کا یہ فائدہ ہے۔ نیز اسی طرح کی ایک عبارت علامہ شیخ عبدالحق حقانیؒ کی تفسیر میں ہمیں ملتی ہے چنانچہ دون الجہر کی تحت لکھتے ہیں۔

”ذُونُ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ“ مراد یہ کہ مخافت اور جہر کے درمیانی طور پر ذکر ہو جیسا کہ آیا

ہے ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا“ (تفسیر

حقانی، جلد ۴، ص ۱۷۶)۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

یعنی اس قدر بلند آواز ہو کہ جس کو آپ سن سکے کیونکہ اس ذکر سے خیال متاثر ہوتا ہے اور خیال کے متاثر ہونے سے ذکر قلبی و روحانی میں قوت حاصل ہوتی ہے۔

”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ“ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

اور اپنی نماز نہ تو چلا کر پڑھا کرو اور نہ چیکے سے طریقہ اختیار کرو۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ نماز پکار کر نہ ہونہ آہستہ مگر درمیانی آواز سے ہو۔

پھر اسی آیت کے حاصل کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ:

الحاصل نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے یا اور ادعیہ وغیرہ اس کو متوسط درجہ کی آواز سے پڑھنا چاہیے (تفسیر حقانی، جلد ۵، ص ۹۶)۔

عرض یہ ہے کہ اس طرح کی عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ جب ذکر کی آواز کان میں پہنچے تو اس سے

ذکر کو خود فائدہ ہوتا ہے۔ کہ اس سے خیال متاثر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ذکر قلبی اور روحانی میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے ان حضرات کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ ذکر جہر کی یہ حد ہے کہ صرف اپنے کان سنیں

دوسرے نہ سنیں اگر ان کا یہ مطلب ہوتا تو وہ اس کی تفسیر میں ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُ“ کی آیت کو پیش نہ کرتے۔ کیونکہ یہ بات کہ اگر آواز اس قدر تیز ہوگئی کہ دوسرے لوگ بھی سن لیں تو وہ درمیانی ذکر نہ رہا یہ تو

عقلاً اور نقلاً مشاہدے کے بالکل خلاف اور مردود ہے۔ عقلاً تو ظاہر ہے کہ اگر کسی ذکر کرنے والے کے ذکر و تلاوت کو کچھ لوگ سنیں تو اس کو کوئی بھی نعرہ اور چلانا نہیں کہتا۔ تجربہ اور تاریخ شاہد ہے کہ اول سے آج تک پوری

دنیا کی تمام مسجدوں میں امام کس قدر جہر کرتا ہے اور یہ نبی کریم ﷺ سے آج تک چلا آ رہا ہے۔

## خلاصہ بحث آیت ”دون الجہر“:

..... ”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ / ”وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ اور ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُ بِهَا“ یہ آیتیں کی ہیں یعنی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

..... ”وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا: اور جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو کان لگا کر سنو اور چپ رہو“ سے ہی واضح طور پر ثابت ہے اور اس بات کو تو ایک بچہ بھی سمجھتا ہے کہ خطبے اور تلاوت کو بڑے اجتماعات میں اسی وقت سنا جاسکتا ہے جبکہ قاری اور خطیب زور زور سے تلاوت کرے یا خطبہ پڑھے۔

..... ”وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ“ آیت نے قاری اور ذکر کو ذکر کا ادب بتایا کہ معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے عاجزی اور ڈرتے ہوئے بغیر چلائے یعنی بغیر جہر مفراط کے تلاوت و ذکر کرے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ یہ آیتیں کی ہیں اور ذکر و تلاوت میں جو یہ حکم ہوا تھا یہ بھی اس لئے کہ مشرکین عین نماز اور دُعا کے اندر ایذا نہ پہنچائیں اور سب و شتم نہ کریں اس لئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب اسلام کو شوکت و غلبہ حاصل ہوا تو یہ حکم بھی نہ رہا البتہ جہاں ایسی حالت ہو کہ کفار و مشرکین سے ایذا رسانیوں کا خطرہ ہو اس کے متعلق اب بھی یہی حکم ہے۔

..... چونکہ ان آیتوں میں قاری اور ذکر کے لئے گڑ گڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے ذکر و تلاوت کا حکم ہے اگرچہ گڑ گڑانا شدید جہر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کتنے لوگ ایسے ہیں کہ وہ زار زار چلا کر روتے ہیں لیکن پھر بھی جو عاجزی معتدل گڑ گڑانے میں ہوتی ہے وہ چیخنے چلانے میں نہیں ہوتی اس لئے بلا کسی ضرورت اور بلا کسی کیفیت و حالت خاصہ کے تلاوت، ذکر اور دُعا شدید جہر یعنی بلند آواز کے ساتھ نہیں کرنی چاہیے۔

## جہر شدید کیلئے ضرورت کی مثالیں:

مثلاً دین کا اظہار کرنا مقصود ہے یا اعلان کرنا جیسے اذان اور کفار پر رعب جمانا مقصود ہو یا کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو جوش دلانا ہو مجمع زیادہ ہو اور مقتدیوں کو آواز پہنچانا مقصود ہو، وساوس کا ہجوم اور ہجوم ہے وساوس کو دور کرنے اور یکسوئی کی خاطر یعنی دھیان کو جمانے کی خاطر کیا جائے یا شروع تو جہر معتدل سے ہو لیکن بعد میں بلا قصد و اختیار یا گریہ اور آہ و بکا کی اور فریاد کی وجہ سے آواز بلند ہو جائے تو اس طرح کی تمام صورتوں

میں شدید جہر حرام یا مکروہ نہیں بلکہ جائز ہے بشرطیکہ اس کے اندر کوئی ایسی خارجی چیز مثلاً تخصیص اور التزام یا ایذاء وغیرہ شامل نہ ہو جائے۔

## جہر معتدل تو قرآن وحدیث سے ثابت ہے:

ربہا معتدل جہر یہ تو خود قرآن مجید کی آیتوں اور ”اربعو“ والی حدیث ہی سے ثابت ہے اس میں تو اختلاف کی بھی گنجائش نہیں الا یہ کہ جہاں شریعت نے خود فرمایا ہو کہ اس وقت جہر نہیں ہونا چاہیے مثلاً سری نماز میں جہر کرنا منع کر دیا گیا اب اس کی تفصیل کیلئے چند مفسرین کے تحریرات کو پیش کرتا ہوں جو دون الجہر کی تفسیر معتدل جہر سے کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

والمراد بالجہر رفع الصوت المفروط و بمادونه نوع آخر من الجہر: اور

جہر سے مراد افراط سے (یعنی حد سے زیادہ) آواز بلند کرنا ہے اور جو اس (جہر مفراط) سے کم

ہو وہ جہر کی ایک اور قسم ہے (روح المعانی ج ۹: ۱۶۲)۔

یہ حوالہ قدر مفصل پہلے لکھ چکا ہوں اور اس پر تحقیق بھی کی جا چکی ہے اس لئے یہاں اختصار سے کام لیا ایک دوسری جگہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ:

واختار بعض المحققين ان المراد دون الجہر البالغ او الزائد على

قدر الحاجة فيكون الجہر المعتدل والجہر بقدر الحاجة داخل في

المامور به: بعض محققین نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ ”دون الجہر“ سے جہر مفراط یا

ضرورت سے زائد جہر مراد ہے لہذا جہر معتدل اور بقدر حاجت تو خود مامور بہ میں داخل ہے

(روح المعانی ج ۱۶ ص ۱۶۳)۔

مطلب یہ کہ جہر معتدل اور بقدر ضرورت جہر کا تو شریعت مطہرہ نے خود حکم دیدیا ہے اور تقریباً اسی طرح کا معنی اور مفسرین نے بھی کیا ہے۔ وہ ”دون الجہر“ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اس میں سر اور جہر شدید کے درمیانی ذکر یعنی جہر معتدل اور متوسط کا حکم دیا گیا ہے۔ آخر میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند اردو تفاسیر سے بھی ”وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ“ کا ترجمہ نقل کیا جائے تاکہ ایک عام لکھا پڑھا آدمی خود دیکھ کر اس سے استفادہ کر سکے۔ حضرت علامہ عبدالحق حقانیؒ اپنی تفسیر ”تفسیر حقانی“ میں اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:

اور صبح، شام اپنے رب کو دل میں گڑ گڑا کر اور ڈر ڈر کر نہ کہ چلا کر یاد کیا کرو اور وَلَا تَجْهَرُ

بِصَلَاتِكَ کے تحت لکھتے ہیں اور اپنی نماز نہ تو چلا کر پڑھا کرو اور نہ چپکے سے بلکہ درمیانی

۱۔ دیکھیے تفصیل کیلئے تفسیر جلالین، تفسیر المراغی، جلد ۳، ص ۱۵۴، تفسیر جمل، تفسیر خازن، امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور حافظ ابن تیمیہؒ کی تفسیر کبیر وغیرہ۔ اس طرح ان فقہاء کی کتابوں میں اس کی تفصیلی بحث مل سکتی ہے جنہوں نے ذکر جہر پر ہر طرح تفصیل سے کلام کیا ہے۔

طریقہ اختیار کرو (سورۃ اعراف اور سورت اسراء)۔

رئیس الحمد ثین والمفسرین حضرت شیخ الہند محمود الحسنؒ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

اور یاد کرتا رہ اپنے دل میں گڑ گڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے

سے کم ہو۔ اس کے حاشیہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں اس لئے زیادہ

چلانے کی ممانعت آئی ہے دہی آواز سے سرایا جہر خدا کا ذکر کرے (تفسیر عثمانی، ۲۳۴

مطبوعہ مدینہ منورہ)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"زور کے نسبت کم آواز کے ساتھ"۔ پھر لکھتے ہیں کہ: حاصل ادب یہ ہے کہ دل اور ہیئت

میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر مفراط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ ہو یعنی مع

حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو جہر فی نفسہ ممنوع نہیں ہے۔ جن حدیثوں میں اس کی

ممانعت آئی ہے مراد اس سے مفراط ہے۔ البتہ اگر کسی عارض کی وجہ سے مثل رفع خطرات یا

رفع قساوت وخصیص رقت وغیرہ ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی شیخ محقق نے تجویز کیا

ہو۔ اور کسی نانم یا مصلی کو تشویش نہ ہو اس جہر کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت

ہے کیونکہ جو مفاسد نہی کے تھے وہ اس میں نہیں (واللہ اعلم) (بیان القرآن ص ۳۶۲)۔

حضرت تھانویؒ جہر مفراط کو شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف صرف اس

جہر مفراط میں ہے جہاں جہر مفراط بلا ضرورت ہو۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ:

دون الجہر من القول: زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ یعنی ذکر اللہ میں

مشغول ہونے والے کو یہ بھی اختیار ہے آواز سے ذکر کرے مگر ادب یہ ہے کہ بہت زور

سے چیخ کر نہ کرے متوسط آواز کے ساتھ کرے جس میں ادب و احترام ملحوظ رہے

(معارف القرآن، ج ۴، ص ۱۶۶)۔

یہ چند حوالے آپ کے سامنے ہیں اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اختلاف جہر معتدل میں نہیں

بلکہ بلا ضرورت جہر مفراط میں اور بوقت ضرورت اور مصلحت مثلاً اذان یا دشمن کو مرعوب کرنے کیلئے یا مسلمانوں کو

جوش دلانے کے لئے اور انظہار دین کی وجہ سے جہر شدید بھی بلا کراہت جائز ہے۔ جس نے بھی ذکر جہر کے مسئلہ

پر تفصیلی نظر ڈالی اور اس میں خوب تحقیق کی وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ جہر معتدل قرآن وحدیث سے یقینی طور پر

ثابت ہے اور اس کے جواز پر صحابہ کرام اور اسلاف و اخلاف کا اجماع ہے۔



چنانچہ علامہ شیخ اسماعیل حنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

وبالجملة ان المختار عند الا خيار ان المبالغة والا ستقصاء في رفع الصوت بالتكبير في الصلاة نحو مكرهه ، والحالة الوسطى بين الجهر والاخفاء مع التضرع والتذلل والاستكانة الخالية عن الرياء جائز غير مكرهه باتفاق العلماء كذا في انوار المشارق وقد سبق من شارح الكشاف ان الشيخ المرشد قد يامر المبتدئ برفع الصوت لتقلع من قلبه الخواطر الراسخة فيه: بالجملة اخيار علماء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ آواز میں مبالغہ اور انتہائی زور کے ساتھ نماز میں تکبیر وغیرہ مکروہ ہے۔ اور تضرع و تذلل اور عاجزی کے ساتھ جہر اور اخفاء کے درمیانی حالت (جہر معتدل) جو ریاء سے خالی ہو باتفاق علماء بلا کسی کراہت کے جائز ہے جیسا کہ مشارق الانوار میں ہے۔ اور پہلے شارح کشف کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ شیخ مرشد کبھی مبتدی کو رفع الصوت (جہر شدید) کا حکم دیتا ہے تاکہ اس کے دل کے اندر جو وساوس راسخ ہو چکے ہیں وہ نکل جائیں۔ (تنویر الاذہان من تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۵۹۶)۔

اس عبارت میں علامہؒ نے تین باتیں بتلائیں۔

(الف) کہ علماء اخیار کے نزدیک بلند آواز میں مبالغہ اور انتہائی زور لگانا (یعنی جہر مفطر) مکروہ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض کے نزدیک جہر مفطر جب تک خود ذکر کے لئے یا کسی اور کے لئے ضرر کا سبب نہ بنے تو بلا ضرورت بھی جائز ہے جیسا کہ علامہ حنفیؒ نے ایک دوسری جگہ اس پر مظہر کا حوالہ نقل کیا ہے اور بتایا کہ جہر (یعنی جہر شدید) کی وجہ سے قیامت میں گواہ زیادہ مل جاتے ہیں۔ دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے اور آس پاس کے گھروں، دکانوں میں جو لوگ رہتے ہیں ان کو ذکر کی برکت پہنچتی ہے وغیرہ جیسے فوائد بیان کئے پھر اس کے بعد ذکر جہر افضل ہے یا خفی اس پر بحث کی ہے۔ اور اس میں تقریباً اسی طرح کی تفصیل کی ہے جو کہ علامہ خیر الدین رملیؒ اور نوذبیؒ وغیرہ کی ہے، اور اس پر علامہ صابونیؒ جو کہ جامعہ مکہ مکرمہ کے استاد ہیں انکی تائید بھی حاشیہ میں موجود ہے (تنویر الاذہان، ج ۱، ص ۳۰۵ تا ۳۰۶) البتہ بہت سے علماء اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ بلا ضرورت جہر مفطر مکروہ ہے اگرچہ اس کے اس جہر شدید سے کسی کوئی ضرر نہ پہنچے۔

(ب) دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوگئی کہ جہر معتدل کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور علامہ

شعرائیؒ نے جہر کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ اسکے جواز پر تمام علماء کا اجماع ہے اس سے بھی ان کی مراد یہی جہر معتدل ہے؛ اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃ فی المساجد وغیرہا الا ان یشوش جہرہم بالذکر علی نائم او مصلی او قاری: بغیر کسی انکار (اور اختلاف) کے تمام متقدمین اور متاخرین کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحب ہے الا یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے کی نیند میں یا نماز پڑھنے والے کی نماز میں یا قرات کرنے والے کی قرات میں خلل آئے (شامی، جلد ۱ ص ۴۴۴)۔

(ج) تیسری بات علامہ حنفیؒ کی عبارت سے یہ معلوم ہوئی کہ کسی ضرورت کے تحت جس میں علاج اور وساوس وغیرہ کو دور کرنا بھی شامل ہے ان علماء کے نزدیک بھی جہر شدید جائز ہے جو بلا وجہ جہر شدید کے قائل نہیں۔

## عصر حاضر کے جید علماء و مفتیان کی تحقیق:

عصر حاضر حاضر کے جید مفتی حضرات جیسے مفتی عبدالستار صاحب زید مجدہم وغیرہ کی تحریرات سے تقریباً یہی کچھ معلوم ہوتا ہے ان کے چند اقتباسات یہاں نقل کر دیتا ہوں۔

سوال: رفع الصوت کے ساتھ ذکر کرنے کو بعض فقہاء نے منع کیا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ معتدل جہر اور ”رفع الصوت“ میں فرق ہے رفع الصوت جہر مفطر کی قبیل سے ہے جو ممنوع ہے اور جہر معتدل منع نہیں۔

سوال: مذاہب اربعہ کے علماء نے نماز کے بعد ذکر بالجہر کو منع کیا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ علماء کا یہ فیصلہ نماز کے بعد متصل ذکر بالجہر کے مسنون نہ ہونے کے بارے میں ہے۔ علی الاطلاق ذکر بالجہر کی ممانعت کے متعلق نہیں چنانچہ علامہ نووی شافعی علامہ جلال الدین سیوطی شافعی امام شعرانی شافعی، علامہ شامی حنفی وغیرہ حضرات نے احادیث ذکر میں تطبیق دیتے ہوئے ذکر بالجہر کو جائز لکھا ہے۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ”الحاصل ذکر کی چار اقسام ہیں، قلبی، ذکر لسانی خفی مسموع النفس، جہر معتدل، اور مفطر، ان میں سے صرف ”جہر مفطر“ ”لا یحب المعتدین“ کے تحت داخل ہے جہر معتدل اعتداء میں داخل نہیں ورنہ حضرات انبیاء علیہم صلوٰۃ والسلام اور خود آنحضرت ﷺ سے مرضی خداوندی کے خلاف کرنا کیسے مقصود ہو سکتا ہے نیز لکھتے ہیں کہ: واضح رہے کہ جو بعض روایات سے ذکر

جہر کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ روایات جہر مفرط یا جہر موزی پر محمول ہیں بلکہ قسادت قلبی کے علاج کی غرض سے اگر شیخ جہر مفرط تجویز کر دے تو علماً جاس کی بھی اجازت ہے لیکن ایسی جگہ کیا جائے جہاں کسی کی نماز، تلاوت یا نیند وغیرہ میں خلل نہ آئے (خیر الفتاوی ج ۲ ص ۷۰۳ تا ۷۱۵)۔

خیر المدارس کے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب سے جہر کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب یوں دیا:- عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز ہے بلکہ مستحب ہے البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہو جائیگا مثلاً نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریاء کاری کا خوف ہو تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہیے؛ (اس جواب پر حضرت مفتی عبدالستار دامت برکاتہم نے بھی لکھا ہے کہ الجواب صحیح اور یہ فتویٰ بندہ کے پاس موجود ہے) صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت حضرت علامہ محمد امین صاحب اور کرنی شاہووام دامت برکاتہم سے ذکر جہر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے مفصل جواب بھیجا اس میں انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ: جہاں کوئی کیفیت منصوص نہ ہو تو وہاں دونوں جائز ہیں بشرطیکہ موانع نہ ہوں مثلاً بطور ریاء سمعہ کے نہ ہو کسی ناظم مصلیٰ ذکر وغیرہم کو اذیت نہ پہنچائے کیفیت کو قربت مقصود نہ بنائے تارک پر تکبر نہ کرے جہر میں افراط نہ ہو مظنہ فتنہ عوام نہ ہو ایسی صورت میں جواز سر و جہر پر اجماع و اتفاق کے بعد افضلیت میں اختلاف ہے بعض اہل علم نے جہر کو افضل کہا اور بعض نے سر کو اور یہ اختلاف دراصل اذواق اور ملاحظہ کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔ (یہ فتویٰ بندہ کے پاس موجود ہے اور یہی فتویٰ تھا جس کو پڑھ کر بندہ نے از خود تحقیق شروع کی اور بالآخر میں بھی اسی نتیجہ پر پہنچا جو انہوں نے لکھا تھا)۔

## قرآن مجید کی آیتیں اور ذکر جہری:

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں کثرت ذکر کا حکم دیا گیا ہے اور ان آیتوں میں جہر اور سر کا کوئی تعین نہیں فرمایا بلکہ مطلق حکم دیدیا گیا ہے کہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ تو کثرت اس وقت متحقق ہوگی جبکہ ذکر الہی ہر صورت میں کیا جائے خواہ جہراً ہو یا سرّاً ہو کھڑے ہونے کی حالت میں ہو یا بیٹھے یا لیٹنے کی حالت میں ہو خواہ قلباً ہو یا قولاً ہو یا عملاً ہو۔ اگر کسی ایک حالت یا کسی ایک صورت کے ساتھ ذکر کو مخصوص اور مقید کیا جائے تو یہ خود کثرت ذکر سے روکنے کے مترادف ہے کیونکہ انسان کی طبیعت یہ ہے کہ وہ ایک قسم کے عمل سے تنگ ہو جاتا ہے اس لئے جس صورت سے اکتا جاتا ہے دوسری صورت کو اختیار کر لیتا ہے وہ کبھی ذکر جہر کرتا ہے اور کبھی سر کرتا ہے۔

## ذکر کے متعلق قرآن مجید کی مطلق آیتیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝۱ وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح، شام اس کی تسبیح کرتے رہو (احزاب آیت ۴۱-۴۲) جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پوچھا گیا کہ جہر افضل ہے یا خفی؟ تو انہوں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: دونوں میں فضیلت ہے من وجہ کسی وجہ سے جہر افضل ہے اور بعض وجہ سے خفی افضل ہے اور دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے "اذْكُرُوْا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا" مطلق کے فرد میں جو بھی ہو وہ مامور ہے۔ اور فضائل خارجی مختلف ہوتے ہیں باعتبار ذکر اور وقت، کیفیت اور ثمرات کے۔ فقط واللہ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ میں ۵۹۷)۔

فَاِذَا قُضِيَتْمُ الصَّلٰوةُ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ فَيَمَّا وَّقَعُوْا دَاوَعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ج: پھر جب تم نماز (خوف) پوری کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو (سورۃ النساء آیت ۱۰۳)۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد صرف نماز کی حالت پر موقوف نہیں بلکہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیے۔ اس آیت کے متعلق درمنثور میں حضرت عبداللہؓ سے ایک روایت موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ بات پہنچی کہ ایک قوم کھڑے ہو کر ذکر کرتی ہے تو ان کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا کہ یہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ فَيَمَّا وَّقَعُوْا دَاوَعَلٰی جُنُوْبِكُمْ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ:

انما هذه اذالم يستطع الرجل ان يصلي قائماً صلى قاعداً: اس آیت کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ جب کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو بیٹھ کر پڑھے (درمنثور، ج ۲، ص ۲۱۵ بحوالہ ابن ابی شیبہ)۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر بالکل افتراء ہے کیونکہ آیت کریمہ میں صاف طور پر یہ موجود ہے کہ جب نماز پوری کر چکو تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ کھڑے ہو یا بیٹھ کر ہو لیٹ کر ہو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو تو اتنے صاف صاف بیان کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے ذکر کا جو حکم ہے وہ نماز کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر صاف بہتان ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو ایسے صحابی نہیں کہ وہ قرآن مجید کے اس قدر صاف صاف بیان کو بھی نہ سمجھ سکیں۔



البتہ ایک دوسری آیت ایسی ہے کہ جس کے متعلق بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس میں صحت مند اور معذور کی نماز کے احکام ہیں وہ آیت کریمہ یہ ہے "الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : وہ جو کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں اور جو آسمان و زمین کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں" (آل عمران آیت ۱۹۱)۔ اسی آیت میں چونکہ نماز سے فراغت اور نماز پورا کر چکنے کا کوئی بیان نہیں اس لئے اس سے بعض مفسرین یہ مسئلہ معلوم کرتے ہیں کہ جب کھڑے ہو کر نماز کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھا کر واد بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹے لیٹے پڑھ لیا کرو۔ اگرچہ اس آیت کے حکم میں معذور کی نماز بھی شامل ہے اور اس لئے بعض مفسرین نے اسی آیت سے معذور کی نماز کا استنباط کیا ہے لیکن اس آیت کو صرف نماز کے ساتھ خاص کرنا بھی بہت بعید نظر آتا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی شاید اس آیت سے معذور کی نماز کا استنباط کیا ہوگا اور انہوں نے اسی آل عمران کے تحت اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

انما هذه في الصلوة اذالم يستطع قائماً فقاعداً وان لم يستطع قاعداً فعلى

جنبه : یہ حکم نماز کے بارے میں نازل ہوا ہے جب کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر بیٹھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھے (درمنثور ج ۲ ص ۱۱۰)۔

غرض یہ کہ اس تفسیر کا تعلق سورت نساء والی آیت اذ اقضيتكم الصلوة فاذكروا لله پھر جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ، کے ساتھ جوڑنا بہت مشکل ہے اور ایک جلیل القدر صحابی سے اسی طرح کی تفسیر منسوب کرنا صریح بہتان یا غلط فہمی ہو سکتی ہے شاید کسی نے کھڑے ذکر جہر کیا ہو جو کسی اور نے سنا ہو تو اس نے سورت آل عمران کی تفسیر کو یہاں چسپاں کیا ہو جس سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا دامن پاک ہے۔ سورت نساء کی اسی آیت ”اِذَا قُضِيَتْ الصَّلٰوةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ“ کے تحت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت کیا گیا ہے:

بالليل والنهار في البر والبحر وفي السفر والحضر والغنى والفقر والسقم

والصحة والسر والعلانية وعلى كل حال : رات اور دن میں خشکی اور سمندر میں

سفر میں حضر میں غنی اور فقر میں بیماری اور صحت میں سر آہو یا علانیہ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو

یاد کیا کرو) (درمنثور، ج ۲، ص ۲۱۴ تا ۲۱۵)۔

## قرآن مجید میں بعض آیتیں ایسی ہیں جن سے ذکر جہری صراحتاً یا

### کنایۃً یا اشارۃً ثابت ہوتا ہے:

قرآن مجید میں بعض آیات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے دُعا اور ذکر جہری صراحتاً، کنایۃً یا اشارۃً ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا : اور اپنی نماز (اور دُعا) نہ بہت زیادہ بلند آواز کیساتھ پڑھو اور نہ زیادہ پست آواز کے ساتھ ان دونوں کے درمیان کی راہ اختیار کرلو (اسراء آیت ۱۱۰)۔

اس آیت کریمہ میں صراحتاً جہر متوسط اور درمیانی انداز میں جہر کا حکم ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتْكُمْ مِّنَ الصَّلٰوةِ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ اَبَآئَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ : پھر جب تم حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو اسی طرح یاد کرو جیسا کہ تم اپنے اباؤ اجداد کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی شدت کے ساتھ ذکر کرو پس کچھ تو ایسے ہیں (جو صرف دنیا ہی کے پجاری ہیں اور اللہ تعالیٰ سے صرف یہ سوال کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا ہی میں (سب کچھ) دیدیں پس آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں (سورت بقرہ آیت ۲۰۰ تا ۲۰۱)۔

اس آیت کریمہ کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں کفار و مشرکین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حج ہو جانے کے بعد اپنے باپ دادا کی بڑائیاں بیان کرتے تھے اور ان کے کارناموں کو فخریہ انداز میں پیش کیا کرتے تھے تو اس آیت کی تعلیم یہ ہے کہ باپ دادا کی بڑائی بیان کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت اور اس کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ اور بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور باپ کو جس رغبت اور محبت کے ساتھ یاد کرتے تھے جیسا کہ بچہ نیا نیا بولتا ہے تو ابایا امی بار بار شوق اور محبت کے انداز میں کہتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد بھی اسی طرح کے محبت اور شوق کے انداز میں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت اور شوق کے انداز میں کیا کرو۔ ان دونوں تفسیروں کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل ذکر جہر سے ہو سکتی ہے اور اس آیت کریمہ کے تحت علامہ قاضی پانی پٹی نے جو یہ لکھا ہے کہ: ”لیس فیہ التشبیہ فی الجہر بل فی اکثار الذکر : اس میں تشبیہ جہر میں نہیں بلکہ کثرت سے ذکر کرنے میں ہے“ (تفسیر مظہری، ج ۳، ص ۳۶۱) یہ ان کی اپنی رائے ہے جس پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی آخر وہ کون سی وجہ ہے جس کی وجہ سے صرف کثرت ذکر تو مراد لیا جائے اور جہر پر اس سے کوئی استدلال روانہ رکھا جائے بلکہ اسی آیت کی دونوں تفسیروں میں جو منقول ہے دونوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کثرت کے ساتھ جہر بھی مراد لیا جا

سکتا ہے اس کی چند وجوہ یہ ہیں۔

آباؤ اجداد کی بڑائیاں اور کارناموں کا فخر یہ بیان اس لئے ہوتا ہے کہ دوسروں کو سنائیں تو آیت کریمہ میں آباؤ اجداد کے ذکر کے ساتھ تشبیہ دے دینے سے صرف کثرت لے لینا اور جہر کو نظر انداز کرنے کی دلیل کیا ہے؟ جبکہ دوسری طرف واضح دلیل اور خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عمل بھی موجود ہے۔

دوسری تفسیر جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے جیسے بچے والدین کو یاد کرتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں اور اس تفسیر پر آیت کا بعد والا حصہ بھی دلیل ہے جیسا کہ اس کے فوراً بعد ”فَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا: پھر بعض لوگ ایسے ہیں کہ کہتے ہیں رَبَّنَا: اے ہمارے پروردگار“۔ تو اس تفسیر کے رو سے بھی تبعاً جہر ثابت ہوتا ہے کیونکہ جس ذوق و شوق سے ابو، ابویا ابا، ابا کہتے ہیں وہ جہراً کہتے ہیں نہ کہ چپکے چپکے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں ”اکثر“ کے بجائے ”اشد“ کا لفظ آیا ہے اور اشد کے اصل معنی قوت، مضبوط، سخت زور دینے وغیرہ کے ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ انہی معنوں کے لئے مستعمل ہے اس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(الف) اشد ماتجدون..... بہت سخت سردی جو تم پاتے ہو۔

(ب) اشد العذاب..... بہت سخت عذاب۔

(ج) يبلغ اشدہ..... اپنے زور تک پہنچے (یعنی جب اپنے زور اور قوت کے زمانے کو پہنچے)۔

(د) والذین معه اشدُّ آء علی الکفار..... اور جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں کفار کے مقابلے میں مضبوط ہیں۔

بہر حال یہاں ”اَشَدُّ“ کا لفظ آیا جس کے معنی بہت زیادہ قوت اور بہت زیادہ مضبوطی کے ہیں اس میں اگرچہ کثرت اور زیادتی کے معنی موجود ہیں اس لئے مفسرین نے اَشَدُّ کے معنی اکثر سے کئے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کثرت میں جہر کی نفی ہے اور آیت کا جو صحیح مطلب سامنے آ رہا ہے وہ دونوں تفسیروں کے رو سے یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اس کی عظمت تو اس سے بھی زیادہ قوت و محبت کے ساتھ بیان کرو۔

حق یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مناسک حج سے فراغت کے بعد لوگوں پر تفریحات اور دلچسپیوں کا نشہ طاری ہوتا تھا جس طرح اس زمانے میں لوگ عیدوں کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں پکنک کے پروگرام بناتے ہیں شعرو شاعری کی مجلس منعقد کرتے ہیں اس طرح جاہلیت میں لوگ مناسک حج سے فراغت کے بعد شعرو شاعری کی مجلس منعقد کرتے تھے خاص قیام منی کے دن تو انہی چیزوں کیلئے خاص ہو کر رہ گئے تھے۔ شعراء، خطباء اور مقررین اپنے اپنے قبیلوں اور اپنے آباؤ اجداد کی مفاخرانہ نظم و نثر بیان کرتے تھے اور اشعار و بیانات میں ایک

دوسرے پر فوقیت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن مجید نے اس لغویت کی بھی اصلاح فرمائی اور اس کی جگہ اس سے زیادہ اہتمام اور اس سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ذکر الہی میں مشغول رہنے کی ہدایت فرمائی اس لئے یہاں کثرت ذکر کے بجائے شدت ذکر لایا اور ذکر میں شدت اور جوش و خروش اس وقت منظر عام پر آ سکتا ہے کہ ذکر جہر کو اختیار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے نام اور تہلیل و تکبیر کا برسر عام اعلان کیا جائے اور اس کی عملی تفسیر خود نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ نے علانیہ تکبیرات اور تہلیل و تہلیل کی گونج سے دنیا کے سامنے پیش کی۔

بہر حال ”اشد ذکر“ کے ضمن میں جہر بھی آ جاتا ہے اور اس آیت کریمہ سے ذکر جہری ضمناً اور تبعاً ثابت ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ذکر جہر کے ثبوت میں دوسرے دلائل کے ساتھ اس آیت کریمہ کو بھی پیش کیا ہے (اشعة اللمعات، ج ۲، ص ۲۷۸)۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا  
أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ط لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي  
الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ: اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ  
تعالیٰ کے نام کے ذکر سے روک لے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے ایسے لوگوں کو  
مناسب نہیں تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ڈرتے ان کیلئے دنیا میں (بھی) بڑی

ذلت ہے اور ان کیلئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے (بقرہ ۱۱۴)۔

یہ آیت کریمہ اگرچہ کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی کہ وہ مسجدوں میں ذکر و عبادت اور نماز وغیرہ سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن ضمناً اس تنبیہ میں وہ لوگ آ سکتے ہیں جو لوگوں کو مسجدوں میں ذکر الہی نماز و تلاوت وغیرہ کے روکنے کا سبب بن جاتے ہوں۔ مثلاً کوئی بہت زور زور سے تلاوت کرتا ہے کہ پاس رہنے والا نماز نہ پڑھ سکے تو گویا یہ اپنے عمل سے نماز سے روک رہا ہے یا کوئی ذکر کر رہا ہے تلاوت کر رہا ہے تو کوئی وہاں زور زور سے باتیں کرنے لگے نیز اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی بلا وجہ کسی کو جہری ذکر یا تلاوت سے روک دے اور اس پر لعن طعن کرے اور یہاں اللہ تعالیٰ کے نام لئے جانے سے روکنے کی تنبیہ آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ”اللہ اللہ“ بھی ہے اس کا ذکر لا الہ الا اللہ بھی ہے۔ تسبیح و تہلیل بھی، اس کا نام نمازوں میں بھی لیا جاتا ہے اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت بھی داخل ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام لینے سے منع اس وقت کیا جائیگا جبکہ کسی کو معلوم ہو مثلاً کوئی جہراً ذکر کرتا ہو یا تلاوت کرتا ہو یا عمل سے مثلاً کوئی نماز پڑھ رہا ہو۔ ورنہ اگر نہ آواز سننے میں آئے اور نہ عمل دیکھنے میں تو پھر منع کرنا کیسا ہوگا۔ اس لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہؒ زین کے دلائل میں اسی آیت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: ظاہر ہے کہ منع ذکر بدون اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۵۲)۔



انبیاء علیہم السلام کی بہت سی دعائیں لفظ نداء یعنی ”ربنا“ رب کے ساتھ قرآن مجید میں نقل کی گئی ہیں اور لغوی لحاظ سے اگر لفظ نداء کو بلا کسی قید کے ذکر کئے جائیں تو اس سے مراد جہر ہی لیا جاسکتا ہے اور نداء کا ادنیٰ مصداق جہر معتدل ہے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام دعا کرتے ہیں:

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا سَكْتَةً وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ: ان دونوں نے دعا کی؛ اے ہمارے پروردگار: ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کرے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے (اعراف ۲۳)۔

یہاں دونوں نے ایک ساتھ دعا کی جیسا کہ ”قَالَ“ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ایک دعا بطور مثال پیش کی گئی ورنہ کئی جگہ اسی لفظ نداء کے ساتھ آپ کو انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ملیں گی۔ اور جہاں کسی نے خفیہ چھپ کر نداء کی تو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نداء کے ساتھ ”خَفِيًّا“ کی قید بھی بڑھادی جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگا ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۖ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا: جب زکریا نے خفیہ طور پر اپنے پروردگار کو پکارا، اس نے عرض کی اے میرے رب میری حالت یہ ہے کہ میری ہڈیاں کمزور، بوسیدہ ہوگئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی وجہ سے بالکل سفید ہو گیا ہے اے پروردگار اب تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اور میں محروم رہا ہوں (سورۃ مریم کی ابتدائی آیتیں)۔

ان آیتوں میں جب ”اے میرے پروردگار“ کہہ کر دعا کی اور یہاں چونکہ پکار خفیہ تھی اس لئے نداء کے ساتھ ”خَفِيًّا“ کا لفظ بڑھا دیا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے خفیہ طور پر اللہ پاک کو کیوں پکارا؟ مفسرین اس کی چند وجوہات بیان فرماتے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

(الف) خفیہ دعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے اور زیادتی اخلاص کی وجہ سے قبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے، یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جس قدر اخلاص اور حسن ظن زیادہ ہو جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے الفاظ دعا سے واضح ہے لیکن چپکے آواز میں دعا مانگنا اخلاص کیلئے لازم نہیں کیونکہ لوگوں کے سامنے ہاتھ اٹھانا خود بھی علانیہ دعا میں شامل ہے اگرچہ زبان سے کچھ بھی نہ کہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا۔

(ب) دعا اس لئے خفیہ کی کہ نماز میں تھے اور نماز کے اندر انہوں نے دل کی گہرائیوں سے آواز نکالی لیکن زبان پر الفاظ نہ لائے اور اس کی وجہ وہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ دعا کی قبولیت

کی نداء ان کو محراب میں آگئی، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ محراب اور جائے عبادت ہی میں بیٹھے یا کھڑے ہوں اور نماز کی حالت میں ہی دعا مانگی ہو بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ دعا انہوں نے اس وقت مانگی تھی جب کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں رزق و طعام دیکھا اور آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آئے تو حضرت مریم علیہا السلام نے جواب میں عرض کیا کہ: قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ: حضرت مریم کہتی ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی، اے میرے رب: تو اپنے خاص فضل سے مجھے پاک اولاد عطا فرما بلاشبہ تو ہی دعائیں سننے والا (اور دعائیں قبول کرنے والا ہے) (آل عمران ۳۷ تا ۳۹)۔

اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کو فرشتے نے نداء دی اور صالح بیٹے کی بشارت دی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وہاں دعا مانگی جہاں آپ نے حضرت مریم علیہا السلام پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم دیکھ لیا اور ان کو دعا کی قبولیت کی اطلاع بھی وہاں آئی واللہ اعلم۔

(ج) دعا اس لئے چھپ کر مانگی کہ بیوی بھی بوڑھی بانجھ تھی اور آپ بھی سخت بوڑھے تھے، خیال آیا کہ ایسے وقت میں بیٹے کا سوال لوگوں کو عجیب معلوم ہوگا اور ان کے لئے مسخرہ اور مذاق اڑانے کا سبب بن سکتا تھا۔ لہذا اس لئے لوگوں سے چھپ کر اللہ تعالیٰ کو پکارا خفیہ دعا کی یعنی لوگوں سے الگ ہو کر تنہائی میں دعا کی تو ایسی صورت میں نداء بھی صحیح ہوئی کہ جہراً دعا کی اور لفظ خفیہ بھی صحیح ہوا کہ لوگوں سے چھپ کر اللہ تعالیٰ کو پکارا۔

(د) چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی کہ دعا تو پورے زور اور قوت سے کی لیکن بڑھاپے کی وجہ سے ان کی آواز اس قدر پست ہو چکی تھی کہ اس پر خفی دعا کا اطلاق ہو سکتا تھا۔ لہذا ایسی صورت میں بھی لفظ نداء بھی صحیح ہوا کہ نداء تو کی لیکن ضعف اور کمزوری کی وجہ سے ان کی آواز بہت ہی پست ہو چکی تھی جیسا کہ ان کے اپنے الفاظ اس پر دلیل ہیں کہ میری ہڈیاں بوسیدہ اور کھل گئی ہیں اور میرے سر کے بال بڑھاپے کی وجہ سے بالکل سفید ہو گئے شاید اس لئے حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اخفاء کبھی آواز کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ قریب کے لوگ سن لیتے ہیں تو یہ بھی اخفاء ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔

## قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جہری دُعا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا مانگی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی اور وہ یہ دُعا ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا "ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور مال و دولت کی شوکتیں بخشی ہیں، اے ہمارے پروردگار کیا یہ اس لئے کہ تیری راہ سے یہ لوگوں کو بھٹکائیں، اے ہمارے پروردگار ان کی دولت غارت کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں"۔ اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کے جواب میں فرمایا: "قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دُعا قبول کی گئی پس (راہ حق پر) تم دونوں ثابت قدم رہو" (یونس، ۸۸ تا ۸۹)۔ اس دُعا کے متعلق اللہ تعالیٰ پہلے فرماتے ہیں کہ "قال موسى: موسیٰ نے دُعا مانگی" پھر دُعا کے جواب میں فرمایا کہ تم دونوں کی دُعا قبول کی گئی، جس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہراً دُعا کی حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔

## قرآن مجید میں جہری دعا کی تعلیم:

رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ: (اے پیغمبر ﷺ) آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کیلئے دعائے خیر کریں، بے شک تمہاری دعا ان کے لئے تسکین کا باعث ہے (سورۃ توبہ، ۱۰۳)۔

یہاں فرمایا کہ تم ان کیلئے دعا کرو اور تمہاری دعا ان کیلئے دلوں کی راحت و سکون کا سبب بنتی ہے تو یہاں دعا جہراً ہی ہوگی، ورنہ جب تک دعا کو نہ سنا جائے تو وہ راحت و سکون اور خوشی کا سبب کیسے بنے گی؟

## حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر جہر:

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ط كُلُّ

لَّهُ أَوَّابٌ: بے شک ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر رکھا تھا کہ وہ ان کے ساتھ (شریک ہو کر) اشراق اور شام کے وقت تسبیح کیا کریں اور (اسی طرح) پرندوں کو (مسخر کر رکھا تھا) وہ بھی (تسبیح کرنے کیلئے ان کے پاس آ کر) جمع ہو جاتے تھے اور یہ سب (پہاڑ اور پرندے وغیرہ) اس کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے) فرمانبردار تھے (سورۃ ص، ۱۸ اور ۱۹)۔

ان آیتوں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ "إِنَّهُ أَوَّابٌ: بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا" اور ان آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی اوابیت اور رجوع الی اللہ کی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی قوت اور سلطنت دی تھی مگر ان کا حال یہ تھا کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور صبح و شام پہاڑ کے دامن میں بیٹھ کر اتنے ذوق و شوق اور وجد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتے اور اپنے خاص لُحْن میں زبور کے منظوم الفاظ کو پڑھتے کہ پورا ماحول ان کا ہم آواز ہو جاتا تھا درخت اور پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح و ذکر میں شامل ہو جاتے تھے اور پرندے بھی جھنڈ کے جھنڈ جمع ہو کر ان کے سُرمے میں اپنا سُرمہ ملائے اللہ تعالیٰ نے ان کی پُرسوز آواز اور ان کی دردمندی میں ایسی تاثیر و تغیر رکھی تھی کہ دشت و جبل چرند و پرند سب ذکر و مناجات کیلئے ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے اور ان کے ارد گرد پوری فضا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گونج اٹھتی تھی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے لیکن ہمارے نہ سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی بھی ان کو نہیں سمجھتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہاڑوں کو موم کرنے والا اور پرندوں کو جذب کر لینے والا سوز و لُحْن بخشا تھا اسی طرح ان کو وہ شنوائی بھی عطا فرمائی تھی، کہ وہ ان چیزوں کی تسبیح و مناجات کو سمجھ سکیں۔ بہر حال ان آیتوں سے بھی یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ حضرت داؤد علیہ السلام ذکر، حمد و تسبیح اور مناجات جہراً بھی کرتے تھے اور پہاڑ، چرند پرند وغیرہ مل کر ان کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے اور اس سے اجتماعی ذکر کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بعد اب نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کو پڑھ لیجئے جن سے جہری ذکر و دعا ثابت ہوتی ہے

## دُعا و تلاوت اور ذکر جہر کے حق میں نبی کریم ﷺ کے اعمال اور ارشادات:

نبی کریم ﷺ کے عمل اور ارشادات میں جہری دعا اور ذکر کے متعلق اس قدر عظیم ذخیرہ موجود ہے کہ اگر اس کو لکھا جائے تو صرف نبی کریم ﷺ کی دعاؤں اور ارشادات سے ایک ضخیم کتاب بن جاتی ہے اور نبی کریم ﷺ سے جس قدر دعائیں اذکار منقول ہیں وہ آپ ﷺ نے جہراً ہی کیے تھے اسلئے تو اوروں نے نقل کیے ہیں اور ان تمام کے متعلق یہ بات کہنا کہ یہ صرف تعلیم کیلئے تھیں۔ تاکہ لوگ سیکھ جائیں یہ صحیح نہیں بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ

۱۔ اس بات پر انشاء اللہ تعالیٰ بندہ خود بھی ایک تبصرہ پیش کرے گا۔



کے اندر اندر جہراً ذکر اور دعائیں بھی جائز ہیں۔ اس لئے یہاں صرف تلاوت قرآن اور اس قسم کی دعاؤں اور اذکار کو نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو دعائیں اور اذکار نبی کریم ﷺ بار بار جہراً پڑھ چکے ہیں یا سن چکے ہیں اور آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا یا خود سننے کا مطالبہ کیا ہو۔

## جہری تلاوت:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِشَىءٍ مَا اَذِنَ لِلنَّبِيِّ حَسَنَ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ : اللہ تعالیٰ جس طرح (پسندیدگی کے ساتھ) نبی کریم ﷺ کی آواز کو سنتا ہے جبکہ خوش آوازی کیساتھ اور بلند آواز میں قرآن مجید پڑھیں (اس طرح کسی دوسری آواز کو قبول نہیں کرتا) (مشکوٰۃ، کتاب فضائل قرآن بحوالہ صحیح بخاری صحیح مسلم)۔

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آواز تو ویسے بھی بہت شیریں ہے مگر جب اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ خوش آوازی کے ساتھ بلند آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یہ آواز جس قدر پسند ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اس آواز کو قبول فرماتا ہے تو اسی طرح کی پسندیدگی اور مقبولیت کسی بھی ایسی چیز کو حاصل نہیں ہوتی جس میں آواز ہوتی ہے اور جوتنی جاتی ہے۔ اس سے جس طرح جہری تلاوت کا واضح ثبوت ملتا ہے اسی طرح دوسرے اذکار کا بھی۔ کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ ورنہ عبارت یوں ہونی چاہیے کہ قرآن مجید کے سوا کوئی دوسرا ذکر جہر کے ساتھ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور یہاں جو انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس پر غور کریں تو خود معلوم ہو جائے گا کہ ذکر جہری اور جہری دعا جائز ہے۔

## نبی کریم ﷺ کا تلاوت کو سننا اور رونا:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس وقت یوں فرمایا جبکہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے:

”اقْرَأْ عَلَيَّ: میرے سامنے قرآن شریف کی تلاوت کرو“ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے قرآن کریم پڑھوں حالانکہ قرآن مجید آپ پر اتارا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِنِّى اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَ مِنْ غَيْرِى: میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے سے قرآن مجید کو سنوں“۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا: پھر

اس (قیامت کے) دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ طلب کریں گے اور ہم تجھے بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کیلئے طلب کریں گے“ (النساء، ۴۱) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حسبک الآن: اب آپ رک جاؤ“ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ”عیسائے نذر فان: آپ ﷺ کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں“ (مشکوٰۃ فضائل القرآن بحوالہ بخاری و مسلم)۔

## صحابہ کرامؓ کا قرأت کرنا اور سننا:

ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مہاجرین کی جماعت کے پاس گئے جو قرآن مجید پڑھنے میں مشغول تھے آپ ﷺ کو دیکھ کر قاری چپ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سلام کے بعد فرمایا کہ: تم کیا کر رہے تھے، تو انہوں نے جواب میں عرض کیا: کُنَّا نَسْمَعُ اِلَى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی: ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) سن رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: الحمد لله الذى جعل من امتى من امرت ان اصبر نفسى معهم: تمام ستائش اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے میری امت میں وہ لوگ بھی پیدا فرمائے جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے پاس بیٹھوں (مشکوٰۃ فضائل القرآن بحوالہ ابوداؤد)۔

## خوش آوازی اور جہری تلاوت کی ترغیب:

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاصْوَاتِكُمْ: قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ذریعہ مزین کرو (مشکوٰۃ بحوالہ احمد ابوداؤد وابن ماجہ و دارمی)۔

اس ارشاد مبارک میں آپ ﷺ نے تجوید، ترتیل اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور خوش آوازی اور تجوید وغیرہ جہر میں ہی ہوتی ہیں۔

## تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کی تلاوت:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا: رات کی نماز میں نبی کریم ﷺ کی قرأت مختلف ہوتی تھی کبھی تو بلند آواز سے فرماتے تھے

اور کبھی پست آواز سے (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل بحوالہ ابوداؤد)۔

یہ بات یاد رہے کہ پست آواز ادنیٰ جہر کو بھی شامل ہے جیسا کہ آئندہ آنے والی حدیثوں سے خود بخود آپ معلوم کر سکتے ہیں۔

## حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قرأت اور تلاوت قرآن:

حضرت ابوقنادہؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ رات کے وقت باہر نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے گزرے جو نماز میں پست آواز کے ساتھ تلاوت کر رہے تھے اور حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے وہ بھی نماز میں مشغول تھے اور بلند آواز کے ساتھ تلاوت کر رہے تھے، جب صبح ہوگئی تو دونوں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ (آج رات) میں تمہارے پاس سے گزرا تو تم پست آواز کے ساتھ قرآن کریم پڑھ رہے تھے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جس سے مناجات کر رہا تھا اسے ہی سنا رہا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے گزرا تھا تم نماز میں بلند آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا آپ ﷺ نے دونوں کی باتیں سن کر حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کچھ بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو پہلی آواز کی بہ نسبت ذرا پست کرو (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)۔

آپ ﷺ نے ان دونوں پر کوئی تنبیہ نہیں فرمائی ان کو یہ نہیں فرمایا کہ تم ناجائز کام کر رہے تھے بلکہ رات کی نماز تھی حد اعتدال کی ترغیب دیدی تاکہ جہر کا فائدہ بھی حاصل ہو اور کسی کو تکلیف بھی نہ ہو۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ جس سے ایک سلیم طبع شخص بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ جہر افضل ہے یا سر نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو سنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آواز صرف اس قدر ہو کہ خود سن سکے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جہر سے قاری کو فائدہ ہوگا۔ بعض علماء نے جو یہ فرمایا کہ تلاوت قرآن مجید میں جہر اس لئے افضل ہے یا جائز ہے کہ اس میں لوگوں کو تبلیغ مقصود ہوتی ہے تو یہ بات کمزور ہے کیونکہ تہجد میں ایک آدمی تلاوت کرتا ہے تو اس وقت وہ راتوں میں کس کو بیان یا تبلیغ کرتا ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا معاملہ اور خود نبی کریم ﷺ کا عمل آپ کے

۱۔ غور کریں یوں نہیں فرمایا کہ تم تو بالکل چپ ہو کر کھڑے تھے اور کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی بلکہ فرمایا کہ تم نماز پڑھ رہے تھے، تمہاری آواز پست تھی یعنی آواز تو آ رہی تھی لیکن پست تھی۔

۲۔ غور کریں حضرت عمرؓ بہت بلند آواز سے قرأت کرتے ہوئے ورنہ سوتے ہوئے کو جگانا کیسے ہوا۔

سامنے آچکا ہے کہ راتوں میں کبھی بلند آواز کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور کبھی پست آواز کے ساتھ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ تلاوت قرآن سے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں اس لئے اس پر جہر جائز ہے یا افضل ہے یہ کمزور بات ہے بلکہ ذکر ہو یا نفل میں تلاوت وہ انسان اپنے فائدے کیلئے کرتا ہے تاکہ جہر کو خود سن کر چوکٹا رہے اس سے اس کا خیال متاثر ہو جایا کرے اور قرأت یا ذکر کی طرف اور اس کے معنی کی طرف دھیان لگ جائے۔

## خفیہ اور علانیہ ذکر کی ترغیب اور بندہ کے گمان کے مطابق معاملہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں:

انا عند ظنّ عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسی ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منہم : میں اپنے بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں بالکل اس کے ساتھ ہوتا ہوں لہذا اگر وہ مجھے اپنی ذات میں (یعنی اکیلا خفیہ طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بندہ اپنے پروردگار کے ساتھ جس قدر حسن ظن رکھتا ہے اس پر جس قدر یقین کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اس کے یقین اور گمان کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی بھی اس پر اسی طرح مخفی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات میں یاد کرنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ بازار میں جارہا ہے کسی کے ساتھ بات کرتا ہے کھڑا یا بیٹھا ہے لیکن دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ اٹکا ہوا ہے۔ اور دل دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بندہ انفرادی طور پر ذکر کرتا ہے یعنی ایسا ذکر کرتا ہو جس میں دوسروں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہ پڑتی ہو خواہ ذکر جہری کرتا ہو یا سر آلوگوں کے سامنے کرتا ہو یا خلوت میں لیکن اس کا ذکر فی نفسہ یعنی اس کی اپنی ذات کی حد تک محدود ہو، اور اس میں لوگوں کو دکھلاوا مقصود نہ ہو بندہ کے خیال میں یہ دونوں مطلب فی نفسہ کے مفہوم میں داخل ہیں یعنی اپنی ذات میں (یعنی اپنی ذات تک محدود ہو کر) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنی ذات کی حد تک یاد کرتا ہے اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ”فی نفسہ“ کے بجائے ”خالیاً“ کا لفظ آیا ہے یعنی جب وہ مجھے تنہا اور اکیلا یاد کرتا ہے (الحادی للفتاویٰ، جلد ۱، ص ۳۹۱ بحوالہ مسندالبرز اروا لہقی)۔

نیز علامہ جلال الدین سیوطیؒ کسی حد تک اس خیال سے متفق نظر آتے ہیں جیسا کہ وہ تفسیر حاشیہ سلیمان



الجمل میں ”فی نفسہ“ کا مطلب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ”ای خالیاً عن الخلق ولو جہراً: (فی نفسہ کا مطلب یہ ہے کہ) مخلوق سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اگرچہ جہراً کیوں نہ ہو“ (تفسیر حاشیہ سلیمان الجمل) اور جماعت میں ذکر کرنے کا مطلب دوسروں کے سامنے ذکر کرنا ہے جس میں دعوت و ارشاد اور وعظ نصیحت، خطبہ جیسی تمام اجتماعات جس میں دوسروں کی طرف دھیان لگ جانا ضروری ہوتا ہے۔ وہ سب اس میں شامل ہیں، بشرطیکہ اخلاص و اللہیت کے ساتھ ہو نیز اس میں اکیلا شخص بھی داخل ہے جو عام غافل لوگوں میں اکیلا اللہ تعالیٰ کا ذکر جہراً کرتا ہے یا لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے تاکہ اور لوگ بھی ذکر اور نماز کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ بھی گویا اپنے عمل سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے کی کوشش کرتا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کو اس قدر یاد کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اکثر و اذکر اللہ حتیٰ یقولوا مجنون: اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں (فضائل ذکر ص ۳۷ بحوالہ احمد، ابویعلیٰ، ابن حبان، حاکم)۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کا ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمہیں ریاء کار کہنے لگیں (فضائل ذکر، ص ۳۷، بحوالہ طبرانی و بیہقی وغیرہ)۔

ان حدیثوں کے فائدہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ لکھتے ہیں کہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں اور بیوقوفوں کے ریاء کار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت کو چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں، اور مجنون جب ہی کہا جائے گا، جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے، آہستہ میں یہ بات نہیں ہو سکتی (فضائل ذکر، ص ۳۷ یا ۳۸)۔

## مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانیؒ کا ذکر جہری:

حضرت ابن جابرؒ کا بیان ہے کہ:

کان ابو مسلم الخولانی یكثر یرفع صوته بالتکبیر حتیٰ مع الصبیان و کان یقول اذکر اللہ حتیٰ یری الجاہل انک مجنون: حضرت ابو مسلم خولانیؒ بکثرت بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے یہاں تک کہ بچوں کے ساتھ بھی (مل کروہ یہ ذکر جہری) کرتے تھے اور وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، یہاں تک کہ جاہل لوگ تم

۱۔ ابو مسلم خولانیؒ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں۔

کود یوانہ سمجھیں (کتاب الزہد للامام احمد بن حنبل، ص ۴۵۸)۔

## مسجد میں جہر معتدل بلکہ ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا اور نبی کریم ﷺ کا معمول:

نبی کریم ﷺ کا ذکر و دعائیں کوئی خاص معمول نہیں تھا جہراً سرّاً دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ یہاں اس کے متعلق چند حدیثوں کو پڑھ لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

كنت اعرف انقضاء صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا اختتام تکبیر کی آواز سن کر معلوم کر لیتا تھا (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

ان رفع الصوت بالذکر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فریضہ نماز سے فراغت کے وقت ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنے کا معمول تھا (صحیح بخاری، صحیح مسلم)۔

ان روایتوں سے دو باتیں ثابت ہو گئیں۔ ایک جہراً ذکر کا جواز دوسری بات یہ کہ یہ جہر مسجد کے اندر تھا۔ بعض اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ جن میں سے ایک علامہ ابن حزم ظاہریؒ بھی ہیں ان حدیثوں کی رو سے اس بات کے قائل ہیں کہ فرض نماز کے بعد تکبیر اور ذکر کی گونج ہونی چاہیے اور یہ ان کے نزدیک مستحب اور مسنون ہے۔ نیز عصر حاضر کے جید اور فقیہ عالم اور جامعہ مکہ مکرمہ کے استاد علامہ شیخ محمد الصابونیؒ، حضرت نوویؒ کی کتاب المنقح المختار کے حاشیہ میں لکھتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت سے یہ بات واضح ہے کہ نماز کے اختتام پر ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا مسنون ہے۔

هذه الرواية فی الصحیحین توضح ان السنة رفع الصوت بالذکر بعد الانتهاء من الصلوة، (المنقح المختار من کتاب الاذکار، ص ۶۰)۔

اور اس کے برعکس حضرت امام شافعیؒ ان روایتوں کو تعلیم پر محمول کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ تعلیم میں جہر بھی ہے ورنہ نبی کریم ﷺ جہر کی نفی کرتے اور یہ بھی یاد رہے کہ علماء کرام جو یہ فرماتے ہیں کہ اس وقت ذکر مسنون اور مستحب نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر جہر ناجائز یا بدعت ہے العیاذ باللہ۔ نبی کریم ﷺ کے خود اپنے عمل بلکہ معمول کو بدعت کہنا یہ کسی بھی عالم کو بلکہ عام مسلمان کے بھی شایان شان نہیں البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس

وقت کے ذکر اور تکبیر جہراً کہنا مسنون اور مستحب نہیں۔ یعنی نہ کرنے کو تارک مستحب اور تارک السنۃ نہیں کہا جاسکتا۔ اور جس نے بدعت کہا ہے وہ اسی معنی میں ہے کہ اس کو سنت سمجھ کر تارک اور نہ کرنے والے پر طعن کیا جائے اور اس کو جواز کی حد سے بڑھانا صورت جہر کو مستحب و مسنون سمجھنا بدعت ہے اور اس کے برعکس بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت صفت جہر ہی سری کے مقابلہ میں مستحب یا مسنون ہے واللہ اعلم۔

## فرض نمازوں کے بعد جہر مستحب اور مسنون نہیں:

لیکن صفت جہر کو مسنون یا مستحب کہنا مکمل نظر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فریضہ نماز کے اختتام پر جہری ذکر کا معمول نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ روایت کرتے تھے اس وقت یہ معمول باقی نہ رہا تھا، ورنہ اگر اس وقت بھی یہی معمول ہوتا تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ معمول نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ معمول کیوں چھوڑ دیا گیا۔ اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ یہ معمول کچھ عرصہ تک تعلیم کیلئے تھا اس جواب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ تکبیر یا لا الہ الا اللہ مشکل الفاظ تو نہیں جو کسی کو یاد نہیں ہو سکتے روزانہ پانچ نمازوں میں تکبیریں کلمہ شہادت بار بار پڑھا جاتا ہے اگر یہ مطلب لیا جائے کہ نماز کے بعد خفیہ طور پر اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تعلیم و ترغیب مقصود تھی لیکن حدیث کے الفاظ پر غور کریں تو یہ بھی اس سے قطعاً معلوم نہیں ہو سکتا بلکہ اگر اس کو تعلیم پر محمول کیا جائے تو صفت جہر کی تردید کے بغیر جہراً تکبیر کہنے میں یہ تعلیم بھی ہے کہ تکبیروں کو جہراً پڑھیں۔ البتہ اس کا درست جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر تکبیریں اور تہلیل وغیرہ آپ ﷺ کے مبارک زمانے میں پڑھی جاتی تھیں اور معمول بھی تھا لیکن یہ معمول دائمی نہ تھا ورنہ اگر دائمی معمول ہوتا پھر تو نماز کے بعد ذکر جہری مسنون قرار پاتا جیسا کہ ظہر وغیرہ نمازوں کے بعد سنت نمازیں۔ شاید اس لئے بعد میں بعض صحابہ کرامؓ نے اس عمل کو ترک کر دیا ہوگا کہ کوئی اس عمل کو نماز کا حصہ نہ قرار دے۔ کہ اس کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی اور اس وجہ سے بعض فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے تاکہ یہ جہری ذکر نماز کا حصہ نہ قرار پائے۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ نماز کے اختتام پر تکبیر کہنا جائز ہے لیکن صفت جہر مسنون نہیں اور جہاں یہ خطرہ ہو کہ لوگ اس کو نماز کا حصہ قرار دیں گے وہاں کبھی کبھی ترک کرنا چاہیے اور اس کی وضاحت بھی کرنی چاہیے لیکن اگر کوئی اس کو ناجائز اور بدعت کہتا ہے تو وہاں نماز کے بعد تکبیر بھی کہنا چاہیے تاکہ ایک جائز بلکہ نبی کریم ﷺ کے عمل کو بلا وجہ کوئی ناجائز قرار نہ دے۔

۱۔ وفہم اصحابہ ان ذالک لیس بلام خشية ان یظن انه مما لا تقم الصلاة الا به فلذلک کرہہ من کرہہ من الفقہاء۔ (عمدة القاری شرح صحیح بخاری لہر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی رحمہ اللہ، جلد ۳، ص ۱۹۴)۔

## نبی کریم ﷺ کے دائمی معمول کی وجہ سے کوئی چیز مسنون یا واجب ہو جاتی ہے لیکن.....

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ نبی کریم ﷺ کے دائمی معمول کی وجہ سے کوئی عمل مسنون، مستحب یا کبھی واجب قرار پاتا ہے لیکن اگر کوئی عمل نبی کریم ﷺ سے ایک بار بھی ثابت ہے اور بعد میں اس کے خلاف اور اس کی تردید آپ ﷺ سے ثابت نہیں تو ایسے عمل کو اگر بعد والے دائمی طور پر بھی اختیار کر لیتے ہیں تو ان پر ملامت نہیں کی جائیگی، کیونکہ دوام اور التزام اور کسی چیز کو جائز سمجھ کر دائمی طور پر کرنا اور کسی عمل کو شریعت میں لازم اور سنت مؤکد سمجھ کر کرنا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اچھے اور نیک کام جو جائز ہیں ان پر دوام کرنا مثلاً کوئی اشراق کے نوافل ہمیشہ پڑھے یا کوئی سو بار (۱۰۰) استغفار پڑھے یا لا الہ الا اللہ پڑھے یا روزانہ ایک پارہ تلاوت کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں البتہ ملامت اس وقت کی جائیگی کہ وہ اس عمل کو سنت مؤکدہ یا شرعاً لازم سمجھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جو نہ کرے اس پر ملامت کرے یا اس کو تارک سنت سمجھے البتہ اگر ایک جائز نیک عمل کو کوئی اپنے اوپر لازم کر دے مثلاً یوں نذر کرے کہ میں ہر پیر کو روزہ رکھوں گا تو اس پر یہ لازم ہو جائیگا۔

## نذر اور سنت مؤکدہ اور شرعاً لازم عمل میں فرق:

شرعاً لازم واجب یا سنت مؤکدہ عمل اور نذر میں فرق یہ ہے۔ شرعاً لازم یا سنت مؤکدہ وغیرہ وہ عمل ہے جس کا مطالبہ ہر صاحب استطاعت اور کر سکنے والے مسلمان سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً فرض نمازیں، سنت نمازیں، واجب نمازیں، زکوٰۃ اور فرض حج وغیرہ۔ اور نذر وہ ہوتا ہے جسے مسلمان خود اپنے اوپر لازم کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ یہ عمل دوسروں پر فرض یا واجب وغیرہ نہیں بلکہ میں نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔

## نبی کریم ﷺ سے جہراً دُعا و ذکر کا ثبوت:

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور یہ دُعا پڑھتے: اللّٰھم

انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والا کرام: اے اللہ تو ہی

سلامتی والا ہے اور تیری ہی (بندوں کی آفات سے) سلامتی ہے تو بڑا بابرکت ہے، اے

بزرگی اور عزت کے بخشے والے (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ بحوالہ مسلم)۔



حدیث کے الفاظ سے ایک بات یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ دائی طور پر یا اکثر نماز کے بعد یہ مذکورہ دُعا و ذکر کرتے تھے اس لئے حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں ” اذ انصرف عن صلاتہ“ کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی نماز سے فارغ ہو لیتے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ یہ پڑھنا جہراً تھا اور مسجد میں بھی تھا اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی آواز کو سن لیتے تھے، اسی طرح نبی کریم ﷺ سے نماز کے بعد بہت سی ایسی دُعا ئیں اور اذکار منقول ہیں جو نبی کریم ﷺ نے جہراً مانگی ہیں اور صحابہ کرامؓ نے ان کو نقل کیا اور ان میں صیغہ بھی ماضی استمراری استعمال کیا کہ نبی کریم ﷺ یہ پڑھتے تھے یا یوں الفاظ آئے ہیں کہ جب فلاں کام کرتے تھے تو فلاں دُعا پڑھا کرتے تھے وغیرہ۔ تو یہ صیغہ استمراری دوام پر دلالت کرتا ہے البتہ یہ صیغہ تکرار کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی جب کوئی شخص کوئی کام زیادہ بار بار کرے تو وہاں بھی ماضی استمراری کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتا تھا تو اس سے مراد یہ بھی لیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا کرتا تھا ورنہ کم از کم اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلمات اس نے کئی بار پڑھے ہیں۔ نیز فرض نماز کے بعد جو دُعا ئیں اور اذکار آپ ﷺ سے منقول ہیں یہاں ان میں سے صرف دو کو نقل کرتا ہوں جس سے جہراً زیادہ بلند آواز کے ساتھ ذکر اور دُعا ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ابویوب انصاریؓ فرماتے ہیں؛

ماصلیت خلف نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم الا سمعته یقول حین ینصرف اللہم اغفر خطایای و ذنوبی کلہا اللہم وأنعشنی واجبرنی و اھدنی بصالح الاعمال والاخلاق لا یھدی لصالحھا ولا یصرف سیئھا الا انت : میں نے جب کبھی نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے آپ ﷺ کو سنا کہ وہ فارغ ہونے کے بعد یہ کہتے تھے اے اللہ میرے تمام گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرما، اے اللہ مجھ کو بلندی دے اور میرے نقصان کی تلافی کر اور مجھ کو نیک عمل اور اچھے اخلاق کی ہدایت دے اور صالح اعمال اور اخلاق کی طرف ہدایت اور برے اعمال سے پھیرنا تیرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا (رواہ الطبرانی فی الصغیر واللاوسط واسنادہ حید کذا فی مجمع الزوائد ، جلد ۱، ص ۱۱۱)۔

حضرت ابویوب انصاریؓ نے مذکورہ بالا دُعا آپ ﷺ سے بار بار سنی ہے اور یہ بار بار سننا اس لئے تو تھا کہ دُعا جہراً تھی نہ کہ سرّاً کیونکہ اگر یہ دُعا نبی کریم ﷺ چپکے پڑھتے تو حضرت ابویوب انصاریؓ اس کو نہ سنتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ؛

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلّم من صلاتہ یقول بصوتہ

الاعلیٰ لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدير ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الشناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون : جب رسول اللہ ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تھے تو (سلام کے بعد) بلند آواز کے ساتھ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے، لا الہ الا اللہ..... الخ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور (پوری کائنات پر) صرف اسی کی حکمرانی اور بادشاہی ہے، اس کیلئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (گناہوں وغیرہ سے) باز رہنے اور (عبادت وغیرہ کے) کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور بندگی کے لائق نہیں ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نعمت ہے اور اسی ہی کیلئے فضل ہے اور اسی ہی کیلئے ہر اچھی تعریف ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہم تو خالص اسی کے دین اور صرف اسی کے قانون کو ماننے والے ہیں، اگرچہ کافراں کو برا سمجھیں (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)۔

اس حدیث کو کم و بیش الفاظ کے ساتھ بخاری، ابوداؤد، نسائی وغیرہ اور دوسرے ائمہ حدیث نے بھی نقل کیا ہے لیکن ان میں ”بصوتہ الاعلیٰ: بلند آواز کے ساتھ“ کا لفظ موجود نہیں ہے نیز ہمارے پاس مسلم کا نسخہ ہے اس میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں ہیں اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ شاید صاحب مشکوٰۃ نے مسلم شریف کے کسی ایسے نسخے سے یہ حدیث نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہوں یا شاید ”بصوتہ اعلیٰ“ الفاظ امام مسلم کی طرف منسوب کرنے میں وہ سہو ہو گیا ہے کیونکہ ”بصوتہ اعلیٰ“ کے الفاظ امام شافعیؒ کی ”کتاب الام“ میں موجود ہیں (بلوغ الامانی، جلد ۲، ص ۱۷۱) لیکن اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن محمد ہیں حضرت امام شافعیؒ کے استادوں میں سے ایک استاد بھی ہیں اور امام شافعیؒ ان کو بہت سچا قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ شاگرد ہی اپنے استاد کو خوب جانتا ہے لیکن بہت سے ائمہ محدثین ابراہیم بن محمد کو بہت ہی کمزور اور کھوٹا سمجھتے ہیں (واللہ اعلم)۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۱، ص ۱۵۸ تا ۱۶۱)۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قول کا مفہوم بیان کیا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کلمات پر آواز بلند کرتے تھے۔ چنانچہ اسی مسلم میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں؛

ثم یقول ابن الزبیر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھلل یھن دبر کل صلوۃ: پھر عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کے ساتھ آواز کو بلند کرتے تھے (صحیح مسلم، جلد ۱، ص ۲۱۸، باب الذکر بعد الصلوٰۃ)۔

## اہلال کے لغوی معنی اور یُہلل بہن کا مطلب:

مسلم کے اس روایت میں ”یُہلل بہن“ کے الفاظ آئے ہیں۔ ”اہلال“ کے اصل معنی ”آواز بلند کرنے“ کے ہیں پہلے یہ لفظ نئے چاند دیکھنے کے وقت اونچی آواز نکالنے کیلئے بولا جاتا تھا اس کے بعد ہر آواز نکالنے کیلئے بولا جانے لگا۔ (دیکھئے راغب)۔ پہلی یا دوسری تاریخ کے نئے چاند کو بھی ہلال اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ جب اس کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر بتلاتے ہیں۔ نیز کہا جاتا ہے ”استہل الصبی“ یعنی بچہ نے پیدا ہوتے ہی رونے کی آواز بلند کی ”نیز کہا جاتا ہے کہ ”اہل الناس اذا راوا الهلال: جب لوگوں نے (ذی الحجہ کا) چاند دیکھا تو (لبیک پر) آواز بلند کی (یعنی احرام باندھ لیا)۔“۔ اہل کا لفظ زور کی بارش کیلئے بھی مستعمل ہے اس میں بھی یہی معنی زور کی آواز ملحوظ ہے۔ اور تھلیل لا الہ الا اللہ کہنے کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے خواہ سرّاً ہو یا جہراً ہو لیکن اس کے بنیادی معنی میں بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کا مفہوم پوشیدہ ہے مثلاً۔ جب کہا جاتا ہے کہ ہللوا، لا الہ الا اللہ پڑھو تو اس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ آواز کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھو۔ قرآن مجید اس جانور کے گوشت کو بھی حرام قرار دیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا نام بلند کیا جائے۔ اور اس کیلئے بھی یہی لفظ اہل استعمال کیا گیا ہے ”وما اہل بہ لغير اللہ: اور وہ جانور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اس کا گوشت بھی حرام ہے“ (مائدہ) اسی طرح حدیثوں میں بھی پکارنے اور آواز بلند کرنے کیلئے اہلال کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُہلُّ مُلَبِّداً یَقُولُ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنُّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ: میں نے رسول اللہ ﷺ (کے تلبیہ کو) ایسے حال میں سنا کہ آپ ﷺ تلبید کئے (یعنی گوند وغیرہ سے سر کے بالوں کو چپکائے) ہوئے لبیک پکار رہے تھے۔ آپ ﷺ کہہ رہے تھے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنُّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری صحیح مسلم)۔

یہاں لبیک پر آواز بلند کرنے اور پکارنے کیلئے ”یُہلّ اور اہلال“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بہر حال اہلال کا لفظ اگرچہ مختلف معنوں کیلئے مستعمل ہے لیکن اس کے اصل معنی آواز بلند کرنا ہی ہیں اور یہی بات ”ابن فارس“ نے بھی لکھی ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی آواز بلند کرنا ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب حدیث کے کلمات اور الفاظ کو دیکھ لیجئے وہ یہ ہیں۔

لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له ، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير ، لا حول ولا قوة الا باللہ لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا اياه له النعمة وله

الفضل وله الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین له الدين ولو كره الكافرون: ان کلمات کے متعلق حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے پھر فرماتے ہیں: ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہلل بہن دبر کل صلوٰۃ: رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پکار کر (یعنی بلند آواز کے ساتھ) پڑھا کرتے تھے“ (صحیح مسلم)۔

اس حدیث سے بھی اور اس سے پہلے حدیثوں سے بھی اور بعد میں آنے والی حدیثوں سے یہ دو باتیں پوری طرح ثابت ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ ذکر جہری جائز بلکہ نبی کریم ﷺ کا اپنا عمل ہے، دوسری بات یہ کہ یہ اذکار جہراً مسجد ہی میں ہوا کرتے تھے۔

حضرت سعید بن عبدالرحمن بن ابزی اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ:

انه كان يوتر بـ ”سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ و ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ و ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ ويقول بعد ما يسلم. سبحان الملك القدوس ثلث مرات يرفع بها صوته: نبی کریم ﷺ سبح اسم ربك الاعلى، قل يا ايها الكافرون اور قل هو الله الاحد (ان تین سورتوں) کے ساتھ وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے (جب نماز وتر سے فارغ ہو کر) سلام پھیرتے تو تین بار یہ (ذکر) کہتے سبحان الملك القدوس (ہمارا بادشاہ پاک ہے نہایت پاک) اور ان کلمات کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتے تھے“ (نسائی، جلد ۱، ص ۲۵۳)۔

اس مضمون کی متعدد روایات نسائی نے نقل کی ہیں اور ان میں بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ ویمدّ صوته فی الثالثة ويرفع یعنی نبی کریم ﷺ تیسری بار آواز کو دراز اور بلند کیا کرتے تھے (سنن نسائی، جلد ۱، ص ۳۵۲ تا ۲۵۳)۔ یعنی پہلی دو مرتبہ میں بھی جہر تو تھا لیکن آواز بلند نہ تھی اور تیسری بار ان کلمات کو بلند آواز اور دراز آواز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث کے تحت حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے کہ:

قال الشيخ المحدث الدهلوی فی الحديث دلیل علی شرعية الجهر وهو ثابت فی الشرع بلا شبهة لكن الخفی منه افضل فی غیر ماثبت فی الماثور: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے مشروع ہونے کی دلیل ہے اور ذکر بالجہر بلاشبہ شریعت میں ثابت ہے البتہ جہاں جہر منقول نہیں وہاں آہستہ ذکر افضل ہے (مشکوٰۃ، جلد ۱، ص ۱۱۲، حاشیہ نمبر ۷)۔



عبارت کا مطلب واضح ہے کہ حضرت دہلویؒ کے نزدیک جہاں جہر ثابت ہے وہاں جہر ہونا چاہیئے لیکن جہاں جہر ثابت نہیں وہاں بھی اگرچہ جہر بلاشبہ جائز ہے لیکن ایسی صورت میں جہر سے آہستہ ذکر افضل ہے۔ اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء کا اختلاف افضلیت میں ہے نہ کہ فی نفسہ جہر میں۔

## کیا اس طرح کی ساری حدیثیں تعلیم کیلئے تھیں کہ ان سے جہر ثابت نہ ہو؟

حدیثیں اور ان میں استعمال شدہ صیغے اور ان کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں ان سب کو تعلیم پر محمول کرنا اور پھر یہی نہیں بلکہ جہر کو مکروہ یا بدعت قرار دے دینا بلاشبہ صرف سینہ زوری، تعصب اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کی تعلیم کیلئے بھی لوگوں کے سامنے اعمال کیے ہیں اور رکوع و سجود میں بھی کبھی کبھی جہر ثابت ہے۔ نیز نمازوں میں بھی کبھی کبھی کوئی آیت جہراً پڑھتے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جہاں بھی جہراً دیکھا تو فوراً اس پر تعلیم کا ٹھپہ لگا دیا حالانکہ جن چیزوں کی تعلیم ضروری تھی نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اس کی تعلیم دیدی اور دُعائیں بھی سکھائیں جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں یہ ملے گا کہ آپ ﷺ نے امت کو ترغیب دی ہے کہ فلاں وقت میں فلاں دُعائیں پڑھو، فلاں ذکر کرو، وغیرہ وغیرہ۔ اور تعلیم کا یہ آسان طریقہ بھی ہے کہ لوگوں کو کہا جائے کہ اس وقت یہ دُعا پڑھو اور یاد کرنے میں بھی سہولت رہتی ہے اور نبی کریم ﷺ سے جو دُعائیں اور اذکار عملاً ثابت ہیں اور جہراً پڑھے ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بالکل آسان ہیں۔ جیسا کہ اس کا کچھ بیان پہلے بھی گذر چکا ہے۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ آئے گا۔

آخر نبی کریم ﷺ خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے تھے۔ اگر آپ ﷺ نے جہراً دُعا پڑھی ہے تو اس میں جس طرح اس بات کی تعلیم ہے کہ یہ دُعا پڑھنی چاہیئے تو اس میں اس بات کی بھی تعلیم ہے کہ جہراً بھی جائز ہے باقی رہا رکوع و سجود اور سری نمازوں میں کبھی کبھی جہر کرنا اس میں بھی امت کو یہ تعلیم ہے کہ اگر کسی نے فرط محبت یا خوف سے کوئی آیت جہراً پڑھی یا تسبیح و تحمید پر آواز بلند کی تو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ ضروری نہیں کہ رکوع وغیرہ میں جو کچھ ثابت ہے وہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم کیلئے پڑھا ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی سری نماز بھی اس قدر واضح ہوتی تھی کہ بالکل قریب والے لوگ اس کو سن لیتے تھے۔

نیز نبی کریم ﷺ سے یہی دُعائیں اور اذکار، نوافل کے رکوع و سجود میں جہراً ثابت ہیں اور وہ مواقع بھی ایسے ہیں کہ ان میں لوگوں کو سننے کا ارادہ بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان آگے آجائے گا۔ اس بات میں کوئی شک و شبہ بھی نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہر عمل اور ہر ادا میں امت کیلئے تعلیم موجود ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جہاں جہر کو دیکھ لیا صرف جہر ہی کو اس تعلیم سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ اگر مقصد یہ تھا کہ دُعائیں اور ذکر چپکے چپکے ہی جائز ہیں اور جہر ناجائز ہے تو نبی کریم ﷺ کیلئے ضروری تھا کہ وہ اس بات کی

وضاحت بھی فرماتے اور صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم دیتے کہ میرے جہر سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ میرا یہ جہر تعلیم کیلئے ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ سے ایسی کوئی وضاحت ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے خود صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ جہراً دُعائیں مانگتے، تلاوت کرتے ہیں ذکر کرتے ہیں ان کی تائید خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے۔ ان ساری شہادتوں کے باوجود پھر بھی یہ کہنا کہ جہر صرف تعلیم کیلئے تھا جہر ناجائز ہے یا مکروہ ہے یا بدعت ہے تو معلوم نہیں کہ بدعت کی یہ کوئی تعریف ہے یا یہ کہ بدعت، جائز و ناجائز کا اختیار اللہ تعالیٰ کے بجائے ان حضرات کے ہاتھوں میں ہے کہ جس عمل کو چاہیں جائز قرار دے دیں اور جسے چاہیں ناجائز کہہ دیں۔ بلاشبہ یہ رویہ بہت ہی خطرناک ہے (اور یہ وہی شرک ہے جس میں یہود و نصاریٰ جیسی قومیں گرفتار تھیں کہ انہوں نے حلال و حرام کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا)۔

بہر حال بہت سی عملی حدیثوں میں جو جہر ثابت ہے اس میں یہ تعلیم بھی ہے کہ دُعائیں اور ذکر جہراً بھی جائز ہے ورنہ اگر جہر حرام یا ممنوع ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کی وضاحت ضرور فرما دیتے نبی کریم ﷺ تو غیر مناسب اور غیر اولیٰ امور کی نشان دہی بھی فرماتے تھے اور یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ سے سینکڑوں اور مختلف مواقع میں جہراً ذکر اور دُعائیں مانگنا ثابت ہیں پھر بھی اس کی تعلیم امت کو نہیں فرماتے کہ میں جہراً اسلئے کرتا ہوں تاکہ تم لوگ صرف الفاظ دیکھو۔ تم لوگ جہر نہ کرو کیونکہ جہر حرام یا ممنوع ہے بلکہ اس کے برعکس جہری تلاوت مجالس ذکر کی ترغیب دیتے ہیں۔ آخر صرف ”اربعوا“ والی حدیث جس سے واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ صرف نرمی اور شفقت کیلئے ہے اور ”دون السجھر“ جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ پھر بھی قرآن مجید کے واضح نصوص اور نبی کریم ﷺ کے سینکڑوں قول و عمل اور حدیثیں جن سے صراحۃً ذکر و دُعا جہراً ثابت ہے ان سب کو دریا برد کرنا یقیناً بہت بڑی سینہ زوری اور جرأت مندی اور نفس پرستی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد آنے والی حدیثوں اور صحابہ کرامؓ کے تابعین وغیرہ کے عمل سے یہ صاف واضح ہو جائے گا کہ جہر صرف قرآن و سنت ہی سے ثابت نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ و تابعین اور آج تک امت مسلمہ سے تو اتر آ ثابت ہے جس کے بعد آپ خود اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ جہراً ذکر کی مخالفت کر کے ہم کس قدر سنگین غلطی بلکہ جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

## نوافل اور مختلف اوقات میں نبی کریم ﷺ کی بعض دُعائیں جس سے

### جہر ہی ثابت ہوتا ہے:

نبی کریم ﷺ سے نفلی نمازوں میں غیر قرآنی دُعائیں بھی منقول ہیں۔ جنکے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بطور تلاوت اور ذکر کے تھیں۔ بلکہ ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نماز کے اندر بھی جہراً دُعائیں مانگی ہیں اور نماز سے فراغت کے بعد بھی یہاں چند ایسی دُعائیں کو اور اذکار کو لکھ دیتا ہوں

کہ ایک ادنیٰ عقل والا آدمی بھی سمجھ جائے کہ واقعی ذکر واذکار تو کیا دُعا بھی جہراً جائز بلکہ خود نبی کریم ﷺ سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:

ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر موجود نہ پایا تو آپ ﷺ کو میں تلاش کر رہی تھی کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے پیروں پر جا لگا، چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہیں اور آپ ﷺ کے دونوں پیر مبارک کھڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ یہ دُعا پڑھ رہے تھے، ”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِرَضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمَعَا فَاتِکَ مِنْ عَقُوْبَتِکَ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْکَ لَا اَحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنِیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ: اے اللہ میں تیری خوشنودی کے ذریعے تیرے غیظ و غضب سے (یعنی ایسے اعمال سے جو مجھ پر یا میری جماعت اور امت پر عذاب کا ذریعہ بنیں) پناہ مانگتا ہوں، تیری معافی کے ذریعے تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (یعنی تیری رحمت کے ذریعے تیرے غضب سے) پناہ مانگتا ہوں، میں تیری تعریف کا شمار و احاطہ نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ خود تو نے اپنی تعریف کی ہے (یعنی نہ مجھ میں اتنی قوت و طاقت ہے اور نہ میرے لئے یہ ممکن ہے کہ تیری ایسی تعریف کروں جو تیری شان کے لائق ہو تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے، (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے نقلی نمازوں میں اور بھی بہت سی دُعائیں منقول ہیں اور صحابہ کرامؓ نے ان دُعائوں کو سن بھی لیا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کم سن بچے تھے، وہ کبھی کبھی اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے ہاں رات گزارتے تھے، انہوں نے بھی نبی کریم ﷺ سے حالت سجدہ میں دُعائیں سنی ہیں جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں (نسائی باب الدعاء فی السجود)۔ ایسے اوقات کی دُعائوں کے بارے میں کہنا کہ یہ بھی تعلیم کیلئے تھیں جبکہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ آپ ﷺ بالکل تنہا ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ مناجات میں مشغول ہیں اور سننے والے کا اچانک آپ ﷺ کے پاس گذر ہوا یا آپ ﷺ کو ایسی حالت میں پایا۔ اب ایسے اوقات کی دُعائوں کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ دُعائیں صرف دوسروں کی تعلیم کیلئے تھیں کس قدر غلط اور بیہودہ بات ہے۔

نماز استسقاء کے بعد نبی کریم ﷺ نے بارش کیلئے جہراً دُعائیں مانگیں ہیں اور آج تک امت کا یہ معمول رہا ہے کہ معتدل جہر کے ساتھ نہیں بلکہ بلند آواز کے ساتھ بارش کیلئے دُعائیں مانگیں جاتی ہیں بلکہ خطبہ کے دوران بھی نبی کریم ﷺ سے جب دُعا کی درخواست کی گئی تو آپ ﷺ نے جہراً دُعا مانگی۔ جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا۔ انہی دنوں نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی آئے اور کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

ہمارے مال و اسباب (یعنی کھیتی باڑی مویشی اور باغات قحط کی وجہ سے) برباد ہو گئے اور اہل و عیال بھوک سے بلبلارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دُعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے یہ سنتے ہی ہاتھ اٹھا کر یہ دُعا مانگی: ”اللّٰهُمَّ اسْقِنَا، اللّٰهُمَّ اسْقِنَا، اللّٰهُمَّ اسْقِنَا: اے اللہ ہم کو پانی پلا دے، اے اللہ ہم کو پانی پلا دے، اے اللہ ہم کو پانی پلا دے“ اللہ تعالیٰ نے خوب بارش بر سادی ایک ہفتہ تک بارش جاری رہی دوسرے جمعہ پھر آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ وہی صاحب ایک دوسرے شخص کے ساتھ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بارشوں سے مکان گر رہے ہیں اور مال و اسباب ڈوب رہے ہیں، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ بارش ختم جائے تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دُعا فرمائی: ”اللّٰهُمَّ حَوِّا لِّیْنَا وَلَا عَلَیْنَا: اے اللہ ہمارے ارد گرد اطراف میں برسا ہم پر نہ برسا“ (بخاری، جلد ۱، ص ۱۳۷ اور مسلم جلد ۱، ص ۲۹۳) نیز حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ عورتیں حاضر ہوئیں جو قحط کی وجہ سے رو رہی تھیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے دُعا مانگی کہ: ”اللّٰهُمَّ اسْقِنَا غِیْثًا مَّغِیْثًا مَّوِیْئًا مَّرِیْعًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ آجِلٍ: اے اللہ ہم پر ایسی بارش برسا جو فریاد رسی کرنے والی ہوا رزائی پیدا کرنے والی نفع دینی والی ہو، نقصان کرنے والی نہ ہو“ (المثنیٰ المختار، ص ۱۶۴ بحوالہ ابوداؤد)۔

## نبی کریم ﷺ کا دوسروں کیلئے جہراً دُعا کرنا:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ:

نبی کریم ﷺ میری عیادت کیلئے تشریف لائے اور کہا کہ: اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا: اے اللہ سعد کو شفا دے، اے اللہ سعد کو شفا دے، اے اللہ سعد کو شفا دے، (المثنیٰ المختار، ص ۱۲۰ بحوالہ صحیح مسلم)۔

حضرت عبداللہ بن یسرؓ سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے والد کے پاس بطور مہمان تشریف لائے۔ چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا اور آپ ﷺ نے تناول فرمایا پھر کھجوریں پیش کی گئیں آپ ﷺ نے کھجوریں بھی کھائیں اس کے بعد پانی پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے پیا پھر میرے والد نے جو آپ ﷺ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے عرض کیا اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دُعا کیجئے، تو آپ ﷺ نے یہ دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ فِیْمَا رَزَقْتَهُمْ وَ اغْفِرْ لَهُمْ وَ ارْحَمْهُمْ: اے اللہ انہیں تو نے جو کچھ رزق

دیا ہے اس میں برکت فرما ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما (مشکوٰۃ کتاب الدعوات بحوالہ صحیح مسلم)۔



نبی کریم ﷺ کی یہ دُعا جہراً تھی اور باپ بیٹے دونوں نے سنی اور تسلی ہوئی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بہت سے بیماروں، مسافروں اور دوسرے لوگوں کیلئے ان کے سامنے دُعائیں کیں، اگر صرف ان دُعاؤں کو جمع کیا جائے تو وہ بھی سینکڑوں کی تعداد کو پہنچ جائیگی اور آپ ﷺ کی یہ ساری دُعائیں جہراً تھیں۔

سفر، لڑائی اور مسجد بنانے کے اوقات میں نبی کریم ﷺ کا لوگوں کے سامنے دُعا ئیں مانگنا، بلکہ صحابہ کرامؓ سے مل کر موزوں دُعا بار بار پڑھنا اور اکیلے میں جہری دُعا ئیں پڑھنا:

نبی کریم ﷺ نے لڑائی کے اوقات میں اکیلے بھی جہری دُعا ئیں مانگی ہیں اور لوگوں کے سامنے بھی، بلکہ صحابہ کرامؓ سے مل کر موزوں اور نظم کی صورت میں بھی دُعا ئیں مانگی ہیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ بناتے وقت صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ پتھر وغیرہ اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر لیجا رہے تھے اور سب مل کر یہ شعر دُعا ئیہ انداز میں بار بار پڑھ رہے تھے۔

اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ  
فَاغْفِرْ لَانْصَارٍ وَ الْمَهَاجِرَةِ  
اے اللہ آخرت کے علاوہ کوئی خیر نہیں  
پس تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے

غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے خندق کھودنا شروع کیا تاکہ دشمن پار کر کے نہ آسکیں اور آپ ﷺ بنفس نفیس خود بھی خندق کھودنے میں شریک تھے اور تین دن سے صحابہ کرامؓ اور آپ ﷺ نے کچھ کھایا پینا نہ تھا، لیکن پھر بھی صبر و تحمل کے ساتھ صحابہ کرامؓ ہمدانی میں مشغول تھے بھوک اور مشقت کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ بار بار یہ الفاظ پڑھتے تھے۔

اللَّهُمَّ اِنْ الْعِيشَ عِيشَ الْآخِرَةِ  
فَاغْفِرْ لَانْصَارٍ وَ الْمَهَاجِرَةِ  
اے اللہ بلاشبہ زندگی بس آخرت ہی کی ہے  
پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے

تو جب آپ ﷺ یہ مذکورہ بالا دُعا ئیہ شعر مانگتے تھے تو صحابہ کرامؓ جواب میں یہ کہتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا  
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا اَبَدًا  
ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی بیعت کی ہے  
جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ جہاد کریں گے ۱

نیز خندق کھودتے وقت آپ ﷺ مذکورہ دُعا کے علاوہ اور دُعا ئیں بھی نظم کی صورت میں مانگتے تھے، چنانچہ حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ غزوہ احزاب کے موقع پر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ خندق کھود رہے ہیں اور آپ ﷺ کے شکم انور کو مٹی کے گردوغبار نے چھپا رکھا تھا۔ اور آپ ﷺ اشعار میں یہ دُعا ئیں پڑھ رہے ہیں۔

اللَّهُمَّ لَوْ لَانْتَ مَا اهْتَدَيْنَا  
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا  
فَانْزِلْ سَكِينَةً عَلَيْنَا  
وَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَا قِيْنَا  
اِنَّ الْاَوَّلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا  
اِذَا ارَادُوْا فِتْنَةً اَبِيْنَا  
اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ  
پاتے، اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے، پس اب  
ہم پر سکینہ (قلبی سکون و اطمینان) نازل فرمائیے، اور  
اگر (دشمن سے) ہماری مڈ بھیڑ ہو جائے تو ہمارے  
قدموں کو ثابت قدم رکھیے، بلاشبہ ان (کافر اور  
مشرک) لوگوں نے ہم پر ظلم کیا، اور جب یہ لوگ ہمیں  
فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے  
(بخاری جلد ۱، ص ۳۹۸)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”رفع صوتہ بھا ابینا ابینا“ یعنی آخری لفظ ابینا ابینا (دوسرے اشعار کے مقابلہ میں) زیادہ آواز بلند کے ساتھ مکرر پڑھتے تھے (بخاری، جلد ۱ ص ۵۸۹)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپسی میں سفر میں ہوتے تو ہر بلند جگہ (مثلاً ٹیلے وغیرہ) پر چڑھتے

ہوئے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے تھے اور پھر یہ کلمات کہتے تھے ”لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له ، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير ، ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون ، صدق اللہ وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده“ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ ﷺ کی تکبیریں ان تمام موقعوں پر سن کرتے ہی تو فرماتے ہیں کیوں کہ یہ تکبیریں جبر کے ساتھ تھیں البتہ یہ جبر معتدل تھا، شدید نہ تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لشکر جب پہاڑیوں پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے (دیکھئے ریاض الصالحین بحوالہ ابوداؤد)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ جہراً تکبیر وغیرہ بعد میں بھی ہوتی رہیں البتہ وہ جبر معتدل کے ساتھ ہوتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے تھے کہ غزوہ بدر میں جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی طرف نظر کی اور آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ کفار کی تعداد ایک ہزار ہے اور مسلمان تین سو انیس تو مسلمانوں کے بے سروسامانی اور قلیل تعداد کو دیکھ کر سخت متفکر ہوئے۔ اپنے قبہ میں تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر نہایت عاجزی کے ساتھ دُعا کی اور صحیح مسلم نے آپ ﷺ کی دُعا کی تصویر یوں پیش کی ہے۔

ثم مَدَّ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَهْتَفُ بِرَبِّهِ اللَّهُمَّ انْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي ، اللَّهُمَّ اِنِّ مَا وَعَدْتَنِي ، اللَّهُمَّ اِنِّكَ اِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعَصَابَةُ مِنْ الْإِسْلَامِ لَا تَعْبُدُنِي فِي الْأَرْضِ فَمَا زَالَ يَهْتَفُ بِرَبِّهِ مَا ذَا يَدِيهِ مُسْتَقْبِلُ الْقَبْلَةِ حَتَّى سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ مَنْكِبِهِ فَاتَاهُ أَبُو بَكْرٍ فَاخْذَ رِدَائَهُ فَالْقَاهُ عَلَى مَنْكِبِهِ ثُمَّ التَزَمَهُ مِنْ وَرَائِهِ وَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ كَفَاكَ مَنَا شِدَّتَكَ رَبُّكَ فَانْهَ سَيْنَ جَزَلِكُ مَا وَعَدَكَ : (نبی کریم ﷺ قبہ کے اندر آ کر قبلہ رو ہوئے) پھر ہاتھوں کو دراز کیا اور اپنے پروردگار کو پکارنے اور فریاد کرنے لگے کہ، اے اللہ میں تجھ سے تیرے وعدہ کو پورا کرنے کی درخواست کرتا ہوں، اے اللہ تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا اسے پورا فرما دے، اے اللہ اگر اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری بندگی کہیں نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ ویرتیک ہاتھ پھیلائے ہوئے قبلہ رخ ہو کر اپنے رب سے فریاد کرتے رہے یہاں تک کہ کندھوں پر سے چادر گر گئی۔ پس حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے انہوں نے آپ ﷺ کی چادر کو اٹھایا اور آپ ﷺ کے کندھوں پر ڈال دیا پھر پیچھے سے آپ ﷺ کے ساتھ چپک گئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ بس کافی ہے آپ نے اپنے پروردگار سے بہت الحاج و زاری کی اللہ تعالیٰ یقیناً اس وعدہ کو پورا کرے گا جو اس نے آپ سے کیا ہے (صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۹۳ اور صحیح بخاری کتاب المغازی و کتاب الجہاد و تفسیر سورۃ القمر)۔

جنگ کی حالت اور فریاد و زاری کا وقت اور قبہ کے اندر نبی کریم ﷺ کا جانا پھر دُعا کے الفاظ صحابہ کرامؓ کا یاد کرنا بلاشبہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کی یہ دُعا جہر اور بلند آواز کے ساتھ ہو۔ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ یہ مشاہدہ بھی ہے انسانی فطرت و طبیعت بھی ہے کہ جب انسان مضطر ہو جاتا ہے تو بے اختیار اس کی چیخیں نکلتی ہیں۔ بچے کو دیکھئے کہ پریشانی کی حالت میں ماں کو دیکھ کر روتا ہے کسی رحمہل کے پاس جب بھی کوئی دکھا ہوا انسان آتا ہے تو اپنی پریشانی کے مطابق چلا کر روتا ہے فریاد کرتا ہے جو شریعت مطہرہ اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، انسان جب بھی مجبور ہو جاتا ہے اور سخت مجبوری کی حالت میں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو رو پڑتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ چلا کر روتا ہے ایسی صورت میں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رونا اور چلا ناسنا تا ہے، بلکہ یہ اس کے خود اپنے جذبات اور اندرونی کیفیت ہوتی ہے جو ابھر کر زبان اور آنکھوں وغیرہ اعضاء سے ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ اس کے نہایت خدا پرستی اور اللہ تعالیٰ پر حد درجہ یقین کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ اوروں کے بجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑاتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ اس حدیث میں ”فجعل يَهْتَفُ اور مَازَالَ يَهْتَفُ“ کے الفاظ آئے ہیں اور لغت میں ”هتف“ کے معنی ہیں آواز دینا، پکارنا، بلند آواز سے بلانا۔ ”قال: اهتف بالانصار:“ آنحضرت ﷺ نے جنگ حنین میں حضرت عباسؓ سے فرمایا انصار کو آواز دو، بلاؤ ”فجعل يَهْتَفُ:“ لگے دُعا کرنے اپنے مالک کو پکارنے اس سے فریاد کرنے۔ (دیکھئے لغات الحدیث) اور هتف کے یہی معنی یعنی بلند آواز سے بلانا لغت کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: ”معناه بصيح و يستغيث بالله بالدُّعاء: اس کے معنی چیخنے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا میں فریاد کرنے کے ہیں“ اس حدیث کے تحت حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ: ”وفيه استحباب استقبال القبلة في الدُّعاء و رفع اليدين فيه وانه لا بأس برفع الصوت في الدُّعاء: اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ قبلہ رخ ہو کر دُعا مانگنا مستحب ہے اور دُعا میں ہاتھ اٹھانا بھی، نیز یہ کہ دُعا میں آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں“ (شرح مسلم، جلد ۲، ص ۹۳)۔

**نبی کریم ﷺ کی کفار و مشرکین اور ظالموں کیلئے جہراً بددعائیں:**

نبی کریم ﷺ سے نماز کی حالت میں بھی جہراً دُعا ئیں اور بددعائیں ثابت ہیں اور قنوت نازلہ بھی جب کوئی مصیبت اور بلاء مسلمانوں پر نازل ہوتی تو ایسے سخت حالات میں صبح کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے کھڑے آپ ﷺ دُعا ئیں مانگتے تھے اور آپ ﷺ یہ دُعا ئیں جہراً پڑھتے تھے اور مصیبت کے وقت اب بھی اسی طرح کی دُعا ئیں صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد پڑھی جاسکتی ہیں اور یہ طریقہ سب کے نزدیک جائز ہے۔



نماز کے بغیر بھی آپ ﷺ نے جہراً بدعائیں کی ہیں چنانچہ جب مشرکین قریش نے نبی کریم ﷺ کو سخت ایذا پہنچائی اور سجدہ کی حالت میں اونٹ کی او جڑی آپ ﷺ کے کندھوں پر رکھ دی اور کفار و مشرکین ہنسنے رہے اور حضرت فاطمہؓ کو جب خبر ہوئی دوڑتی ہوئی آئیں اور او جڑی کو آپ ﷺ پر سے ہٹایا اور جب آپ ﷺ نے نماز ختم کی تو دُعا کی؛

اللَّهُمَّ عَلِيكَ بِقَرِيشِ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذَا دَعَا عَلَيْهِمْ قَالَ وَكَانُوا يَرُونَ أَنَّ الدَّعْوَةَ فِي ذَالِكَ الْبِلَادِ مُسْتَجَابَةٌ، ثُمَّ سَمَى، اللَّهُمَّ عَلِيكَ بِأَبِي جَهْلٍ وَعَلِيكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ وَامِيَةَ بْنِ خُلْفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مَعِيْطٍ: اے اللہ قریش کو پکڑ لے، اے اللہ قریش کو پکڑ لے، اے اللہ قریش کو پکڑ لے، اے اللہ قریش کو پکڑ لے۔ روای کہتے ہیں کہ یہ دُعا قریش پر بہت شاق گذری کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس شہر میں دُعا قبول ہوتی ہے (اس کے بعد روای کہتے ہیں کہ) پھر آپ ﷺ نے ایک ایک کے نام لئے، آپ ﷺ نے کہا اے اللہ ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے (جن جن کے آپ ﷺ نے نام لئے یہ سب جنگ بدر میں قتل ہوئے) (بخاری کتاب الوضوء، کتاب الصلوٰۃ، کتاب احادیث الانبیاء و صحیح مسلم کتاب الجہاد)۔

اگر یہ بددعا جہراً نہ تھی تو یہ پھر یہ کفار و مشرکین پر شاق کیوں گذری اور کیوں ہنسنے وغیرہ سے رک گئے معلوم ہوا کہ یہ بددعا جہراً تھی اور اس قدر جہراً تھی کہ کفار و مشرکین سن کر خاموش ہو گئے اور دب گئے۔ اس طرح صحابہ کرامؓ نے بھی بعض لوگوں کیلئے بدعائیں مانگی ہیں بلکہ ظالم مسلمانوں کو بھی بدعائیں دی ہیں، جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً سعد رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن قتادہ کیلئے بددعا کی۔ اور سعید بن زیدؓ نے اروی بنت اویس کو بددعا دی اور وہ بدعائیں قبول بھی ہوئیں۔ وہ بدعائیں جہراً ہی تھیں اس لئے لوگوں نے سنیں (کتاب المنقحی المختار، ص ۲۸۹ تا ۲۹۰ بحوالہ صحیح بخاری، مسلم)۔

## بالکل آخر وقت میں آپ ﷺ سے جہراً دُعا کا ثبوت:

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ ﷺ سكرات الموت میں مبتلا تھے آپ ﷺ کے پاس ایک بڑا برتن رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا، آپ ﷺ اپنا ہاتھ برتن میں ڈبوئے پھر اپنا ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیرتے اور یہ دُعا کیا کرتے تھے؛

اللَّهُمَّ اَعِنِّي عَلَى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكْرَاتِ الْمَوْتِ: اے اللہ موت کی سختیوں

کے وقت میری مدد فرما (دیکھئے کتاب المنقحی المختار، ص ۱۲۷، بحوالہ ترمذی وابن ماجہ) نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: س مَعَت النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُسْتَنْدِ الْمَيِّ يَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَالْحَقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى: نبی کریم ﷺ مجھے تکیہ لگائے ہوئے (یعنی میرے سینے سے اپنی کمر لگائے بیٹھے ہوئے) کی حالت میں یہ دُعا پڑھ رہے تھے، اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے (کتاب المنقحی المختار، ص ۱۲۷، بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

## نبی کریم ﷺ کا جہراً استغفار:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ:

ان كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجَالِسِ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ مِائَةَ مَرَّةٍ: ہم رسول اللہ ﷺ کی ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کی استغفار کو شمار کرتے تھے وہ سو مرتبہ یہ کہا کرتے تھے، میرے پروردگار مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بلاشبہ تو ہی بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے (مشکوٰۃ باب التوبہ بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ) یہ استغفار جہراً تھا اس لئے تو وہ اس کو شمار کر سکتے تھے۔

حضرت ام ہانئؓ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى عَرِيشِي: میں نبی کریم ﷺ کی قرأت ایسی حالت میں سنتی تھی جبکہ میں بالاخانہ میں بیٹھی ہوتی تھی (سنن نسائی، جلد ۱، ص ۱۵۷)۔

حضرت عبداللہ بن ابی قیسؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے چند مسائل پوچھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ: کیف كان قرأته كان يسر بالقراءة ام يجهر قالت: كل ذالك كان يفعل قد كان ربما اسرّ وربما جهر: نبی کریم ﷺ کی قرأت کیسی تھی کیا وہ قرأت سرّاً اور چھپ کر کرتے تھے یا جہراً کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہر طرح کی قرأت کرتے تھے کبھی سرّاً اور چھپ کر کیا کرتے تھے اور کبھی جہراً کیا کرتے تھے، (یہ سن کر) حضرت عبداللہ بن ابی قیسؓ نے فرمایا کہ: الحمد لله الذي جعل في الامر سعة: تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے دین میں وسعت فراخی (آسانی) کردی ہے (ترمذی، جلد ۲، آخر ابواب فضائل القرآن، ص ۱۲۰)۔

صحابہ کرامؓ کا ذکر و تلاوت اور دُعاؤں میں جہر اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان کے جہر کی تائید:

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ:

حضرت ابو موسیٰؓ اپنے گھر میں بیٹھے تھے اور ان کے پاس لوگ جمع ہو گئے تو انہوں نے قرآن مجید پڑھ کر سنانا شروع کیا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: تعجب کی بات ہے کہ ابو موسیٰؓ گھر میں بیٹھے ہیں اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے ہیں اور انہوں نے قرآن مجید پڑھ کر انہیں سنانا شروع کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ مجھے ایسی جگہ بٹھا دو کہ مجھے ان میں سے کوئی نہ دیکھ سکے اس شخص نے آپ ﷺ کو ایسی جگہ بٹھا دیا کہ ان میں سے کوئی آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکا اور آپ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰؓ کی قرأت سنی اور فرمایا: انہ یقرء علی من ماز من مزامیر آل داؤد: کہ یہ داؤد علیہ السلام جیسے لہجہ میں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں (رواہ ابویعلیٰ، اسنادہ حسن کذا فی مجمع الزوائد، جلد ۹، ص ۳۶۰)۔

مسجد میں معتدل جہر کے ساتھ دُعا اور آداب دُعا کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد:

حضرت فضالہ بن عبیدؓ کہتے ہیں کہ:

ایک روز رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور نماز پڑھی اور پھر یہ دُعا مانگی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ: اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَجَلْتُ اَيْهَا الْمَصْلٰی اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعْدْتَ فَاحْمَدُ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ وَصَلَّ عَلٰی ثُمَّ ادْعُهُ: اے نماز پڑھنے والے تم نے (دُعا کے آداب ترک کر کے) جلدی کی (پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) جب تم نماز پڑھو تو (نماز کے بعد دُعا کیلئے بیٹھو) اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء جیسا کہ وہ اس کے لائق ہے بیان کرو اور مجھ پر درود بھیجو، پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ حضرت فضالہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے شخص آئے اور نماز پڑھی نماز کے بعد حمد و ثناء بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِيْهَا الْمَصْلٰی ادْعْ تَجِبْ: اے نماز پڑھنے والے دُعا مانگ قبول کی

جائیں گی (مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی)۔

اس حدیث میں خوب غور کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ دُعا سنیں، اذکار جہراً تھیں چنانچہ پہلے شخص نے جب دُعا میں صرف اس قدر الفاظ پڑھے کہ ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ“ تو نبی کریم ﷺ نے آواز دی کہ اے نمازی تو نے جلدی کی تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابی فضالہؓ نے اس شخص کے یہ دُعا کی کلمات سن لئے تھے اس لئے تو فرمایا کہ تو نے جلدی کی ورنہ اگر وہ شخص چپکے چپکے دُعا میں مشغول رہتا تو نہ صحابہ کرامؓ اس کی دُعا کو سنتے اور یاد کرتے اور نہ نبی کریم ﷺ اس کو یہ فرماتے کہ تو نے جلدی کی۔ نیز وہ شخص قدرے دور بھی تھا ورنہ نبی کریم ﷺ آواز نہ دیتے کہ: ”اِيْهَا الْمَصْلٰی“ اے نمازی، بلکہ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ”ثم دعاه“ پھر نبی کریم ﷺ نے اس کو بلایا (دیکھئے کتاب المنشی المختار، ص ۱۰۱، بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ و ترمذی) جس سے اچھی طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ شخص کچھ فاصلہ پر تھا اور وہاں بیٹھ کر جہراً دُعا کی، آواز اتنی اونچی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی دُعا کو سن لیا۔ پھر دوسرے شخص نے نماز کے بعد حمد و ثناء اور درود شریف جہراً ہی پڑھا تھا اس لئے تو صحابہ کرامؓ نے سنا اور نبی کریم ﷺ نے ان کو پکارا کہ اے نمازی دُعا مانگ، دُعا قبول کی جائیگی۔ غور کیجئے یہاں نبی کریم ﷺ نے پہلے شخص کو دُعا کے آداب میں یہ تو بتلایا کہ دُعا میں حمد و ثناء اور درود شریف ہونا چاہئے لیکن جہر کرنے سے منع نہیں فرمایا اور جس شخص نے جہراً درود شریف حمد و ثناء پڑھی نبی کریم ﷺ نے اس کو بھی جہر سے منع نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ دُعا مانگو قبول کی جائیگی۔

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دُعا مانگتے ہوئے سنا کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وجہ سے کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں تو ایسا کیسا اور بے نیاز ہے کہ نہ تو اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں (یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے) فرمایا کہ: دعاء اللہ باسم الاعظم الذی اذا سئل به اعطیٰ و اذا دعیٰ به اجاب: اس شخص نے ایسے اسم اعظم کے ساتھ دُعا مانگی کہ جب اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے اور جب اس کے ذریعے دُعا مانگی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے (یعنی وہ دُعا اکثر قبول ہوتی ہے) (دیکھئے مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد)۔

یہاں اس دُعا والے کی دُعا کو نبی کریم ﷺ و صحابہ کرامؓ نے سنا، نبی کریم ﷺ نے اس کے اس جہری ذکر اور دُعا کی کوئی تردید نہیں کی بلکہ تائید کی۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ:



رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے بارے میں جن کو ذوالجناہین کہا جاتا ہے فرمایا: ”اِنَّهُ اَوَّاه: بے شک یہ (اللہ تعالیٰ کو) فریاد کرنے والا ہے“ اور حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ: وذلک انه کان یکثر ذکر اللہ بالقرآن والدُّعاء ویرفع صوته: اس کو اس وجہ سے ”اِنَّهُ اَوَّاه“ یعنی فریادی کہا جاتا تھا کہ وہ کثرت سے قرآن کے ساتھ اور دُعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا تھا اور اپنی آواز کو بلند کیا کرتا تھا (حیاء الصحابہ، جلد ۳، ص ۳۲۲)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

وہ کہتے ہیں کہ ہم نے بقیع میں ایک آگ دیکھی تو ہم اس آگ کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبر کے اندر سے آواز دے رہے ہیں کہ مجھے آدمی (یعنی میت کی لاش) دے دو تو لوگوں نے آپ ﷺ کو قبر کے پیر کی جانب سے دے دی، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب میں غور سے دیکھا ”فاذا هو الذی کان یرفع صوته بالذکر: تو وہ وہی آدمی تھا جو اپنی آواز کو ذکر کے ساتھ بلند کرتا تھا“ (ابوداؤد جمع الفوائد جلد ۱، ص ۱۳۷؛ حلیۃ الاولیاء، جلد ۲، ص ۳۳۸؛ حیاء الصحابہ، جلد ۳، ص ۳۲۱)۔

حضرت ابو ذہیر نمیریؓ سے روایت ہے کہ:

ہم ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے تو ہم ایک ایسے شخص کے پاس آئے، ”قد الح فی المسئلة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اوجب ان ختم: جو دعائیں از حد الحاح و زاری کر رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا (دُعا کی قبولیت کو) واجب کیا اگر ختم کیا۔ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس چیز کے ساتھ ختم کرے، آپ ﷺ نے فرمایا ”آمین کے ساتھ“ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد) چونکہ اس شخص کی آہ و زاری سنائی دے رہی تھی اور اس قدر آواز کے ساتھ تھی کہ راستے پر سے گذرتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے اس کی آہ و زاری کو سن لیا۔

## مسجد میں جہری دُعائیں اور بلند آواز کے ساتھ تلاوت:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے نماز کے بعد یہ دُعا مانگی، ”اللہم انی اسألك بان لک الحمد لا اله الا انت الحنان المنان بديع السموات والارض يا ذا الجلال والاكرام يا حي يا قيوم

اسئلک: یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وجہ سے کہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں تو بہت ہی شفقت کرنے والا، بہت ہی احسان کرنے والا، اور آسمانوں و زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اے بزرگی و بخشش کے مالک، یا حی یا قیوم میں تجھ سے سوال کرتا ہوں“ (یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے) فرمایا: ”دُعَا اللہ باسمہ الاعظم الذی اذا دعی به اجاب و اذا سئل به اعطی: اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس اسم اعظم کے ذریعہ دُعا مانگی کہ جب اس کے ذریعے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے“ (ترمذی، ابوداؤد و نسائی، مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ)۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شخص نے جہر دُعا کی جو نبی کریم ﷺ نے سنی اور صحابہ کرامؓ نے یاد کی نیز یہ کہ مسجد ہی میں دُعا مانگ رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے تائید کی تردید نہیں کی۔

## صحابہ کرامؓ ذکر جہر کے بدعت ہونے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے:

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ:

ایک دن میں عشاء کی نماز کیلئے مسجد میں داخل ہوا تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص قرآن کریم پڑھ رہا ہے ”ویرفع صوته“ اور اپنی آواز کو بلند کر رہا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: کیا آپ اس شخص کو ریاء کا نہیں کہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (نہیں) ”بل مؤمن منیب: بلکہ مؤمن (اللہ تعالیٰ کی طرف اور غفلت سے ذکر کی طرف) رجوع کرنے والا ہے“۔ (اس کے بعد حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ) اور ابو موسیٰ اشعریؓ بھی ”یقرأ ویرفع صوته فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتسمع بقراءته“ نماز میں با آواز بلند تلاوت کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کی قرأت کو سنتے رہے، پھر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیٹھے اور یہ دُعا کرنے لگے ”اللہم انی اشهدک انک انت اللہ لا اله الا انت احداً صمداً لم یلد و لم یولد و لم یکن له کفو احد: اے اللہ میں تجھ کو (اپنے اس اعتقاد و اقرار پر) گواہ بناتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں تو ایسا کیسا تو بے نیاز ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں“ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے اس کے ایسے نام کے ذریعے سوال کیا کہ جب اس کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس

سوال کو پورا کرتا ہے اور جب اسکے ذریعے دُعا مانگی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دُعا کو قبول فرماتے ہیں، حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ سے جو بات (ابوموسیٰ اشعریؓ کے حق) میں سنی اسے ابوموسیٰ تک پہنچا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں“ چنانچہ میں نے ابوموسیٰؓ تک آپ ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا دیا تو (وہ بہت خوش ہوئے) انہوں نے کہا کہ آج کے دن سے تم میرے سچے بھائی ہو کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچایا ہے (مشکوٰۃ شریف کتاب اسماء اللہ تعالیٰ بحوالہ رزین)۔

اس پوری حدیث میں غور کریں اس سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ مسجد وغیرہ میں جہر کامل یعنی بلند آواز کے ساتھ بھی ذکر و اذکار اور تلاوت وغیرہ کو ناجائز و بدعت نہیں کہتے تھے اس لئے حضرت بریدہؓ جس صحابیؓ کو نہیں پہچانتے تھے ان کے متعلق صرف اتنا پوچھا کہ یہ ریاء تو نہیں کر رہا ہے کہ اس قدر بلند آواز کے ساتھ تلاوت کر رہا ہے اسکے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں یہ مؤمن منیب ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ ذکر جہری کو بدعت یا ناجائز کہتے پھر تو یوں پوچھتے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ شخص ناجائز و ممنوع کام بابت میں مشغول تو نہیں۔ پھر غور کریں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو چونکہ حضرت بریدہؓ پہچانتے تھے اسلئے ان کے متعلق یہ سوال ہی نہیں کیا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ منافق نہیں بلکہ جلیل القدر صحابیؓ ہیں نیز اسکے بعد انہوں نے دُعا بھی جہراً مانگی اور یہ اس قدر فاصلے پر تھے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد اور پھر حضرت بریدہؓ کا سوال اور پھر آپ ﷺ کا جواب وہ خود نہ سن سکے بلکہ بریدہؓ نے ان کو یہ ساری بات پہنچائی اور یہ سب کچھ مسجد میں ہی تھا۔

حضرت عبداللہ ذوالجہادینؓ ایک صحابیؓ ہیں جو بچپن میں یتیم ہو گئے تھے چچا کے پاس رہتے تھے اور وہ بہت اچھی طرح ان کی پرورش کرتے تھے ذوالجہادینؓ گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے تھے جسکی وجہ سے چچا اور ماں ان سے بیزار ہو گئے تھے اور چچا نے وہ تمام چیزیں چھین لیں جو اس نے ان کو دی تھیں۔ چنانچہ پھر وہ گھر سے ایسی حالت میں نکلے کہ چادر کو دو ٹکڑے کر کے آدھے کا تہہ بند باندھا اور آدھے کی چادر بنا کر اوڑھا۔ ایسی حالت میں مدینہ منورہ آ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے دروازے پر پڑے رہتے تھے اور بہت کثرت سے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ شخص ریاء کا رہے کہ اس طرح ذکر کرتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بل هو احد الاواہین: (نہیں) بلکہ یہ اللہ تعالیٰ سے گریہ و زاری کرنے والوں میں سے ہے“ جب ان کا انتقال ہوا تو نبی کریم ﷺ نے رات کے وقت چراغ کی روشنی میں اپنے ہاتھ مبارک سے دُفن کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ان کی تدفین میں شریک تھے۔ دُفن کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہم انی امسیت عنہ راضیاً فارض عنہ: اے اللہ میں

اس سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا“ (تفصیل کیلئے دیکھئے حیاۃ الصحابہؓ ج ۳ ص ۳۲۲)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کا اعتراض بھی ذکر جہر پر نہ تھا بلکہ اندیشہ ریاء کی وجہ سے تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کی تردید فرمائی اور بتلایا کہ جب ذکر جہر ریاء سے خالی ہو تو ذکر بالجہر اواہین یعنی اللہ تعالیٰ سے گریہ و زاری کرنے والوں کی علامت ہے۔

نیز حضرت ابن ادرعؓ سے روایت ہے کہ؛

میں نبی کریم ﷺ کی چوکیداری کرتا تھا ایک رات نبی کریم ﷺ کسی ضرورت سے باہر نکل آئے اور مجھے دیکھ کر ہاتھ سے پکڑا اور جاتے وقت ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہم گزرے جو قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھ رہا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شاید یہ ریاء کاری کرتا ہو، حضرت ابن ادرعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو نماز پڑھتا ہے اور قرآن مجید جہراً پڑھتا ہے (تو یہ کیونکر ریاء کا رہوسکتا ہے) آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ اس بات کو پوری طرح نہیں پہنچ سکتے (کہ کون ریاء کا رہے اور کون منافق ہے اور کون نہیں کیونکہ تمہارے پاس نہ وحی آتی ہے اور نہ تم میں نبی کی طرح فراست ہو سکتی ہے)۔ حضرت ابن ادرعؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ ایک رات کسی حاجت کیلئے نکلے اور میں آپ ﷺ کی چوکیداری کرتا تھا تو آپ ﷺ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر چل دیئے اور ایک ایسے آدمی پر ہمارا گذر ہوا جو جہراً قرآن مجید پڑھ رہا تھا تو میں نے عرض کیا کہ شاید یہ ریاء کاری کر رہا ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا ”کلا انه اواب فنظرت فاذا عبداللہ ذوالجہادین“ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت زیادہ رجوع کرنے والا ہے۔ حضرت ادرعؓ کہتے ہیں تو میں نے دیکھا وہ عبداللہ ذوالجہادینؓ تھے (رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح کذا فی مجمع الزوائد، جلد ۹ ص ۳۹)۔

مروزی نے عبید بن عمیرؓ سے روایت کیا ہے کہ؛

کان عمر یکتب فی قبۃ فیکبر اهل المسجد فیکبر اهل السوق حتی ترتج منی تکبیراً: حضرت عمرؓ (ایام منیٰ میں) اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے اس تکبیر پر اہل مسجد بھی تکبیر کہتے تو اہل بازار بھی تکبیر کہنے لگتے حتیٰ کہ پورا منیٰ تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا (الحادی للفتاویٰ، جلد ۱، ۳۹۳)۔

حضرت عمرؓ کی تکبیر کس قدر بلند تھی کہ مسجد میں سنائی دیتی تھی پھر اہل مسجد کی تکبیریں اس قدر بلند ہو جاتیں کہ بازار یعنی تمام خیموں وغیرہ میں آواز پہنچ کر پورا منیٰ تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا اور تکبیرات تشریق وغیرہ یہ سب کچھ مسجد



میں بیٹھ کر ہو جاتی تھیں اور آج تک کہی جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا حدیثوں سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ کسی پر ریاء کاری کا فتویٰ صرف نبی کریم ﷺ کا کام ہے ہم کسی کے دل کی حالت کو نہیں جانتے۔ دوسری بات یہ کہ صحابہ کرامؓ ذکر جہر کو بدعت نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ اس کو مسجد وغیرہ میں ناجائز سمجھتے تھے۔ تیسری بات یہ کہ جہری تلاوت و ذکر مسجد میں بھی جائز ہے بشرطیکہ نمازی وغیرہ کیلئے تکلیف کا باعث نہ بنے۔

## حضرت عمرؓ کا شدید جہر یعنی بلند آواز کے ساتھ دُعا:

حضرت سائب بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن حضرت عمرؓ کو قحط سالی کے زمانے میں دیکھا کہ معمولی کپڑے پہنے ہوئے گڑگڑا رہے ہیں۔ آپ پر اتنی چادر تھی کہ دونوں گھٹنوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ”یرفع صوته بالاستغفار وعيناه تهر اقان على خذبه“ استغفار کے ساتھ آپ کی آواز بلند تھی اور آپ کی آنکھوں سے دونوں رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے، اور آپ کی دائیں جانب حضرت عباس بن مطلبؓ تھے آج کے دن انہوں نے (حضرت عمرؓ) نے دُعا کی؛

وهو مستقبل القبلة رافعا يديه الى السماء وعجّ الى ربّه فدعا ودعا الناس

معه: اور وہ (یعنی حضرت عمرؓ) قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی

طرف اٹھائے ہوئے تھے اور اپنے پروردگار کے سامنے چلا کر فریاد کر رہے ہیں (یعنی

خوب بلند آواز کے ساتھ گڑگڑا رہے ہیں) چنانچہ انہوں نے دُعا کی اور لوگوں نے بھی ان

کے ساتھ دُعا کی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ”اللّٰهُمَّ اِنَّا

نستشفع بِعَمِّ رَسُوْلِكَ الْيَكُ“ اے اللہ ہم تیرے رسول ﷺ کے بچپا کے ذریعہ

سے تجھ سے شفاعت طلب کرتے ہیں (یعنی دعا کرواتے ہیں) راوی کہتے ہیں کہ حضرت

عباسؓ دیر تک برابر حضرت عمرؓ کے پہلو میں کھڑے رہے اور حضرت عباسؓ دعا کر رہے تھے

اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے (حیاء الصحابہؓ، ج ۳ ص ۳۳۰ تا ۳۳۱)۔

اس روایت میں حضرت عمرؓ نے جو دعا مانگی وہ رفع الصوت ”بلند آواز“ کے ساتھ تھی یعنی بلند آواز کے ساتھ گڑگڑا رہے

تھے نیز اس روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ ”وعجّ الى ربّه“ یعنی اپنے پروردگار سے چلا کر فریاد کی ”عجّ“ عربی میں

چلانے کو کہتے ہیں (لغات الحدیث) جس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے چلا کر بلند آواز کے ساتھ فریاد کی۔

## حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور صحابہ کرام کا ذکر جہری:

حضرت زہرہؓ کا بیان ہے کہ:

عبداللہ بن عمر اذا انصرف من صلاة العشاء الآخرة يكبّر رافعاً صوته،

حتّى يدخل منزله: حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نماز عشاء سے (فارغ ہو کر گھر) واپس

آ رہے تھے تو وہ برابر بلند آواز سے تکبیر کرتے یہاں تک گھر میں داخل ہو جاتے (تاریخ

ابن عساکر، جلد ۵، ص ۳۸۹)۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ:

انہوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ ”لا اله الا اللہ اور اللہ اکبر“ کہہ رہے ہیں تو

آپ نے فرمایا کہ یہی ہے، یہی ہے، رب کعبہ کی قسم۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہی

ہے، یہی ہے۔ کیا چیز ہے؟ فرمایا تقویٰ کا کلمہ اور صحابہ کرامؓ اس کے زیادہ اہل اور حقدار

ہیں (کنز العمال، جلد ۱، ص ۲۰۷؛ حیاء الصحابہ، جلد ۳، ص ۲۹۲)۔

## بعض علماء بلا ضرورت بھی جہر مفرط غیر موذی کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں؟

بہت سے علماء بلا ضرورت غیر موذی اور بلا کسی مانع شرعی کے جہر شدید کو بھی جائز کہتے ہیں جب ان

سے پوچھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں ”دون الجہر“ کا حکم آیا ہے یعنی بلند آواز کی نسبت کم آواز سے ذکر کا

ادب جو کہ قرآن مجید نے بتلایا ہے نیز ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُ بِهَا“ یعنی جہر معتدل کا حکم ہے۔

نیز ”ارْبَعُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ“ کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ اس میں بھی جہر مفرط سے روکا گیا پھر اس کے بعد اس

بات کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ جہر مفرط غیر موذی بلا ضرورت بھی جائز قرار دیا جائے۔

اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ ”دون الجہر“ کا حکم ارشادی ہے۔ لہذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہر

شدید ممنوع یا مکروہ یا حرام ہے نیز وہ اس کے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”دون الجہر“ بھی بلکہ یہ پوری سورۃ

مکی ہے۔ اور اسکی تفسیر جو کہ ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَافُ بِهَا“ کے متعلق تو یہ بات معلوم ہے کہ یہ حکم

اس لئے تو نہ تھا کہ جہر شدید ممنوع ہے۔ بلکہ صرف مصلحت کی بنیاد پر تھا کہ جہر شدید کی صورت میں کفار کی طرف

سے ایذا رسانی اور سب و شتم کا خطرہ لاحق تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد جب یہ خطرہ ٹل گیا اور مدینہ منورہ میں نمازوں

کیلئے اذان دے دینا بھی شروع ہوا اور خطبے بھی دیئے جانے لگے اور حج و عمرہ میں تبلیہ اور عید الاضحیٰ کے موقع پر

تکبیرات تشریق سے پہاڑ گونج اٹھے جس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مخصوص حالات کیلئے ہے وہ یہ کہ جب کفار و

مشرکین سے مسلمانان اسلام کو ایذا رسانی کا خطرہ ہو تو یہ حکم ایسے حالات کیلئے ہے اگرچہ علامہ سید محمود آلوسیؒ جو

کہ جہر مفرط کو بلا ضرورت درست نہیں سمجھتے لیکن وہ بھی اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

وَالآیة علی ما يقتضيه كلام الاكثرين محمكة وقيل هي منسوخة بناء علی

ما أخرجه ابن مردويه وابن ابی حاتم عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ

وسلم امر تکم بالتوسط بأن لايجهر جهرأً شديداً ولا يخفض حتى لا يسمع اذنيه فلما ها جوالى المدينة سقط ذالك: علماء کی اکثریت کے کلام کا تقاضا یہ ہے ۱۔ کہ یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ ابن مردویہ ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جو معتدل اور متوسط جہر کا حکم دیا گیا تھا کہ نہ جہر شدید ہو اور نہ ایسی پست آواز ہو کہ اپنے کانوں کو بھی نہ سنائی دے پس جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہ حکم ساقط ہو گیا (روح المعانی، جلد ۱۵، ص ۱۹۵)۔

اور اسی طرح کی تفسیر ابن کثیر نے عبداللہ بن عباسؓ سے بھی نقل کی ہے کہ ہجرت کے بعد اس کی اجازت دی گئی کہ جس طرح چاہے جہر کے ساتھ تلاوت کریں (دیکھئے تفسیر ابن کثیر، جلد ۳، ص ۶۹) اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا حکم بالکل منسوخ ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس حالت کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا جب وہ حالت نہ رہی تو حکم بھی نہ رہا۔ اور جب بھی مسلمانوں کیلئے ایسے حالات درپیش ہوں کہ قرآن کی تلاوت اور ذکر جہر کی وجہ سے ایذا رسانی کا خطرہ ہو پھر بھی یہی حکم ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ وہ ان آیتوں جن میں جہر معتدل کا حکم ہے کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق ایسی حالت اور ایسی جگہوں کے ساتھ خاص ہے جہاں جہر شدید میں ایذا رسانی اور سب و شتم کا خطرہ موجود ہو اور جب ایسے حالات نہ ہوں تو پھر جہر مفطر بھی جائز ہے۔ باقی رہی ”اربعوا“ والی حدیث اس کو شفقت اور مہربانی پر محمول فرماتے ہیں۔ جیسا کہ خود ”اربعوا علی أنفسکم“ کے لفظ سے واضح ہے۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ یہ جنگ اور سفر کا موقع تھا ایسے مواقع میں جہر شدید یا تو خود جہر کرنے والے کیلئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے اور سفر کو پرمشقت بنا لینے کا سبب بن جاتا ہے یا دشمن مسلمانوں کا سراغ لگا کر ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

**بلند آواز کے ساتھ بلا ضرورت بھی ذکر جائز ہے بلکہ افضل ہے:**

جو علماء بلا ضرورت و حاجت کے بھی جہر کامل یعنی رفع صوت بلند آواز اور پکار کر کہنے کو جائز بلکہ افضل قرار دیتے ہیں۔

..... وہ کہتے ہیں کہ جہر میں مشقت زیادہ ہے۔

..... جہر کی برکت ان تمام جگہوں کو پہنچتی ہے جہاں تک ذکر کی آواز جاتی ہے اور اس کی وجہ سے بکثرت گواہ ملتے ہیں۔

۱۔ علامہ سیوطیؒ کی تفسیر درمنثور میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ موجود ہے (دیکھئے درمنثور، جلد ۴، ص ۲۰۷)۔

۲۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اکثر علماء نے اس پر تصریح کی یا ان کی رائے یہ ہے بلکہ علامہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام کا جو تقاضا ہے وہ یہ ہے

..... اس سے دل اور ذہن بیدار رہتا ہے۔

..... اس سے وسوسوں اور نفسانی کیفیات دفع ہو جاتی ہیں اور اسی طرح کے فوائد اس وقت زیادہ سے زیادہ حاصل ہو جاتے ہیں جب کہ جہر کامل یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر ہو۔

**شدید جہر کے ساتھ ذکر و تلاوت کے فضائل:**

جو علماء بلا ضرورت و مصلحت جہر کامل اور بلند آواز سے ذکر کی افضلیت کے قائل ہیں وہ دوسرے دلائل کے علاوہ قرآن مجید کی اس آیت کو بھی پیش کرتے ہیں۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا : تو اللہ تعالیٰ کا اس طرح ذکر کرو جیسا

کہ تم آباؤ اجداد کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی سخت ذکر کیا کرو (بقرہ، ۲۰۰ تا ۲۰۱)

نیز گذرے ہوئے صفحات میں جو حدیثیں اور روایتیں ایسی آچکی ہیں جن سے رفع الصوت اور شدید جہر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کی دُعا اور خود نبی کریم ﷺ کی دُعا ”بصوتہ اعلیٰ“ وغیرہ کو بھی پیش کرتے ہیں نیز وہ ذیل میں آنے والی حدیثوں کو بھی پیش کرتے ہیں۔

”الدالّ علی الخیر کفاعلہ“ خیر اور نیک کام کی نشان دہی کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس کا اخیر کا کرنے والا۔ اور جہر اور رفع الصوت میں جہاں تک آواز پہنچتی ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ کلمہ توحید یا سبحان اللہ کہیں گے یا اس پر سوچیں گے اس کا ثواب بھی اسے ملے گا۔ نیز حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

لا يسمع مُدَى صوت المؤذّن جنّ ولا انس ولا شيء الاّ شهد له يوم القيامة :

مؤذن کی انتہائی آواز کو جو بھی سنتا ہے خواہ انسان ہو یا جن اور یا جو بھی چیز ہو وہ سب

قیامت کے دن اس کیلئے گواہ بنیں گے (صحیح بخاری، مشکوٰۃ باب الاذان) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کیلئے ہر خشک اور تر چیز گواہی دے گی (دیکھئے مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)۔

یعنی جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک جن و انس اور حیوانات و نباتات و جمادات تمام چیزیں اس کیلئے قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ اسی حدیث میں مؤذن کو یہ ترغیب دلائی مقصود ہے کہ اذان نہایت بلند آواز سے کہا کریں تاکہ ان کیلئے ایمان کے گواہ زیادہ ہوں۔

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ دیکھئے مراقا، جلد ۳، ص ۱۷۲، طحاوی، ص ۱۱۹، فتاویٰ خیر علی تنقیح الحامیہ، جلد ۲، ص ۲۸۱، شامی، جلد ۱، ص ۴۴۴، طحاوی علی مراقی الفلاح، ص ۱۹۰، اس طرح روح المعانی، روح البیان وغیرہ میں ان فوائد کے علاوہ کتب فقہ اور تفسیروں میں ذکر جہر کے فوائد کا ذکر بھی آیا ہے۔



مامن مسلم یلبی الالبی من عن یمینہ و شمالہ من حجر او شجر او مدر حتی تنقطع الارض من ھہنا و ھہنا: جب کوئی بھی مسلمان لبیک کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کی ہر چیز خواہ پتھر ہو درخت اور یا ڈھیلے سب لبیک کہتے ہیں، یہاں تک کہ اس طرف سے (یعنی اس کے دائیں طرف سے) اور اس طرف سے (یعنی اس کے بائیں طرف سے) تمام زمین ختم (یعنی اس میں شامل) ہو جاتی ہے (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)۔

یہ کائنات گوئی بہری نہیں بلکہ جمادات و نباتات دنیا کی ہر ایک ایک چیز بلکہ انسان کے اپنے اعضاء اجزاء انسان کے افعال و اقوال کو خاموشی کے ساتھ ریکارڈ کرتے ہیں اور جب قیامت برپا ہوگی اور حساب و کتاب شروع ہو جائے گا تو یہ ساری چیزیں حق کے مطابق گواہی دیں گے اور اپنے اپنے محفوظ اور ریکارڈ کردہ افعال و اقوال کو بیان کریں گے جیسا کہ اس کا پورا بیان قیامت کے بیان میں موجود ہے۔ البتہ یہاں نبی کریم ﷺ کی وحدیثوں کو نقل کرتے ہیں۔

## ذکر و تلاوت سے شیاطین اور فاسق جنات بھاگ جاتے ہیں اور فرشتے آ جاتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

تم میں سے جو کوئی رات کے وقت نماز پڑھے تو اپنی قرأت کو جہراً (بلند آواز) کے ساتھ پڑھا کریں کیونکہ ان کے ساتھ فرشتے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور اس کی قرأت کو سنتے ہیں اور ہواؤں میں اور قاری کے آس پاس جو مومن جنات ہیں سب اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قرأت سنتے ہیں اور یہ قاری اپنی جہری قرأت کے ذریعے اپنے گھر سے اور اپنے گھر کے ارد گرد سے فاسق جنوں اور سرکش شیطانوں کو بھگا دیتے ہیں (الفتاویٰ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۷)۔

آس پاس کے گھرانوں سے شیطانوں کو اس وقت بھگایا جاسکتا ہے کہ وہاں تک قاری کی آواز پہنچ جائے اور یہی جہر شدید ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصرخ بالحج صراخاً: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے ہم حج کے لئے چلا یا کرتے تھے (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم)۔ حضرت خلا بن السائب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم فرمایا کہ ”ان آمر اصحابی ان یرفعوا اصواتہم بالاہلال او التلبیۃ“ کہ میں (اپنے صحابہ کو) حکم دوں کہ وہ اپنے تلبیہ (یعنی لبیک کہنے میں آوازیں بلند کریں)۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مؤطا امام مالک و ترمذی)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

میں سواری پر حضرت ابوطحہؓ کے پیچھے بیٹھا تھا ”وانہم لیصر خون بہما جمیعا الحج والعمرۃ“ اور صحابہ کرامؓ دونوں کے لئے یعنی حج و عمرہ (دونوں) کے لئے چلاتے تھے (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)۔

اس طرح اور بہت سی روایات ایسی ہیں جن کی بنیاد پر بعض فقہاء فرمانے ہیں کہ ذکر جہر اگر مفاسد سے خالی ہو تو بوجہ مشقت ذکر سری سے افضل ہے اور مشقت جہر شدید میں ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ دوسرے فوائد جو بیان کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، اس سے دل نرم ہوتے ہیں، وہ بھی جہر شدید کی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنے رسالہ ”سباحۃ الفکر“ میں ذکر جہری سے متعلق متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ صحیح احادیث ہیں ان سے اور ان جیسی احادیث سے صراحۃً یا اشارۃً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر جہری میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے بلکہ اس میں اس کا جواز یا استحباب ملتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ ذکر جہری میں دلوں کو نرم کرنے کی ایسی تاثیر ہے جو سری ذکر میں نہیں ہے (سباحۃ الفکر)۔

## جہر شدید کے جواز و استحباب میں بھی بحث و کلام کی پوری گنجائش ہے:

بہر حال جہر شدید کے جواز و استحباب یا فضیلت میں بھی بحث و کلام کی پوری گنجائش موجود ہے اس لئے اس کے متعلق بھی اپنے قلم و زبان کو محتاط رکھیں اور جہر معتدل میں تو کلام ہی نہیں۔ ہاں اگر اس سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے تو وہ جہر موزی ہو جائے گا جس سے روکنا چاہیے۔

## مجالس ذکر اور ان کے فوائد

ذکر اللہ کی مجالس کا انعقاد و قیام بہت مبارک کام ہے اور قرآن و حدیث میں ان کی ترغیب و تائید اور بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں ان مجالس کے چند فوائد یہ ہیں۔

..... ذکر کی مجالس وہ باغ ہیں جن میں دلوں کی آبیاری ہوتی ہے اور یہ ایمانی و روحانی ترقی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

..... ان کی وجہ سے قلوب اللہ تعالیٰ کی طرف مائل اور متوجہ ہوتے ہیں۔

..... ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی ذکر الہی کی ترغیب ہو جاتی ہے۔

..... ان مجالس کی وجہ سے کم ہمتوں کی ہمتیں بڑھ جاتی ہیں اور ذکر الہی پر استقامت نصیب ہوتی ہے۔

..... صاحب دل لوگوں کے ذکر اور روحانی موجدوں میں غافل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور دل کی بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔

..... مجلس ذکر کے تمام ذاکرین سے جو قلبی نور اور مہک جمع ہو جاتی ہے وہ ہر ایک شریک مجلس میں جگمگا اٹھتی ہے جس کی وجہ سے ہر ایک کو حسب استعداد اور حسب اخلاص ذکر الہی میں رسوخ اور پختگی حاصل ہوتی ہے۔

..... ان مجالس پر روحانی اور نورانی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے ان کی روحانیت اور نورانیت سے یہ مجالس اور زیادہ پُر نور اور دلوں کے اطمینان و طمانیت کا سبب بنتی ہیں۔

..... مجالس ذکر وہ روحانی حصار اور قلعے ہیں جن کے ذریعے انسان نفس و شیطان کے وار سے بچ سکتا ہے۔

..... مجالس ذکر سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور شرکائے مجلس کی بخشش فرماتا ہے اور ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

..... مجالس ذکر جنت کے باغ ہیں۔ جو ان میں شریک ہوتا رہے گا وہ روز محشر میں موتیوں کے منبروں پر ہونگے اور ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا۔

..... ذاکرین کے لئے جھنڈا ہوگا وہ اس جھنڈے کے پیچھے جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے جنت

میں داخل ہونگے اور جنت کے بالا خانوں اور باغوں میں رہیں گے۔

مجالس ذکر کے یہ چند فوائد ذکر کئے گئے ہیں احادیث میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد و فضائل بیان ہوئے ہیں جس کا کچھ بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

## شیطان مجالس ذکر سے جزبہ ہو جاتا ہے:

خلاصہ یہ کہ ذکر کی مجالس میں بہت سے فوائد ہیں اور شیطان جو انسان کا بنیادی اور اصل دشمن ہے وہ ان فوائد کو دیکھ کر مجالس ذکر سے جزبہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے مجالس ذکر اور ان حصاروں اور قلعوں کو ختم کیا جائے جن میں انسانیت کی حفاظت اور نجات و فلاح ہے

## مجالس ذکر کے مراکز مساجد اور خانقاہیں ہیں:

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کے روحانی تسلسل کی حفاظت اور بقاء اور افراد کے اخلاق و اعمال کا تزکیہ انہی روحانی مراکز مساجد اور خانقاہوں میں ہوا ہے اور ان مراکز سے دین اسلام کے ہر شعبے میں کام کرنے والوں نے ایمان و یقین، اخلاق و احسان، تعلق مع اللہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کی روح کو حاصل کیا۔

چنانچہ جتنے مجتہدین امت اور مصلحین امت گزرے ہیں سب کے سب انہی مراکز اور خانقاہوں کے تربیت یافتہ ہیں مثلاً امام شاہ ولی اللہؒ، مجدد الف ثانیؒ، امام شاملؒ، سید احمد شہیدؒ، امام سنوسیؒ، فرنگ اور انگریز کے ساتھ لڑنے والے شیخ المشائخ مجاہد ملت حضرت حاجی امداد اللہؒ، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حسین احمد مدنیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریاؒ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ اور انگریز سے لڑنے والے پاکستان کے صوبہ سرحد کے امام المجاہدین حضرت مولانا عبدالغفور سواتیؒ، حضرت مولانا محمد عمر شاہؒ عرف صاحب مبارک کر بونہ شریف، حضرت حاجی ترنگزئیؒ اور فاتح کشمیر حضرت مولانا حاجی محمد امین صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب وہی لوگ ہیں جنہوں نے انہی مراکز اور خانقاہوں میں تربیت پائی تھی اور آج بھی صحیح معنوں میں جو حضرات کفر و شرک کے علمبرداروں یہود و ہنود اور انگریز کے خلاف لڑتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو انہی مراکز کے تربیت یافتہ ہیں۔

## دشمنان اسلام کو خطرہ کس سے ہے؟

غرض یہ ہے کہ یہی مجالس ذکر کے مراکز اور خانقاہیں ہیں جو شیطان اور اس کے پیلوں دشمنان اسلام



یہود و ہنود کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں اور ان سے وہ بہت زیادہ خطرہ محسوس کرتے ہیں اور انہوں نے اس راز کو پالیا ہے کہ اصلاً یہی وہ پاور ہاؤس ہیں جہاں سے اسلام کے سچے خادم سرفروشان اسلام اسلامی اخلاق سے آراستہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے سپاہی تیار ہوتے ہیں۔ جو بڑی سے بڑی قربانی بھی آنکھ بند کر کے دے دیا کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام کی بقاء و حفاظت کے لئے مال و جان اور عزت کی بازی لگاتے رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو پورے عالم اسلام میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی استعماری طاقتوں کے سب سے زیادہ مخالف ہیں اور ان دشمنان اسلام کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اس لئے شیطان کے چیلوں یہود و ہنود وغیرہ دشمنان اسلام اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ذکر الہی کے مراکز اور مجالس ذکر اور ان درسگاہوں اور مدارس کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مدارس اور درس گاہیں ان پاور ہاؤسوں اور خانقاہوں سے وابستہ ہیں اور ان ظالموں نے تاک کر نشانہ لگایا ہے اور سب سے زیادہ پروپیگنڈہ تصوف، صوفیائے کرام اور انہی مجالس ذکر کے مراکز اور خانقاہوں اور ان مدارس کے بارے میں کرتے ہیں جن سے شیطان اور اس کے چیلے پریشان و سرگردان ہیں۔

## مجالس ذکر کو ختم کرنے کے لئے شیطانی سازشیں:

مجالس ذکر اور خانقاہوں کو ختم کرنے کے لئے شیطان اور اس کے چیلے طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں مسلمانوں کے اندر حیلوں بہانوں سے ذکر اور مجالس ذکر کے متعلق شکوک اور ادھام پیدا کرتے ہیں اور شیطان کے داؤ میں سے ایک داؤ یہ بھی ہے کہ وہ کسی مبہم روایت سے یا من گھڑت روایت کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کی راہ سے ہٹا دیتا ہے ان روایتوں میں سے ایک محتمل، مبہم وہ روایت بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور حدیث کے پورے ذخیرہ میں وہ ایک روایت ایسی ہے جس کو مجالس ذکر کے خلاف بطور پروپیگنڈہ استعمال کیا جاتا ہے۔

## حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب روایت اور اس کی حیثیت:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب روایت کونسی ہے؟ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ اس کی قدر و تفصیل کی ضرورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب اثر کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ہم نماز فجر سے قبل عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازے

پر ان کے انتظار میں بیٹھے تھے اور انکے ساتھ ہو کر مسجد میں آئے تھے ایک دن حضرت ابو

موسیٰ اشعریؓ (گھبرائے ہوئے) آئے اور ہم سے پوچھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نکلے یا کہ نہیں

؟ ہم نے کہا نہیں جب ابن مسعودؓ نکل آئے تو ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ ابھی ابھی ہم نے

ایک جماعت کو دیکھا ہے جو نماز کے انتظار میں (جگہ جگہ) حلقے باندھ کر بیٹھی ہے اور ان

کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں ہر حلقے میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کہ (۱۰۰) سو مرتبہ تکبیر کہو تو وہ (۱۰۰) سو بار تکبیر کہتے ہیں پھر کہتا ہے کہ سو بار لا الہ الا اللہ کہو تو وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں پھر اسی طرح سبحان اللہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے وہ سبحان اللہ کہتے ہیں جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد کو پہنچے تو انہوں نے (ان حلقوں میں سے) ایک حلقے والوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ کنکریاں ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل اور تسبیح کر رہے ہیں تو ابن مسعودؓ نے فرمایا تم بجائے تکبیر و تہلیل اور تسبیح کے اپنے گناہوں کو شمار کرو تو میں اس کا ضامن ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں سے کچھ بھی ضائع نہیں کرے گا، افسوس تم پر اے امت محمد ﷺ کس قدر جلد ہی تم ہلاکت میں پڑ گئے ابھی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور آپ ﷺ کے استعمال کے برتن نہیں ٹوٹے، شاید تم ایسے طریقے پر ہو جو محمد ﷺ کے طریقہ سے زیادہ عمدہ اور زیادہ ہدایت والا ہے یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو (سنن دارمی ج ۱ ص ۶۰)۔

سنن دارمی کے علاوہ مصنف عبدالرزاق، جلد ۳ ص ۲۲۱ اور المعجم الکبیر جلد ۹ ص ۱۳۳ اور تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزیؒ میں بھی مختلف طرق سے یہ اثر موجود ہے لیکن کوئی طریق بھی ضعف سے خالی نہیں ہے۔ رہا متن تو اس کے متن کے اندر بھی خفیہ علت موجود ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یا تو یہ اثر حضرت ابن مسعودؓ پر جھوٹ و افتراء ہے یا حضرت ابن مسعودؓ کا انکار ایک خاص محل پر محمول ہے کیونکہ قرآن و حدیث کے رُوسے جھرمعتل اور مجالس ذکر کا جواز و استحباب ثابت ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی قرآن و حدیث کی مخالفت کریں۔

## جس چیز کا جواز اور حلال ہونا ثابت ہو اس کے متعلق قرآن مجید کا اصول:

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جس چیز کا جواز و استحباب یا حلال ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی صورت یا کسی فرد و جز کو بغیر کسی مضبوط دلیل و برہان کے ناجائز یا حرام یا بدعت کہنا خود قرآن مجید اور شریعت مطہرہ کی رُوسے ناجائز اور ایک اعتقادی بدعت ہے اور یہاں اس کے متعلق قرآن مجید کے صرف ایک مقام کو پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ عرب میں گوشت اور دودھ وغیرہ کے لئے جو جانور گھروں میں پالے جاتے تھے ان میں سے چار زیادہ معروف تھے بھیڑ، بکری اور اونٹ، گائے ان چاروں کے نرمادہ کو الگ الگ گنیں تو یہ سب آٹھ بن جاتے ہیں جانوروں کے ان اقسام میں عربوں نے اپنے مشرکانہ توہمات کی بنیاد پر بعض کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرایا تھا مثلاً

بعض جانوروں کو اگر ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو اس کا گوشت صرف مرد کھائیں اور عورتیں نہ کھائیں اسی طرح بعض سواری کے جانوروں کی پیٹھ پر سوار ہونا اور ان کے اوپر بوجھ لادنا ان کے نزدیک ناجائز و حرام تھا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ ان میں ایک ایک کو فرداً لے کر ان سے پوچھو کہ ان میں سے کس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اور ان سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے سوال کا جواب کسی علمی یا عقلی دلیل و برہان سے دیں محض اٹکل کے تیر بے تئے نہ چلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

ثُمَّ نَبِيَّةً أَرْوَاجِحَ مِنَ الصَّانِ أَتَيْنَ وَمِنَ الْمَعْرِ أَتَيْنَ ط قُلْ ءَ الدَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ  
الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ط نَسَبُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ O  
وَمِنَ الْأَبْلِ أَتَيْنَ وَمِنَ الْبَقَرِ أَتَيْنَ ط قُلْ ءَ الدَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا  
اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ط أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّكُمْ اللَّهُ بِهَذَا جَ فَمَنْ  
أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي  
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ: چوپایوں کی آٹھ قسموں کو لو، بھیڑ کی قسم میں سے (نروادہ) دو اور بکری  
کی قسم میں سے (نروادہ) دو، ان سے پوچھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے زحرام کئے ہیں  
یا دونوں کے مادہ کو یا اس بچے کو جو دونوں مادہ (بھیڑ و بکری) کے رحم میں ہے مجھے دلیل کے  
ساتھ بتاؤ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو اور اسی طرح (نروادہ) دو اونٹ کی قسم میں سے  
ہیں اور دو گائے کی قسم میں سے، ان سے پوچھو کہ دونوں کے زحرام کئے ہیں یا  
ان دونوں کے مادہ کو یا اس بچے کو جو ان دونوں مادہ (اونٹنی اور گائے) کے رحم میں ہے کیا تم  
اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا پس اس سے بڑھ کر ظالم کون  
ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے تاکہ وہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر کسی علم کے، بے  
شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا (الانعام ۱۴۳-۱۴۴)۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصلاً ان جانوروں اور ان کے نروادہ اور ان کے پیٹ کے بچے کو حلال  
کیا ہے ان میں سے کسی کی حرمت کا دعویٰ یہ نہیں کر سکتے تو پھر انہی کے بعض اجزاء اور بعض افراد پر حرمت اور عدم  
جواز کا حکم کہاں سے طاری ہوا؟ کہ بعض کا کھانا ناجائز ہو جاتا ہے اور بعض پر سواری حرام ہو جاتی ہے آخر میں فرمایا  
کہ ان سے محروم النعمۃ اور ظالم لوگ کون ہو سکتے ہیں، جو بغیر کسی علمی سند و دلیل کے محض جھوٹے بہتان کے  
ذریعے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ بلاشبہ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو  
سکتا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے اور علم و تحقیق سے تہی دست ہونے کے باوجود لوگوں کو باطل اور غلط مسائل بیان

کرتا ہے اور ان کو گمراہ کرتا ہے جس شخص نے اس قدر ڈھٹائی اختیار کی ہو اور ایسے ظلم عظیم پر کمر باندھ لی ہو اس  
سے ہدایت پانے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

## حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کس چیز پر تھا:

مذکورہ بالا آیتوں کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا انکار کس چیز پر تھا؟ ان کا انکار  
معین عدد پر تھا تو یہ قطعاً صحیح نہیں کیونکہ عدد معین کے ساتھ تسبیح و تہلیل وغیرہ شریعت مطہرہ میں دوپہر کے چڑھتے  
ہوئے سورج کی طرح ثابت ہے بلکہ خود حضرت ابن مسعودؓ سے بھی صحاح و دیگر کتب احادیث مشہورہ میں معلقاً و  
متصلاً، تسبیح و تہلیل عدد معین کے ساتھ اسانید صحیحہ کے ساتھ منقول ہے۔

## حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ذکر جہری:

اور اگر انکار جہر پر ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جہر معتدل تو خود قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت  
ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود بھی ذکر جہر کرتے تھے جیسا کہ ان کے  
خاص شاگرد ابو وائل شقیق بن سلمہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام سیوطیؒ، حضرت امام بن  
حنبلؒ کی کتاب "الزهد" سے نقل فرماتے ہیں اور ان سے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ:

عن ابی وائل قال ہؤلاء الذین یزعمون ان عبد اللہ کان ینہی عن الذکر  
ما جالست مجلساً قط الا ذکر اللہ فیہ: یہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ عبداللہ بن  
مسعودؓ ذکر سے منع کیا کرتے تھے حالانکہ جب بھی میں ان کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھا تو وہ  
اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے (الحاوی للفتاویٰ ج اول ص ۳۹۴)۔

ذکر سے مراد یہاں ذکر جہری ہی ہے کیونکہ یہ تو کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا کہ العیاذ باللہ حضرت عبداللہ بن  
مسعودؓ ذکر الہی کے منکر تھے کیونکہ یہ تو خالص کفار اور دھریوں کا عقیدہ اور طرز عمل ہے بلکہ دراصل یہ اس اثر کی  
تردید ہے جو ان کے متعلق لوگوں میں پھیلا یا گیا تھا کہ آپ نے ذکر جہری کرنے والوں پر انکار کیا تھا حضرت ابو  
وائلؓ نے اس اثر کی تردید اور تغلیط کی، کہ یہ غلط ہے بلکہ وہ تو خود ذکر جہری کرتے تھے اور ان کی کوئی مجلس ذکر سے  
خالی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالحیؒ نے ”ذکر“ کے ساتھ ”الجہر“ لکھا ہے یعنی ذکر جہر کرتے تھے  
اور حضرت علامہ ہاشمیؒ نے بھی اپنے رسالہ ”فضل التسییح و التہلیل“ میں حضرت ابو وائلؓ کی اس روایت کو نقل  
کیا ہے انہوں نے بھی ”ذکر“ سے مراد ذکر جہری ہی لیا ہے اور خود امام سیوطیؒ نے بھی اس سے ذکر جہری پر  
استدلال کیا ہے (سباحۃ الفکر)۔



## مجلس ذکر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

کہنے والا کہتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا انکار مجلس ذکر پر تھا تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ مجالس ذکر کی اہمیت و استجاب قرآن و حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان آنے والا ہے بلکہ حضرت ابووائل کی روایت میں غور و فکر کریں تو اس میں اس قصے کی تردید موجود ہے اور حضرت ابووائل نے دو لفظوں میں اس قصے کی تردید فرمائی جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

## مجالس ذکر شیطان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں:

نیز خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ بیان ہے کہ شیطان کی آنکھوں میں سب سے زیادہ جو چیز کھٹکتی ہے وہ مجالس ذکر ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن میمونؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ان الشيطان لطاف باهل الذكر ليفتنهم فلم يستطع ان يفرق بينهم فاتي على حلقة يذكرون الدنيا فاغوى بينهم حتى اقتتلوا فقام اهل الذكر فحجزوا بينهم فيتنفروا : شيطان مجلس ذکر کرنے والوں کے ارد گرد چکر لگاتا ہے تاکہ ان کو کسی طرح آزمائش میں ڈال کر ان کی اس مبارک مجلس کو ختم کر دے۔ پس (وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوا اور) یہ بات اس کی قدرت سے باہر تھی کہ ان کو (مجلس سے ہٹا کر ان کو) تثر بتر کر دے پھر وہ ایک ایسی جماعت کے پاس آیا جو دنیا کے دھندوں اور باتوں میں مشغول تھی شیطان نے ان کے درمیان پھوٹ ڈال دی یہاں تک کہ وہ آپس میں لڑ پڑے (یہ دیکھ کر) مجلس ذکر والے اٹھ گئے اور (ان کو لڑائی سے باز رکھنے کے لئے) ان کے درمیان حائل ہو گئے پس اس طرح وہ (مجلس ذکر سے اٹھ کر) تثر بتر ہو گئے (کتاب الزہد، ص ۱۹۶)۔

حضرت ابن مسعودؓ اس قصے کے ذریعے مجالس ذکر کی اہمیت کو بیان فرماتے ہیں کہ ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا ہے اور وہ حفاظت کے قلعے ہیں اور شیطان ہمیشہ اس کوشش میں ہوتا ہے کہ وہ مجالس ذکر سے لوگوں کو ہٹا دے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شیطان ذکر کی مجلس سے جزبہ ہوتا ہے اور مجالس ذکر اس کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجالس ذکر شیطان سے بچنے کے لئے محفوظ اور مضبوط قلعے ہیں اس کے برعکس دنیا کی مجالس شیطان کے مورچے ہیں جن سے وہ مجالس ذکر پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

## اثر ابن مسعودؓ کے متعلق محققین علماء کی آراء:

بہر حال جب شریعت میں ذکر جہری جائز ہے اور معین مقدار کے ساتھ تسبیح و تہلیل اور مجلس ذکر بھی جائز ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن و حدیث کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے مجلس ذکر جہری پر بدعت کا فتویٰ لگائیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے محققین علماء نے اس اثر کو یا تو موضوع قرار دیا ہے یا پھر اس روایت کو اس کے ٹھیک مقام پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت علامہ کروری صاحب بزازیہؒ کا اس اثر سے جواب:

وہ فرماتے ہیں کہ: الاخراج عن المسجد لونسب اليه بطريق الحقيقة بجواز ان يكون لاعتقادهم العبادة فيه ولتعليم الناس بدعة: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ان لوگوں کو مسجد سے نکالنا اگر واقعی طور پر ثابت ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس جہر کو عبادت سمجھ لیا تھا (کہ صرف ذکر جہر ہی عبادت ہے) اور ان لوگوں کو یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ (یہ عقیدہ رکھنا کہ صفت جہر ہی عبادت ہے، بدعت ہے) (فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الھدیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸ تا ۳۷۹)۔

مشہور محدث امام سیوطیؒ کے نزدیک حضرت ابن مسعودؓ کا اثر:

وہ فرماتے ہیں کہ: هذا الاثر عن ابن مسعود على تقدير ثبوته معارض بالاحاديث الكثيرة الثابتة المتقدمة وهي مقدمة عند المعارض: یہ اثر ابن مسعودؓ سے (اول تو ثابت ہی نہیں اور) اگر بالفرض والتقدير ثابت بھی ہو جائے تو یہ ثابت شدہ بہت سی احادیث سے جن کا بیان پہلے گزر چکا ہے متعارض ہے اور تعارض کی صورت میں انہی (احادیث مرفوعہ) کو ترجیح ہوگی (الجاوی للفتاویٰ، جلد ۲، ص ۳۹۴)۔

اس کے بعد امام سیوطیؒ نے اس اثر کی تردید کیلئے حضرت امام بن جنبلؒ کی کتاب ”الزہد“ سے حضرت ابووائل کی وہ روایت نقل کی ہے جو حضرت ابووائل نے ان لوگوں کی تردید میں فرمائی تھی جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لوگوں کو ذکر جہری سے منع فرمایا تھا، جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

اثر ابن مسعودؓ کے متعلق علامہ ھٹیؒ کی رائے:

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علامہ ھٹیؒ اپنے رسالہ فضل التسبیح والتہلیل میں لکھتے ہیں کہ: مانقل عن ابن مسعود غیر ثابت بدلیل مافی کتاب الزہد

۱۔ علامہ کروریؒ کے ان الفاظ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو.....

بالسند الی ابی وائل انه قال هؤلاء الذین یزعمون ان عبد اللہ بن مسعود کان ینہی من الذکر ماجالستہ مجلساً الا ذکر اللہ ای جہر : یہ جو عبد اللہ بن مسعود سے نقل کیا جاتا ہے ثابت نہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ کتاب الزہد میں سند کے ساتھ (خود حضرت عبد اللہ بن مسعود کے خاص شاگرد) ابو وائل سے منقول ہے کہ یہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ابن مسعود ذکر (یعنی ذکر جہری) سے منع کرتے تھے حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ) میں ان کے ساتھ جب بھی کسی مجلس میں بیٹھا تو وہ اس میں ذکر (یعنی ذکر جہری) کیا کرتے تھے (سباحت الفکر، ص ۷)۔

اثر ابن مسعود کے متعلق مشہور مفسر علامہ محمود آلوسی حنفی کی رائے:

وہ فرماتے ہیں کہ ؛ لا یصح عند الحفاظ من الائمة المحدثین و علی فرض صحته هو معارض ما یدل علی ثبوت الجہر منه رضی اللہ تعالیٰ عنہ مما رواہ غیر واحد من الحفاظ او محمول علی الجہر البالغ: (یہ اثر) حفاظ حدیث ائمہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں اور اگر بالفرض اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو خود ابن مسعود سے منقول ذکر بالجہر کی روایتوں سے (یہ روایت) معارض (اور ٹکراتی) ہے (جس کا قبول کرنا ہرگز صحیح نہیں) یا پھر یہ جہر بالغ (یعنی چلا چلا کر) ذکر پر محمول ہے (تفسیر روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۶۳)۔

اثر ابن مسعود کے متعلق شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی رائے:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی دیوبندی مجالس ذکر کے متعلق چند حدیثوں کو ذکر کر کے اس اثر کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ روایات اور ان کے ہم معنی شیخین وغیرہما کی مرفوعات صحیح ہیں ان کے مقابلہ میں داری کی وہ روایات جو آپ نے ذکر فرمائی ہے، کیا حیثیت رکھتی ہے جب کہ وہ موقوف ہے اور اس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہیں، اگر چہ ثقہ ہیں اس لئے اگر معارضہ کیا جائے گا تو احادیث مذکورہ بالا ہی کو ترجیح ہوگی، خصوصاً جب کہ اطلاق آیات ذکر ان کی مؤید ہیں، فَادْكُرُوا اللّٰهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ (الایہ، آل عمران) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝۱۰ وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (احزاب) وغیرہ جن سے اجتماع اور انفراد سب کا ثبوت ہوتا ہے، اور اگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہر دو صاحبوں نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ کی جو کہ زمانہ سعادت میں نہیں پائی گئی اور اس میں افراط و تفریط کا شائبہ تھا، اس بناء پر اس کو منع کیا نہ کہ نفس اجتماع بالذکر اور اس کی مباح کیفیات کو۔

خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمائیے، اس روایت میں قرأت قرآن پر بھی تو نکیر ہے، پھر کیا اس میں مطلقاً عمانت جاری ہو سکتی ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو کیا آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا؟ اور اگر اس میں کوئی تخصیص ایسی کیجائے جو کہ محض انکار ہو سکتی تو حلق ذکر میں کسی خاص کیفیت منکرہ پر یہ ممانعت محمول ہوگی واللہ اعلم۔ نگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند، ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۷۰ء (مکتوبات شیخ الاسلام، جلد دوم، ص ۴۰ تا ۶۴، مکتوب ۶)

اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو بندہ کے نزدیک اس کی ایک وجہ وہی معلوم ہوتی ہے جو کہ خود اس روایت سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ نماز فجر کے انتظار میں بیٹھے تھے اور بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے حالانکہ یہ وقت فجر کی سنتیں ادا کرنے اور نماز کے انتظار کا تھا جس میں ان کے ذکر کی وجہ سے انتشار اور لوگوں کی نمازوں میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا، واللہ اعلم۔

## امت مسلمہ کے ساتھ خیر خواہی:

کیا امت مسلمہ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف منسوب غیر صحیح یا محتمل اثر کو ذکر جہر اور مجالس ذکر کے خلاف بطور پروپیگنڈہ کے استعمال کیا جائے، جبکہ آجکل امت کے اکثر افراد پہلے ہی سے دینی کاموں، مجالس ذکر سے دور بھاگتے ہیں اور دنیا کی محبت فضول کھیلوں اور ٹی وی، وی سی آر وغیرہ نے ان کو ذکر الہی سے غافل کر دیا ہے اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح نماز ذکر وغیرہ سے چھٹکارا مل جائے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ہر اس شخص کی باتوں پر واہ واہ کہتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں، جو ان کو دینی کاموں سے آزاد کر دیتے ہیں، ایسے حالات میں تو امت مسلمہ کے ساتھ خیر خواہی یہ تھی کہ امت مسلمہ کو دینی اعمال پر ابھارتے ان کو ذکر اور مجالس ذکر کی ترغیب دیتے لیکن اس کے برعکس بعض لوگوں نے اسلام دوستی کے رنگ میں یہ رویہ اپنا رکھا ہے کہ جن لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دین اور یاد الہی کی طرف مائل ہو گئے ہیں ان کو وہ طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے ذکر الہی اور مجالس ذکر سے روکتے ہیں۔

## عوام کی اکثریت مرغوبات نفس کے ساتھ ہوتی ہے:

یہ لوگ اس پر خوش ہو رہے ہیں کہ عوام الناس میرے ساتھ ہیں، حالانکہ عوام الناس کی اکثریت اپنے نفس کی مرغوبات کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ ان کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ ان قصہ خوانوں اور خطیبوں پر لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے اور یہ لوگ سستے آسان اعمال پر جنت کا ٹکٹ دیتے ہیں یا یہ لوگ جوانوں کو بے عملی میں جنت کے باغ دکھاتے ہیں۔ مثلاً اگر لوگوں سے یہ کہا جائے کہ بیس (۲۰) رکعت تراویح بدعت اور آٹھ رکعت سنت ہیں تو



ایسی صورت میں وہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کے متفقہ اور تواتر عملی سے ثابت شدہ عمل کو تو چودھویں صدی کے "نیم ملا خطرہ ایمان" کے کہنے پر چھوڑ دیں گے اور اس کے برعکس اسی نام نہاد دین کے شیدائی کو اگر یہ کہہ دیا جائے کہ مروجہ بنک کی ملازمت ناجائز اور بنک کا منافع سود اور حرام ہے تو وہ ہرگز اس یقینی حرام اور سود یا تجارت وغیرہ میں خیانت کو چھوڑنے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ اسی حرام کو حلال بنانے کیلئے حیل بہانے ڈھونڈتا پھرتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ دین کے بجائے دنیا اور احکام الہی کے بجائے مرغوبات نفس کا شیدائی ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس کو دینی رنگ دے کر اپنے نفس کو بے دینی پر مطمئن کرتا ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ جو لوگ عوام الناس کو ذکر اللہ اور مجالس ذکر سے روکتے ہیں تو وہ کس قدر ظلم عظیم اور تباہ کن جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

## جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے روکے اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا:

بلاشبہ جو لوگ مختلف حیلوں و بہانوں سے لوگوں کو ذکر الہی سے روکتے ہیں وہ بہت بڑے ظالم ہیں آخر اس سے بڑھکر ظالم کون ہو سکتا ہے؟ جو دین کے نام پر لوگوں کو یاد الہی سے روکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا: اور  
اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روکے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرے (بقرہ ۱۱۴)۔

## شیطان کا اصل ہدف لوگوں کو ذکر الہی سے روکنا ہے:

شیطان کا اصل ہدف یہی ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روک دے اور ان کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دے، اس مقصد کے حصول کیلئے وہ طرح طرح کی کوششیں کرتا ہے وہ دنیا کی چیزوں اور حب الشہوات کو مزین کر کے ان میں لوگوں کو پھنساتا ہے، کھیل تماشے اور نشہ آور چیزیں بھی اس کے بہترین جال ہیں، جتنے شرکیہ عقائد اور شرکیہ افعال ہیں وہ لوگوں کو ان میں مبتلا کرتا ہے، اس لئے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مشکل کشا، حاجت روا بنائیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے بجائے مخلوق کی یاد میں مشغول ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ: شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض (وکینہ) ڈال دے اور تم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکے تو کیا تم اب بھی ان سے باز آ جاؤ گے (مائدہ ۹۱)۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اسْتَحْذَرُوا الشَّيْطَانَ فَانْزِلْهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ط أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ط لَا إِنَّ  
حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ: ان (منافقوں) پر شیطان مسلط ہو گیا ہے پس اس نے انھیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا ہے یہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں سن لو شیطان کی پارٹی  
بھی نقصان اٹھانے (اور برباد ہونے) والی ہے (سورۃ مجادلہ ۱۹)۔

## انسان کیلئے حفاظت کا قلعہ:

اس میں شک نہیں کہ انسان کا اصل محافظ اللہ تعالیٰ اور اس کی یاد ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی وہ قلعہ ہے جس میں انسان شیطان کے حربوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو شخص اس سے محروم ہو جائے وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، بلاشبہ اسلام نے زندگی کی تمام رفعت و عظمت کو ذکر الہی کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی انسان کو زندگی کی اصل حقیقتوں سے کبھی بے پرواہ نہیں ہونے دیتی۔ جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کبھی راہ حق سے بھٹک نہیں سکتا اگر کبھی کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد اس کو سنبھال لیتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوا اس کا دل ایک ویران جنگل بن جاتا ہے جس میں شیطان اپنا گھر بنا لیتا ہے اور اس کو ہوائے نفس کی راہ پر لگا کر تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

## مجالس ذکر کو فروغ دیجئے:

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خود بھی بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور یاد رکھیں اور اس کیلئے مجالس ذکر کو فروغ دیں اور ان مجالس کو غنیمت سمجھیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی یاد پیدا ہوتی ہے اور جن میں یاد الہی ترقی کرتی ہے اور وہ لوگوں کو غفلت سے نکال کر ان کے دلوں کو یاد الہی سے معمور کریں ان مجالس کی دو بڑی بڑی قسمیں ہیں۔ ایک قسم کی مجالس وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے اور ذکر اللہ اور نماز اور حسن معاملات اور حسن اخلاق وغیرہ کے فضائل اور آخرت جنت اور دوزخ وغیرہ کے بیانات اور تذکرے ہوتے ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کے طور طریقے اور مسائل سکھائے جاتے ہیں ایسی مجالس کو عام اصطلاح میں علمی اور تعلیمی مجالس یا مجالس علم کہتے ہیں اور مجالس کی دوسری قسم وہ ہے جن میں یاد الہی کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے، یہ مجالس اللہ تعالیٰ کے ذکر تہلیل و تسبیح وغیرہ کی مجالس ہیں ان کو عام اصطلاح میں مجالس ذکر کہتے ہیں۔ مجالس علم کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے ذکر کی طرف مائل کیا جاتا ہے اور انہی مجالس کے ذریعے بندوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔ اور ذکر اور مجالس ذکر کے ذریعے دلوں کی آبیاری ہوتی ہے اور ان کے ذریعے یاد الہی میں ترقی ہوتی ہے، اور ان کی وجہ سے ذکر الہی کو فروغ ہوتا ہے۔

## مجالس ذکر کے متعلق فقہاء اور علمائے اسلام کے اقوال و احوال

مجالس ذکر کا جواز و استحباب قرآن و حدیث سے اس قدر واضح اور ثابت ہے کہ کوئی عالم دین بھی اس کے جواز و استحباب سے انکار نہیں کر سکتا، البتہ مجالس ذکر کے ساتھ اگر کوئی ناجائز کام شامل ہو جائے تو وہ مجلس، مجلس ذکر نہیں بلکہ اس ناجائز کام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہے، جیسا کہ زمزم کے پورے مکے میں تھوڑی سی ناپاک چیز مثلاً پیشاب مل جائے تو اس ناپاک چیز کی وجہ سے پورا مکہ ناپاک ہو جاتا ہے، اسی طرح فقہاء و علماء کرام صرف اسی قسم کی مجلس ذکر کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس مجلس میں غلط اور ناجائز کام شامل ہو جاتا ہے۔

## حضرت حافظ ابن تیمیہؒ اور مجالس ذکر:

جیسا کہ حضرت حافظ ابن تیمیہؒ سے جب مسجد میں اجتماعی ذکر اور مجلس ذکر کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

الحمد لله الاجتماع على القراءة والذكر والدعاء حسن مستحب اذا لم يتخذ ذلك عادة راتبة كالاتماعات المشروعة ولا اقتن به بدعة منكورة: الحمد لله، قرأت قرآن اور ذکر و دعا پر جمع ہونا اچھا اور پسندیدہ عمل ہے جبکہ اس کو ایسی عادت مستقر نہ بنایا جائے جیسا کہ مشروع اجتماعات ہوتے ہیں، اور نہ اس اجتماع و مجلس کے ساتھ بدعت منکرہ اور برا کام شامل ہو جائے (فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۲۲، ص ۵۲۲)۔

اجتماعات مشروعہ سے مراد جمعہ اور عید جیسی نمازوں کے اجتماعات ہیں یعنی ان کے ساتھ فرض واجب اور مسنون اجتماعات جیسا معاملہ نہ کیا جائے اور بدعت منکرہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کی کوئی اصل شریعت مطہرہ میں موجود نہ ہو اور ان کو کارِ ثواب اور دین سمجھا جائے اسی طرح اگر کوئی مجلس لوگوں کی ایذاء کا سبب بن جاتی ہے تو یہ ایذاء و تکلیف دینا ناجائز ہے اور اس کی وجہ سے وہ مجلس بھی ناجائز ہوگی۔

## حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور مجالس ذکر:

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ:

لا شك ان اجتماع المسلمين راغبين ذاكرين يجلب الرحمة والسكينة ويقرب من الملائكة: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کا شوق و ذوق کے ساتھ جمع ہو کر ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت و سکینت کو کھینچتا ہے اور فرشتوں کے قریب کر دیتا ہے (حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، ص ۷۱)۔

## حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور مجالس ذکر:

حضرت مولانا عبدالحق لکھنویؒ اپنے رسالہ ”سبحة الفکر“ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ایک مضمون ان کے رسالہ ”توصیل المرید الی المراد“ فارسی سے عربی میں ترجمہ کر کے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

الجهر والاعلان بالذكر والتلاوة والاجتماع لذكر في المجالس والمساجد جائز و مشروع: پکار کر اور اعلان کے ساتھ ذکر و تلاوت اور ذکر کیلئے اکٹھا ہونا مجالس اور مساجد میں جائز اور مشروع ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحقؒ نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا اس سلسلہ میں مفصل اور مدلل مضمون نقل فرمایا ہے۔ (سبحة الفکر، ص ۳۰ تا ۳۱)۔

## حضرت علامہ خیر الدین رملی حنفیؒ اور مجالس ذکر:

فتاویٰ خیر یہ میں ہے کہ حضرت علامہ خیر الدین رملی حنفیؒ سے ایک طویل سوال کیا گیا اس میں مجالس ذکر سے متعلق جو سوال کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضرات صوفیہ کی یہ جو عادت ہے کہ ذکر کے حلقے مساجد میں قائم کر کے ذکر جہری کرتے ہیں۔ نسل در نسل یہ طریقہ ان کے ہاں چلا آ رہا ہے اس میں عارفانہ کلام اور قصائد بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں ان پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قصائد پڑھنا اور اونچی آواز سے ذکر کرنا مساجد میں جائز نہیں، تو کیا ان کا یہ اعتراض شریعت کے مطابق ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ”فاما حلق الذكر والجهر به وانشاد القصائد فقد جاء في الحديث ما يقتضي طلب الجهر نحو وان ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء خیر منه رواه البخاری و مسلم و ترمذی و النسائی و ابن ماجه و رواه احمد بنحوه باسناد صحيح..... الخ، باقی رہا یہ کہ ذکر کے حلقے اور جہری ذکر اور قصائد کا پڑھنا تو (ان کے متعلق) حدیث میں جو کچھ ہے اس سے ان کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ”وان ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء خیر منه“ اس کو بخاری مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور اسی طرح احمد نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے (الفتاویٰ الخیریہ علی ہامش تنقیح الحامیہ، جلد ۲، ص ۲۷۹ تا ۲۸۱)۔



## علامہ سیوطیؒ کی تحقیق:

حضرت علامہ حافظ سیوطیؒ اپنے رسالہ ”نتیجۃ الفکر“ کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ:

سألت اكرمك الله عما اعتاده السادة الصوفيه من عقد حلق الذكر والجهر به في المساجد ورفع الصوت بالتهليل وهل ذالك مكروه اولاً: الله تعالى تمهين عزت دے تم نے سوال کیا ہے کہ حضرات صوفیہ کی یہ جو عادت ہے کہ وہ مساجد میں ذکر کے حلقے منعقد کرتے ہیں اور ان میں ذکر جہری کرتے ہیں اور اونچی آواز سے ”لا الہ الا اللہ“ پڑھتے ہیں تو کیا یہ مکروہ ہے یا مکہ نہیں؟

(الجواب) انه لا كراهة في شيء من ذالك وقد وردت احاديث تقتضي استحباب الجهر بالذكر واحاديث تقتضي استحباب الاسرار به والجمع بينهما ان ذالك يختلف باختلاف الاحوال والاشخاص كما جمع النووي بمثل ذالك ..... الخ: اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں سے کسی چیز میں کوئی کراہت نہیں بلکہ بعض ایسی حدیثیں ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ ذکر جہری مستحب ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن کا تقاضا ہے کہ سری اور خفیہ ذکر مستحب ہے اور ان دونوں قسم کی حدیثوں میں جمع اس طرح ہوگا کہ یہ اختلاف مختلف اشخاص اور مختلف احوال کے لحاظ سے ہے جیسا کہ (حضرت امام) نوویؒ نے اس طرح جمع کیا ..... الخ (الحاوی للفتاوی، جلد ۲ ص ۳۸۹ تا ۳۹۷)

## مساجد وغیرہ میں ذکر جہری کے حلقے بالاتفاق جائز ہیں:

بہر حال مساجد وغیرہ میں ذکر جہری کے حلقے اور مجالس بالاتفاق جائز ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ اپنی کتاب ”رد المحتار“ المعروف بالشامی میں لکھتے ہیں کہ:

وفي حاشية الحموي عن الامام الشعراي اجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا أن يشوش جهرهم على نائم او مصل او قاري: اور حاشیہ حموی میں حضرت امام شعرائیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ سلف وخلف (متقدمین اور متاخرین تمام) علماء کا مساجد اور دوسری جگہوں میں مجالس ذکر کے مستحب ہونے پر اجماع (اور اتفاق) ہے سوائے اس صورت کے کہ ذکرین کا جہر کسی کے آرام یا نمازی کی نماز یا کسی کی قرأت (اور بیان) میں خلل ڈالے (تو ایسی صورتوں میں ذکر جہری جائز نہیں) (رد المحتار المعروف بالشامی، جلد ۱ ص ۴۴۴)۔

## علمائے دیوبند کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ

بعض لوگ اکابر علمائے دیوبند کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ (العیاذ باللہ) ذکر و درود شریف اور مجالس ذکر کے مخالف ہیں۔ یہ ان پر افتراء اور بہتان ہے۔ حضرات علمائے دیوبند صرف ذکر جہر اور مجالس ذکر اور درود شریف کے جواز و استحباب کے قائل ہی نہیں بلکہ وہ ہمیشہ ذکر و درود شریف اور مجالس ذکر کو عملی جامہ بھی پہناتے رہے ہیں۔ اگرچہ ان کے قول و فعل سے اس کا جواز و استحباب خوب واضح ہے تاہم اس کے متعلق ان حضرات کے کچھ اقوال اور احوال نقل کرتا ہوں تاکہ عام لوگ بھی کسی غلط فہمی کے شکار نہ ہوں۔ اب اس کے متعلق ان حضرات کے اقوال اور احوال کو پڑھ لیجئے۔

## حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجلس:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ سے سوال کیا گیا کہ مسجد کے اندر حلقہ ذکر کرنا درست ہے؟ تو جواب میں انہوں نے فرمایا:

مسجد کے اندر حلقہ ذکر منعقد کرنا مباح ہے بشرطیکہ کسی نمازی کی نماز یا کسی سونے والے کی نیند میں خلل انداز نہ ہو اور ذکر بھی زیادہ شور و شغب اور افعال مکروہہ پر مشتمل نہ ہو (کفایت المفتی، جلد ۳ ص ۱۶۴)۔

## حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق:

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے سوال کیا گیا کہ طریق شاذلیہ میں ذکر جلی بافراط لوگوں کو لے کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ حضرت تھانویؒ نے اس سوال کا مفصل جواب دیا ہے، اور اس پر پوری بحث مباحثہ کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

پس بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور وہیت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع، حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہو ہر طور سے جائز ہے (امداد الفتاوی، جلد ۵ ص ۱۵۱ تا ۱۵۴)۔

## امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مسجد کے اندر ذکر جہر:

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ذکر جہری کے متعلق فتویٰ ذکر جہری کے باب میں گزر چکا ہے اور حضرت اقدس خود بھی آخر عمر تک ذکر بالجہر کرتے تھے۔ حضرت مولانا عاشق میرٹھیؒ نے ان کا ابتدائی بیعت کا واقعہ لکھا ہے جبکہ وہ شیخ المشائخ امیر المؤمنین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے۔ اس کا خلاصہ یہ

ہے کہ حضرت اقدس حاجی صاحبؒ نے جب آپ کو ذکر جہر بارہ تسبیح تلقین و تعلیم کیا تو آپ اٹھے اور وضو کیا اور مسجد میں تشریف لے گئے ایک گوشہ میں اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اپنے کام میں مشغول تھے دوسرے گوشے میں آپ جا کھڑے ہوئے اور تہجد کے نوافل پڑھنے کے بعد ذکر نفی و اثبات بالجہر شروع کر دیا، آگے حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ:

آخر میں نے ذکر بالجہر شروع کیا گلا اچھا تھا بدن میں قوت تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت حاجی صاحبؒ فرمانے لگے کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشتاق کرنے والا ہو۔ اس دن سے ذکر جہر کے ساتھ مجھے محبت ہو گئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی (تذکرۃ الرشید، ص ۲۸ تا ۲۹)۔

## گنگوہ شریف کی خانقاہ:

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریاؒ اپنی کتاب ”شریعت و طریقت کے تلازم“ کے ابتدائی صفحہ میں فرماتے ہیں کہ:

قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے دور میں ان کے مریدوں میں معمولی سے معمولی اور ان پڑھ بھی تبع سنت تھے۔ میں نے بہت سے بالکل ان پڑھ لوگوں کو دیکھا کہ تہجد کے ایسے پابند تھے کہ بعض بڑوں کو بھی ایسا کم دیکھا۔ اور طریقت کا حال یہ تھا کہ حضرت قدس سرہ کی خانقاہ کے قریب جو عام گڑھا ”تالاب“ مشہور ہے اس میں پچاس ساٹھ دھوبی آخر شب میں کپڑے دھویا کرتے تھے وہ بجائے مختلف آوازوں کے ”اللہ اللہ“ کی صدائیں لگایا کرتے تھے (شریعت و طریقت، ص ۳ تا ۴)۔

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم اپنے رسالہ ”مساجد میں مجالس ذکر جہری کا استنباب“ میں لکھتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سے اس سیاہ کار نے ایک بیان میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ گنگوہ کی خانقاہ کے پاس ہی ایک جوہڑ (تالاب) تھا جس کی دوسری طرف ایک مسجد تھی اس مسجد میں حضرت مولانا محمد بیگیؒ کا ندھلویؒ کا اپنے تلامذہ و متعلقین کیساتھ قیام تھا، رات کو نصف شب کے بعد سے خانقاہ سے بھی ذکر جہری شروع ہو جاتا اور حضرت مولانا بیگیؒ والی مسجد سے بھی جس کے اثر سے پوری فضا لا الہ الا اللہ، ..... الا اللہ اور اللہ اللہ کی ضربوں سے گونج اٹھتی تھی جس کے نتیجے میں جوہڑ (تالاب) میں موجو دھوبی بھی اس ذکر جہری سے متاثر ہوئے اور ان کا دائمی معمول بھی یہ بن گیا کہ جب کپڑا پتھر پر مارتے تو مارتے ہوئے زبان سے ضرب کے ساتھ اللہ اللہ کا نعرہ لگاتے (مساجد میں مجالس ذکر جہری کا استنباب، ص ۳۹ تا ۴۰)۔

## بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ کا ذکر جہری:

حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ ایک مرید کو اس کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ذکر کی مقدار تم نے بہت غلط لکھی ہے۔ لا الہ الا اللہ دو تسبیح پھر ”الا اللہ“ چار تسبیح پھر ”اللہ اللہ“ چھ تسبیح سب میں قوت و ہمت اور تعظیم اور حلاوت ملحوظ خاطر تونی ضروری ہے ہمیشہ مواظبت رہے ترک نہ ہو (ارشادات و مکتوبات، بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ، ص ۱۳۵)

نیز حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے فرمایا) ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینا چاہئے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے۔ لہذا نکلنے کے زمانہ میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ علم و ذکر میں مشغولیت اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت و نگرانی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کا علم و ذکر، اللہ کے زیر ہدایت تھا اور صحابہ کرامؓ، رسول اللہ ﷺ سے علم و ذکر کر لیتے تھے اور حضور ﷺ ان کی پوری پوری نگرانی فرماتے تھے۔ اسی طرح ہر زمانہ کے لوگ اپنے بڑوں سے علم و ذکر لیا کرتے اور ان کی نگرانی اور رہنمائی میں تکمیل پاتے۔ ایسے ہی آج بھی ہم اپنے بڑوں کی نگرانی کے محتاج ہیں ورنہ شیطان کے جال میں پھنس جانے کا بڑا اندیشہ ہے۔

حضرت اقدس مولانا محمد الیاسؒ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بیعت ہو گئے تھے اور ان کی وفات کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بیعت ہوئے اور ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ وہ خود بھی بارہ (۱۲) تسبیح ذکر جہری کرتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی یہی ذکر بتاتے تھے اور تبلیغی جماعت والوں کو بھی یہی ترغیب دیتے تھے کہ وہ یہ ذکر اس راہ کے بڑوں سے سیکھیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اپنی کتاب ”تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات“ میں فرماتے ہیں کہ: ”حضرت دہلویؒ کے ایک مکتوب کے چند فقرے نقل کرتا ہوں جو میوات کے کارکنوں کے نام لکھا گیا اور حضرت دہلوی کے مکاتیب میں طبع شدہ ہے۔

میرے دوستو اور عزیزو! تمہارے ایک ایک سال دینے کی خبر سے جو ابھی سے مسرت ہو

۱۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ملفوظات شاہ محمد الیاسؒ، ص ۹۳، دارالاشاعت بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر ۱۔

۲۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ”حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت“ مؤلف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔

۳۔ حضرت دہلوی سے مراد حضرت مولانا محمد الیاسؒ ہیں۔



رہی ہے وہ تحریر سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور توفیق مزید عطا فرمائے میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

- اپنے اپنے حلقے کے ان لوگوں کی فہرست جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب ۱۔ کو لکھیں کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

- دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں۔

- ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہے۔

- تم خود بھی ذکر و تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں اگر نہیں تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر نادم ہو کر شروع کر دو، الف سے مراد یہ ہے کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی گئی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کیا ہے، ہر شخص سے دریافت کر کے نمبر وار تفصیل سے لکھو۔

- اپنے مرکزوں سے ہر نمبر کے متعلق نمبر وار تفصیل کے ساتھ کارگزاری میرے اور شیخ الحدیث صاحب کے پاس روانہ کرنے کا اہتمام ہو۔

- جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائے پور جا کر گذاریں۔

- میرے دوستو! تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے۔ ذکر۔ تعلیم اور تبلیغ، یعنی تبلیغ کیلئے باہر نکالنا اور ان کو ذکر و تعلیم کا پابند کرنا (تبلیغی جماعت پر

اعتراضات کے جوابات، ص ۲۹ تا ۳۰، بحوالہ مکاتیب)۔

یہاں دو باتوں کی تشریح ضروری سمجھتا ہوں ایک یہ کہ بارہ (۱۲) تسبیح سے مراد چشتیہ کا نصاب ذکر ہے اور یہ بارہ تسبیح جہر اور ضرب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس کا ذکر حضرت اقدس مولانا محمد الیاسؒ کے مکتوب میں بھی گذر چکا ہے، وہ یہ ہیں۔

دوسو مرتبہ ”لا الہ الا اللہ“

چار سو مرتبہ ”الا اللہ“

چھ سو مرتبہ ”اللہ اللہ“

۱۔ شیخ الحدیث سے مراد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ ہیں۔

دوسری بات کہ رائے پور کے چلے سے مراد یہ ہے کہ وہ رائے پور کی خانقاہ جو کہ مجلس ذکر کا مرکز تھی اس ماحول میں چالیس دن گذاریں۔

**بنگلہ والی مسجد مرکز تبلیغ میں ذکر جہر اور مجلس ذکر:**

امام المجاہدین حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم اپنے رسالہ ”مجالس ذکر جہری“ میں فرماتے ہیں کہ:

جن لوگوں نے امام التبلیغ اسوۃ السلف الصالحین حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب

کاندھلویؒ کا زمانہ دیکھا ہے ان سے اس سیاہ کار نے بالتواتر سنا کہ بنگلہ والی مسجد ”مرکز

تبلیغ“ میں ہمیشہ معمول تھا کہ لوگ آخر شب میں عموماً سب اٹھ کر تہجد کے نوافل میں مشغول

ہو جاتے اور فجر کی اذان سے تھوڑی دیر قبل سے لیکر فجر کی جماعت کھڑی ہونے تک (جو کہ

اسفار میں ہوتی تھی) اکثر لوگ مسجد میں اور باہر صحن میں اور برآمدے میں ذکر جہری میں

عموماً مشغول ہو جاتے۔ یہ منظر تو اس سیاہ کار نے خود بھی ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء میں دیکھا ہے

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے زمانہ میں کہ فجر کی اذان سے لیکر فجر کی

جماعت کھڑے ہونے تک دہلی مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں کافی لوگ اپنی اپنی جگہ

بیٹھے ذکر جہری میں مشغول رہتے تھے ان میں سے کچھ مسجد کے اندر ہوتے تھے اور کچھ باہر

مگر ان سب کی آواز سے مسجد اور اس کے باہر کا سارا حصہ ذکر جہری سے گونجتا رہتا تھا

(مجالس ذکر جہری، ص ۴۱ تا ۴۲)۔

**مسجد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون:**

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ماہنامہ ”البلاغ“، کراچی جلد ۳۴ جمادی

الاولیٰ، ۱۴۳۰ھ میں ایک مضمون بعنوان ”خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون“ مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ کا چھپا

ہے جس میں حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زمانہ میں خانقاہ کے مختلف حالات و کوائف

تفصیلاً ذکر فرمائے ہیں اس مضمون میں ایک ذیلی عنوان قائم فرمایا ہے۔ ”معمولات اہل خانقاہ“ اس میں حضرت

مفتی عبدالرؤف صاحب فرماتے ہیں:

نماز فجر کے بعد لوگ مسجد میں وظیفہ پڑھتے رہتے تھے۔ اور کچھ اہل خانقاہ اور طالب علم

کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور کچھ لوگ ذکر جہری میں محو ہوتے تھے پھر

سورج نکلنے پر مدرسہ شروع ہوتا تھا۔

شفیق الامت حضرت حاجی محمد فاروق صاحب سکھرویؒ اپنے رسالہ ”مجالس ذکر“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت تھانویؒ جب نماز تہجد کے بعد ذکر فرماتے تھے تو حضرت کے ساتھ ساتھ حضرت خواجہ صاحبؒ اور دوسرے حضرات بھی ذکر شروع کر دیا کرتے تھے اور آپ اس سے منع نہیں فرمایا کرتے تھے (مجالس ذکر، ص ۳؛ تفصیل کیلئے دیکھئے مجالس ذکر جہری)۔

## حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ اکابر کا ذکر بالجہر:

ذکر جہری کے متعلق حضرت حسین احمد مدنیؒ کی رائے کا بیان پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ وہ مسجد میں ذکر جہری کو جائز سمجھتے ہیں یہاں ان کا اور دوسرے اکابر کا عمل بھی ملاحظہ کیجئے۔

چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں؛ ہمارے اکابر حضرت گنگوہیؒ، حضرت رائے پوریؒ، چچا جان اور حضرت مدنیؒ وغیرہ اکابر ذکر بالجہر اخیر زمانہ تک جبکہ شیخ المشائخ بن چکے تھے کیا کرتے تھے اور پوچھنے پر فرماتے تھے کہ جس چیز سے ہم یہاں تک پہنچے اس کو چھوڑ دیں؟ (حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اور ان کے خلفاء کرام، تالیف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ص ۵۱۶ حصہ اول)۔

## حضرت مدنیؒ وغیرہ اکابر کا لوگوں کو ذکر بالجہر سکھانا:

حضرت مولانا مدنیؒ اور اکابر علمائے دیوبند اپنے متعلقین کو چشتیہ کے مشہور اور معروف بارہ (۱۲) تسبیح ذکر جہری سکھایا کرتے تھے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے حضرت تھانویؒ کی کتاب شریعت و طریقت، (صفحہ ۲۷۰ تا ۲۷۳) نیز اس کا بیان پہلے صفحات میں بھی گذر چکا ہے۔ اور یہ تمام حضرات ذکر کا جو طریقہ سکھاتے تھے وہ مفہوم کے لحاظ سے ایک ہی تھا لیکن یہاں حضرت مدنیؒ کا تعلیم کردہ طریقہ ذکر نقل کر دیتا ہوں اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم نے مندرجہ ذیل طریقہ خود راقم الحروف کو لکھ کر دیا ہے۔

ذکر سے پہلے درود شریف ۳ بار، الحمد شریف ۳ بار، سورہ اخلاص ۱۲ بار پھر درود شریف ۳ بار پڑھ کر اپنے مشائخ طریقتؒ کی ارواح مقدسہ کو اس کا ثواب پہنچایا جائے اور دعا کی جائے کہ اے اللہ تبارک و تعالیٰ انکے طفیل میرے قلب کو غیر اللہ سے پاک فرما اور اپنے نور معرفت سے منور فرما۔

لا الہ الا اللہ	=	۲۰۰ مرتبہ
الا اللہ	=	۴۰۰ مرتبہ
اللہ اللہ	=	۶۰۰ مرتبہ
اللہ	=	۱۰۰ مرتبہ (کل ۱۳ تسبیحات)

قلب بائیں پستان کے نیچے ہے، سر کو اس طرف جھکا کر قلب سے لا الہ نکالتا ہوا دائیں مونڈھے پر لے جائے اور یوں خیال کرے کہ جملہ ماسوا کو میں نے قلب سے نکال کر پس پشت ڈال دیا پھر وہاں سانس کو توڑ کر لا الہ کی ضرب قلب پر لگائی جائے گویا کہ لوہار ہتھوڑے سے ضرب لگاتا ہے اور یوں خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو میں نے قلب کے اندر گاڑ لیا۔ لا الہ الا اللہ کے معنی کوئی میرا محبوب نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کیونکہ جو معبود ہوتا ہے محبوب ہوتا ہے۔ اس کے بعد قلب پر لا الہ کی ضرب لگائی جائے، سر کو دائیں مونڈھے کی طرف نہ لے جایا جائے بلکہ سر کو اٹھا کر قلب پر ضرب لگائی جائے اور خیال یوں رہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں گاڑ رہا ہوں۔ پھر اللہ کی ضرب لگائی جائے یعنی پہلے اسم اللہ پر ضرب ہو اور دوسری مرتبہ بغیر ضرب اسکے ساتھ کہا جائے۔ دوسری مرتبہ یعنی اللہ کو ایک بار شمار کر کے ۶ تسبیح پوری کی جائے۔ بعد ازاں ۱۰۰ مرتبہ اسم ذات باری تعالیٰ "اللہ" کا ذکر اسی طریقہ اور خیال پر کیا جائے۔ روزانہ ۲۴ گھنٹہ میں ایک مرتبہ ایک ہی جلسہ میں با وضو قبلہ رُو، دوزانوں یا چارزانوں بیٹھ کر یہ ذکر کیا جائے بہتر تو یہ ہے کہ آخر شب میں کیا جائے۔ ورنہ اگر اس وقت نہ ہو سکے تو بعد نماز فجر، ظہر، عصر یا مغرب کسی وقت کر لیا جائے (تلقین فرمودہ شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز، مورخہ ۱۰ جمادی الاولیٰ، ۱۳۵۵ء)۔ احقر محمد عبدالغنی غفرلہ

## شیخ الہندؒ کی ذکر جہری کی تلقین و تعلیم:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے اور انہی سے آپ کا اصلاحی تعلق تھا اور ان کی طرف سے آپ کو چاروں سلسلوں میں اجازت بیعت تھی، لیکن معروف و معمول بہا ان حضرات میں سلسلہ چشتیہ ہے اور حضرت شیخ العرب والعجم مرشد العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے بھی بذریعہ والا نامہ کے اجازت و خلافت عطا فرمائی تھی۔ بہر حال بالواسطہ اور بلاواسطہ آپ کا سلسلہ ارشاد حضرت حاجی صاحبؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ بھی اپنے ان مریدین کو جو باقاعدہ ذکر و شغل جاری رکھنا چاہتے ان کو دوازدہ تسبیح یعنی سلسلہ چشتیہ کے بارہ تسبیح جہری ذکر تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ (حیات شیخ الہندؒ، ص ۲۴۶ تا ۲۴۸)۔

## سراج الاولیاء حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دینپوریؒ اور مجالس ذکر:

حضرت مولانا حافظ نثار احمد الحسینی صاحب زید مجدہم اپنے مضمون مجالس ذکر میں تحریر فرماتے ہیں کہ؛ آپ اکابر اولیاء اللہ میں سے گذرے ہیں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں آپ



نے مثالی کردار ادا کیا، آپ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی مرشد تھے۔ حضرت مدنیؒ کو آپ نے اپنے سلسلہ میں خلافت سے نوازا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ آپ کے دامن فیض سے وابستہ تھے اور آپ کے خلیفہ مجاز تھے آپ کی خانقاہ دینپور میں روزانہ مجلس ذکر ہوتی تھی۔ آپ کی سوانح حیات میں حاجی عبیدی دینپوریؒ لکھتے ہیں؛ بعد از نماز مغرب (عشاء سے قبل) حضرت روزانہ طریقہ قادریہ کے مطابق مسجد میں ذکر جہر کی مجلس منعقد فرمایا کرتے تھے، جسے حلقہ ذکر کہا جاتا ہے اس میں خود بھی شامل ہوتے اور یہ سلسلہ سفر و حضر میں ہر جگہ بدستور جاری رہتا یہ مجلس تقریباً بیس پچیس منٹ کی ہوتی تھی۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ایک تسبیح ذکر کی، کی جاتی ذکر کے اختتام پر تھوڑی دیر مراقبہ اور پھر دعا ہوتی (ید بیضاء)۔

**امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مجالس ذکر:**  
حضرت مولانا حافظ ثار احمد الحسینی زید مجدہم اپنے مضمون میں آگے لکھتے ہیں کہ:

حضرت لاہوریؒ اس دور کے اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے دین و سیاست ہر شعبہ میں آپ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الخیرۃ والسلام کی رہنمائی فرمائی۔ آپ طریقت میں حضرت خلیفہ غلام محمد دینپوریؒ سے مجاز تھے، ہزار ہا علماء، صلحاء حضرت لاہوری کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے۔ اپنے شیخ کے طرز پر آپ ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب ذکر بالجہر کا اہتمام فرماتے تا عمر آپ نے اس پر مواظبت فرمائی۔ اور اپنی اجازت سے جگہ جگہ ذکر کی مجالس قائم کروائیں۔ آپ کے سلسلہ عالیہ میں الحمد للہ آج بھی پاک و ہند کے علاوہ عرب اور یورپین ممالک میں خانقاہیں قائم ہیں اور مجالس ذکر کا اہتمام جاری ہے..... الخ۔

**شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ:**

مرشدی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شخصیت پوری دنیا میں سورج کی طرح نمایاں ہے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں حضرت اقدسؒ کی شخصیت جانی پہچانی نہ ہو۔ وہ شریعت و طریقت کے امام تھے، علماء و مشائخ کے مرجع و مقتداء تھے، وہ تبلیغی جماعت اور مدارس کے سرپرست تھے اور پوری دنیا میں ان کا علمی اور روحانی فیض پھیلا اور پھیل رہا ہے۔ آپ کے فضائل و کمالات، اخلاق و عادات تعلیمات و افادات اور آپ کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عشق و محبت اور دلسوزی پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور ان کی سوانح حیات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یقیناً جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا عاشق اور سچی محبت رکھنے

والا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور درود شریف اور اس کے پھیلاؤ سے بھی محبت اور گہرا تعلق رکھے گا۔ یہاں اس جامع شخصیت کی ذکر اور درود شریف سے عشق و محبت اور اس کے پھیلاؤ سے عشق و محبت کو ملاحظہ کیجئے۔  
مدارس میں کس چیز کی کمی سے نقصان آیا؟

دوسرے حضرات کی طرح مولانا تقی الدین ندوی مظاہری نے بھی حضرت شیخ کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور یہ ملفوظات حضرت شیخ الحدیثؒ کی حیات میں ”صحبتے باولیاء“ کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ اس کی انیسویں مجلس میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا ارشاد ہے کہ ”آج ہمارے مدارس میں ساری اسٹرائیک وغیرہ سب اسی خانقاہی زندگی کی کمی سے پیش آرہی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اگر زمین میں اللہ اللہ کہنے والے ختم ہو جائیں تو قیامت آجائیگی۔ اللہ کا نام خواہ کتنی ہی بے توجہی سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا۔ اللہ اللہ کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ۔ اللہ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائے گا وہاں فتنہ نہ ہوگا۔ اللہ کا ذکر حوادث و فتن میں سد سکندری ہے پہلے زمانے میں دورہ حدیث میں طلبہ کی ایک تعداد ذکر ہوا کرتی تھی“ (صحبتے باولیاء، ص ۱۲۴)۔

مصائب اور فتن کا علاج:

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنے مضمون میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں؛ میرا یقین ہے کہ فتن کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اسی جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں میں پھر رہا ہوں (حیات شیخ الحدیثؒ، ص ۱۷۳)۔ حضرت شیخ نے فرمایا؛ تجربہ ہے کہ ذکر اور درود شریف کی جتنی کثرت ہوگی امن و امان پیدا ہونے اور مصائب کے رفع کا ذریعہ ہے (حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، ص ۴۰۰)۔

**حضرت شیخ الحدیثؒ اور مجالس ذکر**

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ آخری عمر میں ذکر کی لائن کو زندہ کرنے اور خانقاہوں کے فروغ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوئے تھے، آپ پر یہ بات اچھی طرح کھل گئی تھی کہ ہر دینی شعبے میں انتشار اور فتنوں کا جو زور ہے اس کی وجہ اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی کمی ہے اور اس کا واحد علاج اصلاح و تربیت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت ہے۔ اس لئے حضرت اقدس سخت معذوری کے باوجود دور، دور ملکوں کا سفر کیا کرتے تھے اور حضرت اقدس کے سوز گداز نے دنیا کے ہر گوشے میں عشق الہی کے پروانوں کو پیدا کیا اور یہ بات اس قدر واضح ہے کہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ تاہم حضرت اقدسؒ کے ذکر جہر اور مجالس ذکر جہر کی متعلق بطور نمونہ چند شہادتیں پیش کر دیتا ہوں۔

## حضرت شیخ الحدیثؒ کی دارالعلوم فیصل آباد میں مجلس ذکر جہری:

رمضان، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسہ دارالعلوم، فیصل آباد میں تربیتی اور اصلاحی مجلس قائم فرمائی تھی اور بہت سے لوگوں نے رمضان المبارک کا پورا مہینہ اعتکاف کیا تھا۔ اس میں سینکڑوں مفتیان علماء اور مشائخ نے شرکت فرمائی جس میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹوکیؒ اور حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بھی تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بندہ (مختار الدین) کو بھی یہ سعادت نصیب فرمائی کہ اس مبارک روحانی اجتماع میں شامل ہوا۔ اس اجتماع میں ہزاروں لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔ تبلیغی مرکز رانیوٹ سے بھی اس میں شمولیت اور خدمت کیلئے جماعتیں بھیجی جاتی تھیں۔ حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب اور حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم بھی حضرت اقدسؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ اور اس تربیتی اور روحانی اجتماع میں ٹل شہر کے مرکزی امیر حاجی ولی شاہ صاحب بھی شریک تھے۔

غرض یہ ہے کہ آج بھی اس روحانی اجتماع کے عینی گواہ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں اور یہ سب اس پر گواہ ہیں کہ اس روحانی اجتماع میں روزانہ نماز ظہر کے بعد مجلس ذکر جہری ہوتی تھی اور اس ذکر جہری میں حضرت اقدس مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب اور حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب وغیرہ جیسے جید مفتیان اور علمائے کرام بھی موجود ہوتے تھے بلکہ خود ذکر جہر کرتے تھے۔

حضرت شیخ کے اسی رمضان کے بارے میں حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل مین خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیثؒ لکھتے ہیں کہ: کئی سال سے اہل پاکستان کا اصرار تھا کہ حضرتؒ ایک رمضان پاکستان میں گزاریں کہ ہندوستان یا حرمین شریفین جانا سب پاکستانیوں کے بس میں نہیں تھا، قانونی یا مالی دشواریاں حاصل تھیں، زیادہ تقاضا مفتی زین العابدین صاحب کا تھا کہ رمضان ان کے مدرسہ کی مسجد میں گزارا جائے (کتاب قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کا ندہلوی، ص ۵۸)۔

اس روحانی و تربیتی اجتماع کے بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اپنے مضمون بصائر و عبر میں لکھتے ہیں کہ:

بارہ بجے فیصل آباد پہنچے اور حضرت مفتی زین العابدین صاحب مدظلہ العالی کے دارالعلوم فیصل آباد (پیپلز کالونی نمبر ۲) میں قیام رہا۔ با توفیق وسعادت حضرات ماہ مبارک شروع ہونے سے پہلے ہی وہاں پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ جو حضرات شروع رمضان ہی سے معتکف تھے ان کی تعداد دوسو کے قریب تھی اور آخری عشرہ میں معتکفین کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہو گئی، غیر معتکف حضرات شروع میں پانچ سو کے قریب تھے اور آخری عشرہ میں

ان کی تعداد پندرہ سو سے بڑھ گئی تھی۔ روزانہ سینکڑوں آدمیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا اس ناکارہ کا عزم پورے ماہ مبارک کے حاضری کا تھا لیکن اپنے بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر یہ آرزو تو پوری نہ ہو سکی، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آخری عشرہ کے اعتکاف کی توفیق عطا فرمادی۔ وہاں انوار و برکات کا جو فیضان ہو رہا تھا اور رحمت و تجلیات کی جو بارش ہو رہی تھی۔ اس کا ادراک تو مجھ ایسے کور باطن کو کیا ہو سکتا ہے تاہم ظاہری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی منظر کشی بھی اس کوتاہ قلم کیلئے ممکن نہیں۔

گر مصور صورت آں دستان خواہد کشید

لیکن حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

اس منظر کو دیکھتے ہی جو پہلانا اثر قلب پر نقش ہوا وہ یہ تھا کہ گویا نور کا ایک دریا بہہ رہا ہے اور خدا تعالیٰ کے سعادت مند بندے حسب توفیق اس کی غواصی میں مصروف ہیں۔ من مقل او من مکثر۔ ذکرین کے بارے آنحضرت ﷺ کا جوار شاد گرامی ہے: لا یقعہ قوم یذکرون اللہ الا حفتہم الملائکۃ و غشیتہم الرحمة و نزلت علیہم السکینۃ و ذکرہم اللہ فی من عندہ: جب کچھ لوگ ذکر الہی کیلئے بیٹھتے ہیں تو فرشتے ان کا گھیرا ڈال لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے۔ سکینت ان پر نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس کے فرشتوں سے فرماتے ہیں (متفق علیہ مشکوٰۃ، ص ۱۹۶)۔ اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا تھا جسے دیکھ کر مجھ جیسے رُوسیاہ کو بھی مغفرت کی آس بندھتی تھی۔ ماہ مبارک کے انوار و تجلیات کا شاب تھا۔ شبانہ روز ذکر و تلاوت کے انوار متعاکسہ فضا کو معمور و متور کر رہے تھے اور حضرت شیخ مدظلہ العالی کی صحبت مردہ دلوں کی مسیحائی کر رہی تھی۔

نظروں سے بھردی رگ و پے میں بجلی

نظر دیدہ برق تپاں ہو رہا ہے

اس سہ آتشہ شراب محبت سے پورا مجمع مست و مخمور نظر آتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ ساری دنیا

یہاں سٹ آتی اور اس دولت بے بہا کی بہاریں ٹوٹ لے جاتی۔

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں درنی آید سواراں راچہ شد

حضرت شیخ مدظلہ العالی کے پورے رمضان مبارک کا روزنامہ مولانا عبدالحفظ صاحب (نزہیل مدینہ) نے قلمبند

کیا ہے۔ یہاں شب و روز کے معمولات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔



افطار کے دس منٹ بعد اذان ہوتی تھی، نماز کے پندرہ منٹ بعد دسترخوان لگ جاتا، معتکفین کیلئے سحری و افطاری کا انتظام مسجد میں ہوتا تھا اور غیر معتکفین کیلئے مسجد سے باہر مدرسہ کے صحن میں۔ ساڑھے آٹھ بجے حضرت کے معتکف کا دروازہ کھلتا اور بیعت ہوتی، بیعت ہونے والے حضرات کا ہجوم مغرب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا اسی وقفہ میں بعض بچے قرآن کریم کے حفظ کا افتتاح بھی کرتے، اور پانی یا نمک پر دم کرنے والوں کا بھی خوب زور بندھتا۔ ۹ بجے عشاء کی اذان ہوتی اور ساڑھے نو بجے نماز شروع ہوتی۔ تراویح مولانا سلمان صاحب زید مجدہ نے (جو حضرت شیخ مدظلہ کے عزیز ہیں) پڑھائیں، جو خوب صاف اور تیز پڑھتے ہیں۔ ساڑھے دس بجے کے قریب نماز سے فراغ کے بعد سورۃ یسین شریف پڑھی جاتی اور طویل دعا ہوتی (جو معمولاً مولانا عبدالحفیظ صاحب کے ذمہ تھی) دعا میں پوری امت کیلئے خیر و رشد، دنیا و آخرت کی بھلائی اور ہدایت و توفیق مانگی جاتی، حضرت مدظلہ العالی کے حکم سے حریم شریفین کی تمام فتنوں سے حفاظت کی دعا کا بہت ہی اہتمام ہوتا۔ دعا سے فراغت کے بعد پہلے درود و سلام کی چہل حدیث پڑھی جاتی (معمولاً یہ مولانا معین الدین صاحب مراد آبادی کے ذمہ تھی اور وہ اپنے مخصوص انداز میں درود و سلام اس طرح پڑھتے کہ سننے والوں کو بھی وجد آ جاتا۔ ستائیسویں شب کو وہ تشریف لے گئے تو ان کے بعد جناب مولانا احسان الحق صاحب رائے ونڈ والوں کے ذمہ رہی) اور پھر کتاب فضائل درود شریف پڑھی جاتی، رات ساڑھے گیارہ بجے تک یہ سلسلہ رہتا، اس کے بعد بعض حضرات آرام کرتے اور بعض تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ مسجد کا صحن اسی مقصد کیلئے خالی رکھا گیا تھا۔ پانچ سات جگہ قرآن مجید سنا جا رہا تھا اور بہت سے حضرات اپنی تلاوت فرماتے۔

رات دو بجے سحری کیلئے دسترخوان لگ جاتا اور سوادو بجے سونے والوں کو سحری کیلئے اٹھا دیا جاتا، گویا تہجد اور کھانا بیک وقت چلتے۔ وقت سحر ختم ہو جانے پر اذان ہوتی، اور اس کے دس منٹ بعد نماز، فجر کی نماز میں قنوت نازلہ ہوتی، جس میں افغانستان کے علاوہ حریم شریفین کی حفاظت کیلئے بطور خاص دعا ہوتی، نماز فجر کے بعد نئے آنے والے یا رخصت ہونے والے مہمان حضرت شیخ مدظلہ سے مصافحہ کرتے جس کا سلسلہ کم و بیش آدھ، پون گھنٹے تک جاری رہتا (آخری ایام میں ہجوم بہت بڑھ گیا تھا)۔ نماز فجر کے بعد اکثر حضرات آرام کرتے، ساڑھے آٹھ بجے کے قریب اٹھ کر اپنے انفرادی معمولات

میں مشغول ہو جاتے۔ گیارہ بجے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ العالی کی سلوک و تصوف کے موضوع پر آدھ گھنٹہ کے قریب تقریر ہوتی۔ (بعض حضرات نے ان تقریروں کا خلاصہ قلمبند بھی کیا اور کچھ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کی گئیں)۔

دو بجے ظہر کی اذان اور ڈھائی بجے جماعت ہوتی۔ ظہر سے فراغت کے بعد پہلے ختم خواجگان ہوتا اور پھر طویل دعا ہوتی۔ (جو مولانا عبدالحفیظ صاحب کے ذمہ تھی) دعا سے فارغ ہو کر ذکر ہوتا، جن حضرات کو ذکر بالجہر کی اجازت ہے وہ ذکر جہر کرتے، باقی حضرات اپنی تسبیحات و معمولات میں مشغول رہتے۔ ساڑھے پانچ بجے عصر کی نماز ہوتی اور عصر کے بعد مغرب سے آدھ گھنٹہ پہلے تک حضرت کی مجلس میں کتاب پڑھی جاتی۔ آخری عشرہ میں "ارشاد الملوک"، ختم ہو کر "اکمال الشیم"، شروع ہوئی اس کے بعد نماز مغرب کی تیاری شروع ہو جاتی اور افطار تک دعا و استغفار میں مشغول رہتے۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد کتاب سے پہلے اسی (۸۰) مرتبہ درود شریف (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ) کا التزام کیا جاتا۔

پانچوں نمازوں کے علاوہ مغرب کے بعد بیعت کی نشست میں اور عصر و عشاء کے بعد کی مجلسوں میں نیز فجر کے بعد مصافحہ میں مشتاقین کو حضرت شیخ مدظلہ العالی کی زیارت کا موقع مل جاتا، اس کے علاوہ جس شخص کو کچھ عرض معروض کرنا ہوتا، یا کچھ دریافت کرنا ہوتا اس کو الگ وقت دیا جاتا۔ مولانا نذیر احمد صاحب استاذ حدیث دارالعلوم فیصل آباد کی تحریک پر علماء کرام کی ایک جماعت کو دو الگ الگ نشستوں میں حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی گئی اور انہیں سندیں بھی عطا کی گئیں۔ عید کے دن نماز فجر کے بعد حضرت شیخ مدظلہ کی طرف سے کھجور اور زم زم کی ضیافت کی گئی اور حدیث مسلسل بیوم العید اور مسلسل بالاسودین سنا کر مسلسلالات کی اجازت دی گئی (کتاب قطب الاقطاب شیخ الحدیث، ص ۵۹ تا ۶۳)۔

مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی مظاہری اپنے مضمون ”شیخ کا رمضان“ میں لکھتے ہیں کہ: نماز ختم ہوتے ہی اعلان ہوتا کہ سنتوں کے بعد ختم خواجگان ہوگا، جن حضرات کو طریقہ معلوم ہے وہ تو آگے بڑھیں، بقیہ حضرات درود شریف پڑھتے رہیں، پھر ذکر ہوگا، جن کو کسی شیخ سے ذکر کی اجازت ملی ہے، وہ تو ذکر کریں، باقی حضرات اپنے معمولات میں لگے رہیں۔

۱۔ تقاریب مطبوعہ شکل میں ”مواعظ قہیہ الامت“ کے نام سے دستیاب ہیں۔

## حضرت شیخ کے ہاں روزانہ کی مجلس ذکر:

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ سیدی قطب الاقطاب صاحب سرنہی برکتہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز کے ہاں تدریس کے زمانہ میں ہمیشہ کا یہ معمول تھا کہ تقریباً صبح سات بجے سے تقریباً گیارہ بجے تک اوپر تصنیف کیلئے کمرہ میں تشریف لیجاتے تو اس کمرہ کے باہر صحن میں چٹائیاں بچھی رہتیں۔ جن پر اس دوران مختلف حضرات آکر اپنے معمولات کے مطابق ذکر کرتے تھے۔ (مجالس ذکر جہری، ص ۵۶)۔

## حضرت شیخ کی ہفتہ وار مجلس ذکر:

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہر جمعہ کو حضرت شیخ کا معمول تھا کہ عصر سے مغرب تک مسجد میں ہی معتکف رہتے اور اس دوران مختلف لوگ مریدین و متعلقین بھی حضرت کے ساتھ ہی مسجد میں رہتے جن میں اکثر ذکر جہری میں مشغول رہتے اور ان کے ذکر سے مسجد گوشتی رہتی تھی، اس مجلس کا اکثر لوگوں کو علم تھا کہ حضرت شیخ ہمیشہ اس کی پابندی کرتے ہیں اس لئے قرب و جوار کے لوگ بھی شوق سے اس میں شرکت کرتے تھے ”دارالعلوم دیوبند“ سے بھی بہت سے اساتذہ و طلبہ شریک ہو جاتے، حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ العزیز بھی ہمیشہ اس مجلس میں بہت اہتمام سے شرکت فرماتے۔ یہ ہفتہ واری ذکر جہری مجلس مسجد میں پورا سال ہوتی تھی اور پورے ہندوستان کے اکابر علماء و مشائخ اور مفتیان کرام میں سے اکثر کوئی نہ کوئی اس میں ضرور شرکت کرتا (مجالس ذکر جہری، ص ۵۷)۔

## حضرت شیخ اپنے متعلقین کو اجتماعی ذکر کی ترغیب دیتے تھے:

حضرت شیخ الحدیث اپنے متعلقین اور متوسلین کو بھی اجتماعی ذکر اور مجالس ذکر کے انعقاد کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ: ”بُری“ دوستوں کا ذکر تمہاری مجلس میں بہت مناسب ہے اگر اجتماع کی کوئی صورت ممکن ہو۔ تمہارا گھر ایک ہے وہاں کوئی صورت اجتماع کی ہو جایا کرے۔ اور نہ ہو سکتا ہو تو الگ الگ کیا کریں۔ مغرب کے بعد بہت مناسب ہے کہ اس میں ”بُری“ بھی آسکتے ہیں۔ لیکن ایسی کوئی صورت ہو کہ آپ کے سفر وغیرہ کی وجہ سے ناغہ نہ ہو۔ میری آٹھ ماہی غیبت میں سہارنپور میں کچے گھر میں جو ذکر کا سلسلہ الحمد للہ جاری رہا۔ اس میں طلحہ کی کوشش کو زیادہ دخل ہے (۴۱ ذی الحجہ، ۸۹ھ)۔

۱۔ انگلینڈ کے ایک شہر کا نام ہے۔

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں: ”مولوی عبدالرحیم کی تجویز کہ ذکر اکٹھے کیا کریں بہت مناسب ہے مگر میں تو پہلے سے آپ کے خطوط کی وجہ سے یہ سمجھ رہا تھا کہ تم قاری یوسف وغیرہ احباب اکٹھے ہی کرتے ہوں گے۔ بہر حال یہ تجویز مناسب ہے کہ سب اکٹھے ہی کر لیا کریں“ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفائے کرام، ص ۴۰۳، ۴۵۷)۔

## حضرت شیخ کا اہل مدارس کو مجالس ذکر کے قیام و انعقاد کی ترغیب:

حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں کہ:

میرا تجربہ ہے کہ جس کو بہت سے اہل مدارس کو لکھتا رہتا ہوں کہتا بھی رہتا ہوں دوستوں نے چھاپ بھی دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جتنی کوشش ہو سکے مدرسہ میں ضرور رکھیں۔ طلبہ میں بھی کم سے کم استغناء نہ ہو اور آپ کے تعلق والوں میں کوئی ذکر ہو تو اس سے فرمادیں کہ آپ کے کمرہ میں آکر طلبہ سے دور، جس سے طلبہ کا حرج نہ ہو ذکر ضرور کر لیا کریں (۶ دسمبر ۷۷ء) (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفائے کرام، ص ۳۶۴)

## حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی عیادت اور آپ کے ساتھ مجالس ذکر

## کے قیام پر گفتگو:

حضرت شیخ الحدیث آپ بیتی نمبر ۷ میں فرماتے ہیں کہ:

اول مفتی شفیع صاحب کے مدرسہ میں جانا ہوا کیونکہ مفتی صاحب کی عیادت بھی اہم تھی مفتی صاحب ضعف کی حالت میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے زکریا کو دیکھتے ہی بہت اظہار مسرت کیا ایک گھنٹہ زکریا ان کے پاس برابر کی چارپائی پر لیٹا رہا۔ مفتی صاحب نے اپنے مدرسہ کی بہت ہی شکایات کیں طلبہ کی طرف سے۔ حکومت کی طرف سے اور یہ کہ بعض طلبہ پڑھنا تو ان کا مقصود نہیں ہوتا، غیروں کے تنخواہ دار محض فساد ڈالنے کے لئے ہمارے مدرسہ میں طالب علم بن کر داخل ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اس کی بہت سی جزئیات بتائیں۔ زکریا نے بڑے اہتمام سے ساری گفتگو سنی اور کہا کہ یہ اشکالات آپ ہی کے یہاں نہیں۔ ہم سب مدارس والوں کو پیش آتے ہیں۔ صورت میں کچھ تھوڑا بہت فرق ہو جاتا ہے ہمارے یہاں کے اسٹرائیک ۱۳۸۲ھ میں اس کے بڑے تجربات ہوئے کہ مدارس بلکہ اسلام کے مخالف لوگوں نے بعض لوگوں کو تنخواہیں دے دے کر ہمارے اسٹرائیک میں شریک کیا میرے نزدیک تو ان سب کا واحد علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔



## حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے نام خطوط:

آگے حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ "پھر مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد میں نے اس مضمون کو یاد دہانی کے طور پر مفتی صاحب اور مولانا بنوری نور اللہ مرقدہما کو الگ الگ لکھے جو خصوصی مضامین کے علاوہ مشترک مضمون دونوں میں یہ تھا۔

مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی، بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جا رہی ہے بلکہ معدوم بلکہ اس لائن سے تو بعض میں تنقیر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر علوم شاہی مسجد مراد آباد وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک میں بھی امام الائمہ تھے انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں میں اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس منتظمین اور اکابرین کی خدمت تحریراً تقریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں تو مفید اور مؤثر زیادہ ہوگا۔ مظاہر علوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج حضرت قاری محمد طیب صاحب سے بارہا تقریراً تحریراً عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس کو متوجہ کرتا رہتا ہوں مدارس کے روز افزوں فتنوں سے بہت ہی طبیعت کو کلفت پہنچتی رہتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ فتنوں سے بچاؤ کی صورت صرف ذکر اللہ کی کثرت ہے جب اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس بے چارے ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں قطرہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء اور تحفظ میں جتنا دخل ہوگا وہ ظاہر ہے۔ اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت و ذکرین کی کثرت جتنی رہی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف۔ حیلوں بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے ہیں تو میرے تجربہ میں غلطی نہیں، جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارنپور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہو کر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا لیکن قیام اہل مدرسہ کے

جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا۔ اور وہ بدلتے رہتے تھے صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا اور میری غیبت میں سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذکرین کی وہ مقدار اگرچہ نہ ہو مگر ۲۵، ۲۰ کی مقدار روزانہ ضرور ہو جاتی ہے۔ میرے سہارنپور کے قیام کے زمانہ میں تو سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ چالیس پچاس کی تعداد عصر کے بعد جمعہ کے دن ہو جاتی ہے۔ اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت نہ تقریر کی آپ جیسا یا مفتی شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھتا تو شاید اہل مدارس کے اوپر اس مضمون کی اہمیت زیادہ پیدا ہو جاتی اس ناکارہ کے رسالہ فضائل ذکر میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الواہل الصیب" سے ذکر کے سو (۱۰۰) کے قریب فوائد نقل کئے گئے ہیں جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں شیطانی اثر ہی سارے فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔ دارالعلوم، مظاہر علوم، شاہی مسجد کی ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے بھی زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ان کی ابتداء ہوئی ہے ان ہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے بالخصوص حسن خاتمہ کا۔ کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ فقط والسلام (حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم حبیب اللہ ۳۰ نومبر ۱۹۷۷ء مکہ مکرمہ)۔

## حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے جوابی

### خطوط کے اقتباسات:

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ "میرے اس خط کے جواب میں مفتی شفیع صاحب کا یہ جواب آیا۔  
مخدومنا محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب متعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتہ بالعافیۃ،  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

آپ کا کرم نامہ اتنی جلد خلاف وہم و گمان کے پہنچا اور بڑا تفصیلی پہنچا کہ حیرت ہوگئی مگر حقیقت یہ ہے کہ عرصہ دراز سے آں مخدوم کے تمام ہی معاملات بالکل خرق عادت اور کرامات ہی کی قبیل سے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو افاضہ خلق اللہ کے لئے دائم و باقی رکھیں۔ ..... حضرت کا گرامی نامہ وصول ہونے کے بعد کچھ ایسے ذکر شافل لوگ جن کا مجھ سے تعلق ہے اور پہلے سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم کچھ عرصہ دارالعلوم میں رہ کر ذکر و شغل

کریں میں اپنی بیماری اور عدم فرصت کا عذر کر کے دفع کر دیتا تھا اب الحمد للہ یہ کام شروع کر دیا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے اپنے لڑکوں میں سے جو دو عالم ہوئے ہیں ان دونوں کو احقر نے اصلاح ظاہر و باطن اور ذکر و شغل سکھانے کے لئے ڈاکٹر عبدالحی صاحب کے سپرد کیا ہے۔ بندہ محمد شفیع ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ جمعرات۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

مخدوم گرامی مفاخر ہذہ العصور حضرت شیخ الحدیث رفع اللہ تعالیٰ درجاتہ وافاض علینا من برکاتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

عزیزم محمد سلمہؒ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا بلکہ سنایا دوبارہ خود بھی پڑھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی عیادت و زیارت کے لئے دارالعلوم گیا تھا وہاں بھی میں نے ذکر کیا۔ فرمایا کہ زبانی بھی اس کا تذکرہ آیا تھا۔ "اساتذہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کی شوریٰ کا اجلاس تھا اس مجلس میں مکتوب مبارک سنایا گیا اور عمل کرنے کے لئے تدبیر و مشورہ پر غور بھی ہوا۔ بات تو بالکل واضح ہے ذکر اللہ کی برکات و انوار سے جو نتائج مرتب ہونگے وہ بھی واضح ہیں اور میں اس کی تلافی کے لئے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا۔ کہ مدرسہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی ضرورت ہے۔

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ اس سلسلہ کے ایک دوسرے خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس لئے گزارش کی تھی کہ ہر درس گاہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی بھی ضرورت ہے جو طلبہ فارغ ہوں اس سے وابستہ ہوں اور کچھ عرصہ اس مقصد کے لئے اقامت بھی کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی خواہش ذکرین کے اجتماع اور اجتماعی ذکر کی تدبیر کی گئی اس ہفتہ اس کا افتتاح بھی ہو جائیگا۔ محمد یوسف بنوری، (آپ بیتی، نمبر ۷ ص ۱۴۳ تا ۱۶۵)۔

## حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مجالس ذکر:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ایک حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں اور ایک دوسری حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندوں کا ایک جگہ بیٹھ کر اخلاص کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا اس کی باتیں کرنا اس کی حمد و تسبیح کرنا اللہ تعالیٰ کو بیحد پسند ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ایسے بندوں کیلئے اپنی رضا کا اظہار فرماتا ہے، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ (معارف الحدیث، جلد ۵، ص ۲۸ تا ۳۲)۔

## مذکورہ اقتباسات کا حاصل:

مذکورہ اقتباسات اور حضرت شیخؒ کے مکتوبات اور ان کے جوابات کا حاصل یہ ہوا۔

..... حضرت شیخ الحدیث اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر کے شیدائی اور انسانیت کی اصلاح و فلاح کے لئے تڑپتے تھے۔

..... حضرت اقدس خود مجالس ذکر کو منعقد فرماتے تھے اور اس مجالس کے قیام اور ان کو فروغ دینے کے لئے خوب کوشش اور پوری جدوجہد بھی کیا کرتے تھے۔

..... حضرت اقدس کی جدوجہد سے بڑے بڑے مدارس میں ذکر کی مجالس قائم اور جاری ہو گئیں۔

..... اس وقت کے اکابر علمائے دیوبند نے حضرت شیخؒ کی تائید کی اور آپ کے ساتھ اس جدوجہد میں شریک ہوئے اور مجالس ذکر کو عملی جامہ پہنایا۔

..... ہمارے اکابر اس بات پر متفق ہیں کہ ذکر اور خانقاہ ہی لائن سے لوگوں کی صحیح اصلاح ہو سکتی ہے اس لئے انکے لئے خود اپنی اصلاح و تربیت کی شدید اور اولین ضرورت ہے۔

## اہل مدارس کو فتنین اور شریروں سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے:

چھٹی بات مذکورہ اقتباسات سے یہ بھی معلوم ہو گئی کہ حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے اس راز کو پالیا تھا بلکہ انہوں نے تجربہ کیا تھا کہ مدارس میں بعض لڑکے اور استاد صرف اس لئے داخل ہوتے ہیں کہ وہ مدرسہ میں فتنہ و فساد برپا کر دیں ہڑتالیں کروائیں، طلباء میں فتنہ و فساد پیدا کریں، طلباء کے عقائد اور اخلاق کو بگاڑ دیں طلباء کے دلوں سے ادب و احترام کو نکال دیں وغیرہ وغیرہ۔ ان لڑکوں کا مقصد علم حاصل کرنا نہیں ہوتا نہ ان استادوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ طلباء کو پڑھائیں بلکہ وہ غیروں، دشمنان اسلام کے براہ راست یا بالواسطہ تنخواہ دار ہوتے ہیں اور وہ غیروں سے تنخواہیں لیکر مسلمانوں میں فساد اور فتنہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتے رہتے ہیں اور فتنہ فساد تو آجکل اس قدر بڑھ گیا ہے کہ بعض مساجد کے امام بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ دشمنان اسلام سے تنخواہیں لیتے ہیں اور وہ ان کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایسی کھلی بات ہے کہ ایک ادنیٰ عقل والا بھی اس کو سمجھ سکتا ہے اور کئی جگہوں پر اس کا تجربہ ہو چکا ہے لہذا تمام مسلمانوں سے خصوصاً اہل مدارس سے دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ ایسے لوگوں اور طلباء و اساتذہ سے محتاط رہیں جو ملک و قوم اور مدارس میں شر و فتنہ پیدا کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔



## مفسدوں اور شریروں کی پہچان:

مفسدوں اور شریروں کی پہچان کے لئے کوئی ایک طریقہ نہیں اس کو مختلف طریقوں سے آزمایا جاسکتا ہے، یہاں ان کے پہچاننے کے چند طریقے اور نشانیاں بتلاتے ہیں۔

..... ان کا روزگار کیا ہے؟ ان کو تحفہ تحائف دینے والے لوگ کون ہیں؟ ان سے دوستی اور محبت کون

لوگ کرتے ہیں اور ان کو کس سے محبت ہے اور ان کا لین دین کن لوگوں کے ساتھ ہے۔

..... ایسے لوگ پہلے پہل لوگوں کے اندر اسلاف، صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ اور علمائے کرام پر بے اعتمادی پیدا کرتے ہیں۔

..... وہ یا تو عقیدت و محبت کے نام پر شرک اور شرکیہ اعمال کو رواج دیں گے۔

..... یا توحید کے نام پر نبی کریم ﷺ کی عشق و محبت کا نکالنے کی کوشش کریں گے ان کے دل خود بھی ادب و احترام سے خالی اور عاری ہوں گے اور ان کے ساتھ جو لوگ بیٹھتے ہیں محبت رکھتے ہیں ان کے دل بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ وغیرہ اسلاف کے احترام و ادب سے خالی ہونگے۔

..... وہ دنیا والوں اور لیڈروں کا نام بلند کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے نام بلند کرنے اور ذکر الہی سے ان کو نفرت ہوگی۔

..... اہل کفر اور دشمنان اسلام کی فتح سے خوش اور اہل اسلام اور مسلمانوں کی فتح اور کامیابی سے نالاں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر شریر کی شر اور ہر فتنے کے فتنے و فساد سے حفاظت میں رکھے۔ (آمین)

## دارالعلوم دیوبند میں مجالس ذکر:

حضرت مولانا حافظ ثار احمد صاحب زید مجدہم اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے۔ ہمیشہ سفر و حضر میں مجالس ذکر کا اہتمام فرماتے تھے دارالعلوم دیوبند میں آپ کا قیام مسجد چھتہ میں ہوتا تھا جہاں روزانہ فجر کی نماز کے بعد مجلس ذکر کا اہتمام ہوتا تھا۔ آپ کا وجود ایک چلتی پھرتی خانقاہ تھی۔ مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں: "زندگی کے آخری لمحات میں بھی حسب معمول طویل علمی و اصلاحی مجالس بھی ہوتی رہیں وعظ و تزکیہ اور مجالس ذکر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ قرب و جوار

اور دور دراز کے اسفار بھی کئے۔ جن میں ارباب مدارس و متعلقین و متوسلین سے ملاقاتیں

بھی ہوئیں اور اجتماعات میں خطاب بھی فرماتے رہے (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ص ۱۰)۔

دارالعلوم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے ابتدائے قیام سے یہاں علم و ذکر دونوں شعبوں پر برابر توجہ دی جاتی رہی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہ کے دور تک بغیر کسی انقطاع و اضمحلال کے یہ بابرکت سلسلہ جاری و ساری رہا حضرت شیخ قدس سرہ کی رحلت کے بعد اس میں اضمحلال و فتور آ گیا لیکن حضرت مفتی صاحب (حضرت مفتی محمود گنگوہی قدس سرہ) کے یہاں آ جانے کے بعد یہ مبارک سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا اور انکی قیام گاہ مسجد چھتہ ایک مستقل خانقاہ بن گئی تھی اور ادھر دس پندرہ سالوں سے حضرت مفتی صاحب کی جانب رجوع اس قدر بڑھ گیا تھا کہ مسجد چھتہ ذکر خداوندی سے ہمہ وقت گونج رہی تھی (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ص ۱۲ تا ۱۱)۔

## مساجد میں مجالس ذکر جہری کے متعلق

### حضرت مولانا عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کا مدلل فتویٰ

جامعہ خیر المدارس کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم جو عصر حاضر کے بہت بڑے مفتی ہیں۔ انہوں نے مساجد میں جہر معتدل کے ساتھ اجتماعاً و انفراداً اور مجالس ذکر جہری کو قرآن و سنت کے نصوص اور فقہائے اسلام اور علمائے کرام کے اقوال فتاویٰ کے ساتھ مدلل ثابت کیا ہے اور وہ فتویٰ خیر الفتاویٰ میں چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم الحمد للہ اب تک زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی سے ہم کو اور تمام مسلمانوں کو دینی فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ حضرت مفتی صاحب کا یہ جو اب تقریباً تیرہ صفحات پر مشتمل ہے یہاں ان سے صرف چند اقتباسات کو نقل کر دیتا ہوں۔

..... اس حدیث سے مجالس ذکر میں حاضری کی ترغیب معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کی طرح اہل

اسلام کو بھی ایسی مجالس کی تلاش و جستجو کرنی چاہیے تاکہ انھیں بھی اس رحمت سے حصہ ملے جو

ان مجالس پر نازل ہوتی ہے۔ شبہ نہ کیا جائے کہ ان مجالس سے مراد وعظ و تقریر کی مجالس

ہیں کیونکہ یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ اس حدیث پاک میں آگے صراحتاً مذکور ہے۔

يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيُهَلِّلُونَكَ وَيُحَمِّدُونَكَ وَيَسْتَأْذِنُونَكَ اس سے

اجتماعی ذکر تسبیح، تکبیر اور تہلیل وغیرہ کا ثبوت ظاہر ہے۔ ہاں ثانوی درجہ میں مجلس وعظ بھی

مجالس ذکر کے حکم میں ہوں تو اس کا مضائقہ نہیں۔ نیز یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ یہ حدیث ایسی

مجالس ذکر کے بارے میں ہے جن میں اجتماع کا قصد نہ ہو۔ بس ایسے ہی بیٹھے بیٹھے ذکر

کرنے لگ گئے ہوں کیونکہ دعوائے تخصیص بھی بلا دلیل ہے۔ بظاہر حدیث پاک اپنے اطلاق و عموم کی وجہ سے دونوں قسم مجالس کو شامل ہے بلکہ آخر حدیث سے یہ عموم صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اصل تو اس مجلس ذکر میں وہی لوگ تھے جو قصد اس مجلس میں شامل ہو گئے تھے۔ جب فرشتوں نے بارگاہ خداوندی میں ایسے لوگوں کا غیر قصدی طور پر شامل ہونا عرض کیا تو ارشاد خداوندی ہوا کہ رحمت سب کو پہنچے گی ایسے لوگ بھی محروم نہیں رہیں گے۔

..... بعد از ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر یا کسی اور صورت سے..... ہر طور سے جائز ہے۔

..... ہاں حالات و اشخاص کے اعتبار سے اس کی افضلیت میں اختلاف ہو سکتا ہے البتہ ذکر بالجہر میں یہ شرط ہے کہ بطور ریاء نہ ہو کسی ناغم و مصلیٰ کو اذیت نہ ہو، بلا تجویز شیخ جہر مفطر نہ ہو، پھر اس جہر مفطر اور اس کی بینات خاصہ کو قربت مقصود نہ سمجھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے خیر الفتاویٰ ج دوم ص ۳۰۳ تا ۱۵۷)۔

## علمائے دیوبند پر جھوٹ اور بہتان باندھنے والے:

اکابر علمائے دیوبند کے احوال اور اقوال آپ کے سامنے ہیں ان سے اندازہ لگائیے کہ یہ کس قدر جھوٹ اور بہتان ہے کہ ان کھلی کھلی شہادتوں کے باوجود بھی بعض بے رحم، ظالم اور جھوٹے لوگ ایسے ہیں جو دنیا بھر میں یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اکابر علمائے دیوبند کے نزدیک ذکر جہری اور مجالس ذکر جہری جائز نہیں اور العیاذ باللہ وہ ذکر اور درود شریف کے مخالف ہیں حالانکہ اکابر علمائے دیوبند اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سچے اور مخلص عاشق تھے وہ علم کے ساتھ ساتھ ذکر اور درود شریف کو پھیلانے والے تھے۔ ذکر جہری اور مجالس ذکر جہری کے جواز و استحباب کے قائل اور خود بھی اس کے عامل تھے اور آج بھی ان کے مساجد اور مدارس اور خانقاہوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہے اور آج بھی وہ علم و ذکر کے فروغ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

## تداعی کا مسئلہ

بعض لوگ ان کھلی کھلی شہادتوں کے باوجود مجالس ذکر سے متعلق تداعی کا مسئلہ چھیڑتے ہیں اور لوگوں کے دلوں سے مجالس ذکر اللہ کی اہمیت کم کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ:

”اگر اتفاقی طور پر کچھ لوگ جمع ہو گئے تو اس طرح مجلس ذکر تو جائز ہے مگر مجالس ذکر کا انعقاد اور اس کی طرف بلانا درست نہیں“

یہ اس قدر بیہودہ بات ہے کہ اس کا جواب دینا ضیاع وقت کے مترادف ہے تاہم اس طرح کے پروپیگنڈوں سے عوام کو بچانے کی خاطر اس کے متعلق بھی کچھ لکھ دیتا ہوں۔ جو حضرات مجالس ذکر کا انعقاد کرتے ہیں اور لوگوں کو ان مجالس میں شرکت کی ترغیب اور دعوت دیتے ہیں، ان حضرات کے پیش نظر مجالس ذکر کی اہمیت اور وہ فضائل ہوتے ہیں جو قرآن و حدیث میں بیان کیے گئے ہیں تاکہ عوام الناس مجالس ذکر کے فوائد و ثمرات کو حاصل کر سکیں ان حضرات پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مجالس ذکر کی طرف لوگوں کو بلا کر دعوت و ترغیب دے کر مجلس کا انعقاد کرنا یہ درست نہیں اس میں کراہت ہے اور پھر اس طریقے پر موافقت کرنا یہ بدعت ہے لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور معترضین کی دلیل قیاس ہے وہ تداعی الی مجالس الذکر کو قیاس کرتے ہیں تداعی الی النوافل پر کہ جس طرح نوافل کے لیے لوگوں کو بلانا اور جماعت کے ساتھ ان کو ادا کرنا اور پھر اس پر موافقت اختیار کرنا فقہاء کے ہاں مکروہ اور بدعت ہے حالانکہ اگر اس اصول کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ہر سلیم الفطرت انسان پر واضح ہو جاتی ہے کہ تداعی الی مجالس الذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جس کی بناء پر لوگوں کو نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر سے روکا جا رہا ہے بلکہ ایسے حضرات کا یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جزبہ ہونے کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

## تداعی الی النوافل کا مطلب:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے ایک حکم ذکر اللہ بھی ہے لیکن نماز کا حکم کچھ افراد پر مشتمل ہے جن میں سے فرض، واجب، سنت اور نفل ہیں اور نماز کے حکم کو ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر مسجد میں یا مسجد کے علاوہ گھر کے اندر اس حکم کو ادا کیا جاتا ہے، احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک فرض نماز کا تعلق ہے تو اس کو آپ ﷺ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرمایا اور سنتوں اور نوافل کو آپ ﷺ نے انفرادی طور پر ادا فرماتے تھے اور صحابہ کرامؓ کا بھی یہی عمل تھا اور ان کو آپ ﷺ جماعت کے ساتھ ادا نہیں فرماتے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ نفل نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کریں تو شریعت کی رو سے اس کا حکم کیا ہے تو اس کے بارے میں فقہائے احنافؒ نے فرمایا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن کراہت کا یہ قول مطلقاً نہیں بلکہ اس کو تداعی کی قید کے ساتھ مقید فرمایا ہے کہ اگر نفل کی یہ جماعت تداعی کے ساتھ ہو تو تب یہ عمل کراہت سے خالی نہیں اور اگر تداعی نہ ہو تو پھر نفل کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اور تداعی کے متعلق علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اعلیٰ السنن میں فرماتے ہیں:

وهو ان يدعو بعضهم بعضاً وفسره الفقهاء بالكثرة كمافی



”الشامية“.... قلت وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة اولیٰ من

تفسيرها بالعدد والكثرة كما لا يخفى، لان الاول اقرب الى اللغة واشبه

بهادون الثاني (اعلاء السنن ج ٤ ص ٨٠-٨١)

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تداعی باب تفاعل سے ہے اور اس کا مطلب ایک دوسرے کو بلانا ہے اور فقہاء تداعی کی تفسیر کثرت کے ساتھ کرتے ہیں یعنی کسی کام کو جمع ہو کر زیادہ لوگ ادا کریں اسے تداعی کہتے ہیں جبکہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ تداعی کی تفسیر اہتمام اور مواظبت کے ساتھ کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ معنی کثرت والے معنی کے مقابلے میں لغوی اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں لہذا فقہائے کرام جب فرماتے ہیں کہ تداعی الی النوافل یہ مکروہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نفل نماز کو اہتمام اور مواظبت کے ساتھ جمع ہو کر جماعت کی صورت میں ادا کیا جائے کہ لوگوں کی کثرت ہو اور پھر اس کام کے لیے لوگوں کو بلایا جائے کیونکہ اہتمام کے اندر دعوت دینا بھی آجاتا ہے تو ایسا طرز عمل مکروہ اور بدعت ہے اور اس کی کچھ وجوہات ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ جب نفل کو بھی جماعت کی صورت میں ادا کیا جائے گا تو اس کی مشابہت فرض نماز کے ساتھ ہوتی ہے اور جماعت تو اصلاً فرض نماز کے ساتھ خاص ہے نہ کہ نفل نماز کے ساتھ اور آپ ﷺ کے طرز عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے جس کی بناء پر نفل کی نماز جماعت کے ساتھ بعض فقہاء کے نزدیک تداعی کے طور پر مکروہ ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اعلاء السنن میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوافل کے بارے میں احادیث میں جو کچھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ نوافل کو انفرادی طور پر ادا کرنا چاہیے اور گھر میں انفرادی طور پر ادا کرنے میں زیادہ ثواب ہے بمقابلہ مسجد میں ادا کرنے کے، جس سے معلوم یہ ہوا کہ اصل نوافل میں اخفاء اور انفرادی ہے یعنی لوگوں سے الگ اور انفرادی طور پر نفل نماز کو ادا کیا جائے اور گھر میں چونکہ انفرادی اور اخفاء کامل طور پر حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں نوافل کو گھر کے اندر ادا کرنے کی فضیلت آئی ہے اور فرض نماز کے اندر اصل اظہار اور اجتماع ہے اس لیے مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے اس سے معلوم یہ ہوا کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا یہ خلاف اصل ہے کیونکہ جماعت کی صورت میں انفرادی اور اخفاء نہیں پایا جاتا اس میں اظہار اور اجتماع ہے اور یہ خلاف اصل ہے اور نوافل کو اس کی اصل کے خلاف ادا کرنا یہ کراہت سے خالی نہیں:

واما النوافل فالاصل فيها الاخفاء وانفرادوا لالم يكن فعلها في البيت افضل

فان الصلاة التي بناء ها على الاظهار و الاجتماع فالفضل فعلها في

المساجد فثبت ان الجماعة في النوافل مكروهة (اعلاء السنن ج ٤ ص ٨٠-٨١)

نوافل کی جماعت کے مکروہ ہونے کی تیسری وجہ اور دلیل اعلاء السنن میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ابن قیمؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ سنن اور نوافل کو آپ ﷺ گھر میں ادا فرماتے تھے

سوائے کسی عذر کے اور فرائض کے متعلق آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ انہیں آپ ﷺ مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے لہذا نوافل اور سنن کو انفرادی طور پر ادا کرنا یہ سنت ہے جیسا کہ فرائض کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نوافل اور سنن کی ادائیگی، آپ ﷺ نے ہمیشہ انفرادی طور پر کی لہذا یہ بھی سنت ہے کہ انہیں انفرادی طور پر ادا کیا جائے نہ کہ اجتماعی طور پر لہذا اجتماعی طور پر نوافل کا ادا کرنا سنت کے اور صحابہؓ اور خلفاءؓ کے عمل کے خلاف ہے جس کی بناء پر ہمارے علماء کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ مکروہ ہے، اور احادیث مبارکہ میں اجتماعی طور پر نوافل کے ادا کرنے کی ترغیب بھی نہیں دی گئی بلکہ انفرادی طور پر ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے:

وقال ابن قيم في "زاد المعاد" وكان هدى النبي ﷺ فعل السنن والتطوع

في البيت الالعارض كمان هديه كان فعل الفرائض في

المسجد الالعارض اه (من الی ٨٣) فكان الانفراد فيها سنة مؤكدة كمان

الجماعة في الفرائض سنة مؤكدة لمواظبة عليه فتكره الجماعة في

النوافل لكونها خلاف السنة المؤكدة وخلاف عمل الخلفاء

والصحابه (اعلاء السنن ج ٤ ص ٨٠-٨١)

نفل کی جماعت کے مکروہ ہونے کی بیان کردہ وجوہات اور دلائل کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نفل کی جماعت علی الاطلاق مکروہ قرار دی جاتی اور اس پر مواظبت کو بدعت کہا جاتا لیکن احادیث کے اندر آپ ﷺ سے نفل نماز جماعت کے ساتھ بھی احیاناً ثابت ہے (اعلاء السنن ج ٤ ص ٨٠-٨١) جس کی بناء پر فقہاء نے مطلقاً نوافل کی جماعت کو مکروہ نہیں قرار دیا بلکہ انہوں نے نوافل کی جماعت کو تداعی کی قید کے ساتھ مقید فرمایا ہے، لہذا اگر تداعی پائی جائے تو اس صورت میں نفل نماز جماعت کے ساتھ مکروہ ہوگی، یعنی اہتمام اور مواظبت کے ساتھ کثیر لوگ اگر شریک ہوں تو پھر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں کیونکہ اس طرز پر آپ ﷺ سے نوافل کی جماعت ثابت نہیں اور یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

چنانچہ علامہ حنفیؒ فرماتے ہیں:

قال في الدر، ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای يكره

ذلك لو على سبيل التداعي بان يقتدى اربعة بواحد كما في الدرر:

در مختار میں فرمایا کہ وتر اور نفل رمضان کے علاوہ جماعت کے ساتھ ادا نہ کیے جائیں اور یہ

مکروہ ہے اگر تداعی کے طور پر ہو یعنی چار آدمی ایک کی اقتداء میں نماز ادا کریں،

اور علامہ دمشقیؒ فرماتے ہیں:

وقال الشامي اما اقتداء واحد بواحد واثنين بواحد فلا يكره وثلاثة بواحد فيه

خلاف: بہر حال ایک یا دو آدمیوں کا ایک آدمی کی اقتداء کرنا مکروہ نہیں اور تین آدمیوں کا ایک آدمی کی اقتداء کرنے میں اختلاف ہے (بحوالہ اعلیٰ السنن ج ۷ ص ۷۹)۔

اسی طرح علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب دوسرے فقہاء کے مسلک کو تحریر فرماتے ہیں:

وفی الخلاصة ولا یصلی التطوع الا فی رمضان وعن شمس الائمة السرخسی ان التطوع بالجماعة انما یکره اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد لایکره و اذا اقتدی ثلثة بواحد اختلف فیہ، وان اقتدی اربعة بواحد کره اتفاقاً والاقتداء فی الوتر خارج رمضان یکره وذكر القدوری لایکره واصل هذا ان التطوع بالجماعة اذا کان علی سبیل التداعی تکره: اور خلاصہ میں ہے کہ نفل (باجماعت) نہ پڑھے جائیں مگر رمضان میں اور شمس الائمہ السرخسی سے منقول ہے کہ نفل جماعت اس وقت مکروہ ہے جب بطور تداعی کہ ہو پس اگر ایک نے ایک کی اقتداء کی تو مکروہ نہیں اور جب تین ایک کی اقتداء کریں تو پھر اس میں اختلاف ہے (کہ آیا مکروہ ہے یا نہیں) اور اگر چار (آدمی) ایک کی اقتداء کریں تو پھر بالاتفاق (باجماعت نماز نفل) مکروہ ہے اور رمضان کے علاوہ وتر کی نماز میں اقتداء کرنا مکروہ ہے اور قدوری نے ذکر کیا ہے کہ مکروہ نہیں اور (کراہت کے حکم کی) اصل یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نفل جب بطور تداعی کے ہوں تو پھر مکروہ ہے (اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۱)۔

فقہاء کی مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ نفل کی جماعت علی الاطلاق مکروہ نہیں یہ صرف اس صورت میں ہے کہ جب تداعی پائی جائے، لیکن بعض فقہاء کے نزدیک نفل کی جماعت مکروہ نہیں کیونکہ ان کے پیش نظر وہ احادیث ہیں جس میں آپ ﷺ سے نفل کی جماعت کا ثبوت ہے جس کی بناء پر وہ اس کے قائل نہیں چنانچہ مولانا ظفر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

وفی الاصل للصدر الشہید اما اذا صلوا بجماعة بغیر اذان واقامة فی ناحية المسجد لایکره وقال شمس الائمة الحلواني ان کان سوى الامام ثلثة لایکره بالاتفاق وفي الرابع اختلف المشائخ والاصح لایکره: صدر الشہید کی کتاب الاصل میں ہے؛ بہر حال جب لوگ جماعت کے ساتھ (نوافل کی نماز) بغیر اذان اور اقامتہ کے مسجد کے ایک کونے میں پڑھیں تو پھر (یہ جماعت) مکروہ نہیں اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین آدمی ہیں تو مکروہ نہیں بالاتفاق اور چار (آدمیوں

کی صورت) میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ (جماعت کے ساتھ نفل کی نماز) مکروہ نہیں ہے (اعلاء السنن، ج ۷ ص ۸۱)۔

مذکورہ بالا عبارتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس اصول کو بنیاد بنا کر تداعی الی مجالس ذکر کو مکروہ قرار دیا جا رہا ہے خود اس اصول یعنی تداعی الی النوافل میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور بعض اسے جائز قرار دیتے ہیں لیکن جو فقہاء تداعی کی قید کا اعتبار کرتے ہوئے نوافل کی جماعت کو مکروہ قرار دیتے ہیں اگر ان کی بات کو لیا جائے تو کراہت کا قول اس لیے کہا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کا عمل نوافل کے بارے میں عموماً یہی تھا کہ انہیں انفرادی طور پر ادا فرمایا کرتے تھے اور نوافل کی ترغیب بھی انفرادی طور پر ہی منقول ہے اور اجتماعی طور پر نوافل کی ترغیب آپ ﷺ سے منقول نہیں لیکن احیاناً آپ ﷺ سے نوافل کی جماعت بھی ثابت ہے اس لیے نوافل کی جماعت کو علی الاطلاق مکروہ نہیں کہا جاتا بلکہ فقہاء اس میں تداعی کی قید لگاتے ہیں اور اگر تداعی کے ساتھ نہیں تو پھر اس میں کراہت نہیں اور تداعی کی تفسیر ماقبل میں گزر چکی ہے کہ نوافل کے لیے لوگوں کو بلانا اور اہتمام کے ساتھ جمع ہو کر ادا کرنا اور یہ خلاف اصل ہے اور فرض کے ساتھ اس کی مشابہت ہے جس کی بناء پر ایسا کرنا مکروہ اور خلاف التوارث ہے اور اسی کو تداعی بالنوافل سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اگر نوافل کو جمع ہو کر ادا کرنے کی ترغیب کہیں موجود ہے تو پھر اس صورت میں اجتماعی طور پر تداعی کے ساتھ نوافل کو ادا کرنا بھی مکروہ نہیں بلکہ بہتر ہے مثلاً استسقاء میں جو کہ بعض حضرات کے نزدیک جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور بعض کے نزدیک یہ ایک دعا ہے جسے اجتماعی طور پر ادا کیا جاتا ہے بہر حال دونوں صورتوں میں اس کی ادائیگی ہوتی ہے تو لازماً اس میں تداعی پائی جاتی ہے اور اس کی ترغیب احادیث میں موجود ہے لہذا اس وجہ سے اس کی کراہت کا کوئی بھی قائل نہیں، لہذا یہ بات واضح ہوئی کہ تداعی بالنوافل کا اصول ان نوافل یا نفل کاموں کے ساتھ خاص ہے جن کو انفرادی طور پر کرنا آپ ﷺ سے ثابت ہو اور اجتماعی طور پر اس کی ترغیب ثابت نہ ہو لیکن اگر کسی نفلی کام کی ترغیب آپ ﷺ سے اجتماعی طور پر ثابت ہے تو پھر اس اصول کا انطباق اجتماعی طور والی صورت پر کرنا سراسر ظلم اور انتہائی نامناسب بات ہے۔

## تداعی الی النوافل اور تداعی الی مجالس ذکر میں فرق:

تداعی الی النوافل کے اصول کی وضاحت کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ تداعی الی النوافل اور تداعی الی مجالس ذکر میں بہت واضح فرق پایا جاتا ہے۔

پہلا فرق یہ ہے کہ تداعی الی النوافل کا تعلق نماز کے حکم سے ہے اور نفل اس حکم کا ایک فرد ہے اسی طرح فرض بھی اس حکم کا ایک فرد ہے لہذا اگر نوافل کو بھی اہتمام اور مواظبت اور لوگوں کو دعوت دے کر کیا جائے تو اس کی



مشابہت فرض سے لازم آتی ہے جبکہ تداعی الی مجالس الذکر کا تعلق ذکر کے ساتھ ہے اور اس حکم کی ادائیگی کی انفرادی اور اجتماعی ہر صورت میں ترغیب موجود ہے اور فرض، واجب نماز کی طرح اس کے افراد بھی نہیں کہ جن سے اس کی مشابہت لازم آئے لہذا تداعی الی مجالس الذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا درست نہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ تداعی الی النوافل یہ صرف ان نفلی کاموں کے ساتھ خاص ہے جن کی انفرادی طور پر ترغیب دی گئی ہو اور اجتماعی طور پر ان کی ترغیب موجود نہ ہو اور پھر اگر کوئی اجتماعی طور پر ان کو ادا کرے تو اس میں علماء کے لیے بحث و مباحثہ کی گنجائش موجود ہے اور تداعی الی مجالس الذکر والی صورت میں تو قرآن وحدیث میں خود انفرادی طور کے علاوہ اجتماعی طور پر ذکر کرنے کی ترغیب موجود ہے لہذا اجتماعی طور پر فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے تداعی تو ضروری ہوگی، وگرنہ ان فضائل اور ترغیبات کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر کوئی نفلی کام اجتماعی طور پر آپ ﷺ سے منقول ہے اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے تو اس میں بھی تداعی الی النوافل جائز بلکہ مستحب بن جاتا ہے جیسے نماز استسقاء کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرنا پھر جماعت کے ساتھ یا اجتماعی دعا کے ساتھ اسے ادا کرنا اور اسی طرح نماز تراویح میں اور اس کے علاوہ نماز کسوف کے لیے "الصلوة جامعة" کہہ کر پکارنا احادیث سے ثابت ہے اور کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا اور مجالس ذکر کی ترغیب تو انفرادی اور اجتماعی طور پر آپ ﷺ سے ثابت ہے تو پھر ان فضائل کو حاصل کرنے کے لیے ترغیب دینا کوئی بری بات نہیں بلکہ مستحسن امر ہے۔

## فرشتوں کا مجلس ذکر کی طرف بلانا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں کا چکر لگاتے ہیں اور ذکر والوں کو ڈھونڈتے ہیں اور جب وہ کسی جماعت کو پاتے ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر اکٹھے ہو کر کر رہے ہیں تو وہ فرشتے پکارتے ہیں اور دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں ”ہلمو“ آؤ اس مجلس ذکر میں شرکت کرو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تداعی الی مجالس الذکر تو خود فرشتے بھی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ فرشتے تو ایسی مخلوق ہیں کہ اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرتے اور اللہ کے حکم ہی پر چلتے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ تداعی کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور اگر یہ کوئی بری بات ہوتی تو فرشتے ایسا ہرگز نہ کرتے بلکہ اس حدیث کے آخر میں فرشتے ایسے شخص پر تعجب کا اظہار کر رہے ہیں جو بغیر ذکر کے مقصد کے اس مجلس میں شامل ہوا جس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جمع ہوئے تھے ان سب کے مقصد میں اتحاد تھا کہ وہ اللہ کے ذکر کے لیے جمع ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں تداعی پائی گئی ہوگی وگرنہ بغیر قصد و ارادے کے جمع ہونے والے پر تو فرشتے تعجب کا اظہار کر رہے ہیں

## بحث کا خلاصہ:

تداعی کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تداعی الی مجالس الذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ یہ اصول انفرادی نوافل کے ساتھ خاص ہے اور وہاں جاری ہوتا ہے کہ ان نوافل کی اجتماعی طور پر ترغیب نہ ہو اور پھر خود اسی اصول میں علماء کا اختلاف ہے لہذا مختلف فیہ چیز پر قیاس کرنا درست نہیں جبکہ مجالس ذکر کی انفرادی اور اجتماعی ترغیب باقاعدہ بیان کی گئی ہے لہذا مجالس ذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا قطعاً درست نہیں، آخر جس اجتماعی کام کے لیے اللہ تعالیٰ خود بلائیں یا ترغیب دیں اور نبی کریم ﷺ اس کے لیے خود ترغیب دیں اور فرشتے مجالس ذکر کی طرف ”ہلمو“ کہہ کر بلائیں تو اگر مسلمان اس کام کی طرف ترغیب دیں تو وہ کیسے گناہ گار ٹھہریں گے وہ تو اللہ تعالیٰ کی منشاء اور نبی کریم ﷺ کی اتباع کر رہے ہیں اب مجالس ذکر اور اس کی ترغیب کے متعلق جو کچھ قرآن وحدیث میں آیا ہے اس میں کچھ آیات اور احادیث مبارکہ کو پڑھ لیجئے۔

## مجالس ذکر جہری کے جواز و استحباب کا اصل ماخذ:

مجالس ذکر جہری کے جواز و استحباب کے متعلق فقہاء اور علمائے کرام و مفتیان عظام کے فتاویٰ اور ان کے اقوال و احوال آپ کے سامنے بیان ہو چکے ہیں اس کے بعد مناسب یہ ہے کہ قرآن وسنت جو دین اسلام اور احکام شرعی کے اصل ماخذ اور سرچشمہ ہیں ان سے بھی مجالس ذکر جہری کے جواز و استحباب کو ثابت کیا جائے لیکن مجالس ذکر کے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص پیش کرنے سے قبل اس کے لئے ایک تمہید لکھنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

## ذکر اللہ کا اصطلاحی معنی اور اصطلاحات کے ساتھ ظلم:

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یاد الہی کا تعلق دل سے ہے اور اس کی اصل جگہ انسان کا دل ہی ہے اور قرآن مجید نے اور نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات میں جن اعمال کے کرنے اور جن الفاظ کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی وہ سارے الفاظ اور اعمال اسی یاد حق کے ذرائع اور اسباب یا صورتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے یا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے تو ان سب کو بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام احکامات ہدایات انسان کو غفلت سے نکال کر یاد الہی کا سبب بن جاتے ہیں اس لئے ان کو بھی مجازاً ذکر کہا جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ ان سب کو ذکر ہی کا نام دینا اصل اصطلاحی ذکر کو اور مجالس ذکر کو ختم کرنے کے مترادف ہے اور یہ قرآن وحدیث میں تحریف اور دشمنان اسلام کی ایک عظیم سازش ہے۔ کہ اصطلاحات اسلامی کو مٹایا جائے تاکہ کوئی حکم اپنی اصلی حالت میں باقی نہ رہ سکے اور یہی معاملہ ”ذکر، اور مجالس ذکر“ کے متعلق بھی اختیار کیا جا رہا ہے۔

## اصطلاحات کے سلسلے میں قرآن مجید کی آیات

اس تمہید کے بعد اب قرآن وحدیث سے میں بطور نمونہ کچھ پیش کر کے یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ ذکر کا اصل مصداق یہی تہلیل ہے یعنی ”لا الہ الا اللہ“ اور تسبیح یعنی ”سبحان اللہ“ وغیرہ ہیں اور انہی چیزوں کو اصطلاح شریعت میں ذکر کہا جاتا ہے نماز ایک ایسی چیز ہے جو کہ سراسر اللہ تعالیٰ کی یاد پر مشتمل ہے اس میں تلاوت قرآن مجید ہے تسبیح و تحمید ہے دعا اور درود شریف ہے اور قیام و رکوع و سجود بھی، اس کے باوجود اصطلاح میں اس کو ذکر نہیں کہا جاتا ہے بلکہ اس کے لئے ”الصلوٰۃ“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ”اقیموا الصلوٰۃ: نماز قائم کرو“ اور نماز پڑھنے والے کو ”مصلیٰ“، ”نمازی“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ایسی واضح بات ہے جو کسی مسلمان سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ لیکن پھر بھی اس کے متعلق قرآن مجید میں سے کچھ پڑھ لیجئے۔

فَإِذَا قُضِيَتْهُمُ الصَّلَاةُ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ: پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے کی حالت میں یاد کرو (نساء آیت ۱۰۳)۔

نیز نماز جمعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ: اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو تمہارے لئے یہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں بھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی رزق الہی اور حلال رزق) کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ (جمعہ، ۱۰ تا ۱۱)۔

انہی آیات میں غور کیجئے، نماز جمعہ کے لئے ”صلوٰۃ الجمعہ“ کا لفظ استعمال فرمایا پھر فرمایا کہ ذکر الہی کی طرف لپکو جس سے مراد خطبہ بھی ہو سکتا ہے اور نماز جمعہ بھی اور دونوں بھی، لیکن اس کے بعد نماز اور خطبہ کے لئے لفظ ذکر استعمال نہیں فرمایا کہ جب ذکر پورا ہو جائے بلکہ نماز کے لئے وہی اپنا اصطلاحی نام لے کر فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذکر (یاد) کثرت سے کیا کرو ”یہ اسلیئے تاکہ نماز اور دوسرے اذکار اور اصطلاحی ذکر میں امتیاز ہو سکے۔ اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس میں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر ہوتا ہے لیکن اس کے متعلق جگہ جگہ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے چنانچہ لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ؛

يُنَسِّىَ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ: اے میرے بیٹے نماز قائم کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کاموں سے منع کیا کرو (لقمان آیت ۱۷) جج جو کہ سراسر عشق و محبت کا منظر پیش کرتا ہے اور سراسر اللہ کی یاد و محبت ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛  
فَإِذَا قُضِيَتْهُمُ مِّنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ط: پھر جب حج کے مناسک (اور ارکان) ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے یا اس سے بھی بڑھ کر قوت کے ساتھ ذکر کیا کرو (بقرہ، ۲۰۰)۔

تمام اعمال صالحہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ذکر کو دوسرے اعمال صالحہ سے جدا کر کے فرماتے ہیں؛

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَّرُوا اللَّهَ كَثِيرًا: مگر وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ (شعراء، ۲۲۷)۔

اللہ تعالیٰ نے روزے کا حکم دیا اور اس کا نام صوم رکھ دیا اور فرمایا ”كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ: تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔“ غرض یہ کہ قرآن وحدیث میں کہیں کہیں اعمال شرعیہ نماز، نصیحت وغیرہ کے لئے لفظ ذکر آیا ہے لیکن نماز و نصیحت، وعظ وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، تعلیم وتعلم، تمام کے تمام کے لئے اپنے اصطلاحی نام موجود ہیں اور یہی اس کے اصل نام ہیں اور شریعت مطہرہ میں تہلیل اور تسبیح کے لئے اصطلاحی نام ”ذکر“ ہی ہے اور مجالس ذکر سے اول نمبر پر مراد یہی تہلیل و تسبیح وغیرہ کے مجالس ہیں اور یہی وہ ذکر ہے کہ جس کے لئے نہ وقت شرط ہے اور نہ کوئی اور حالت چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور عقلمند بندوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ؛

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ج سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ: وہ لوگ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے (یعنی ہر حالت) میں یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کے پیدائش میں فکر کرتے ہیں اور (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ بے مقصد اور فضول تو نہیں بنایا ہے تو پاک ہے ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا (آل عمران، ص ۱۹۱)۔

## اصطلاحات کے سلسلے میں چند احادیث

نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے دین اسلام کے تمام شعبوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد کے طریقے اور ذکر کے کلمات بتلائے اور دین کے ہر ایک شعبے کو دوسرے



سے جدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں دیکھیں تو اس میں دین کے ہر شعبے کیلئے علیحدہ اصطلاحی نام موجود ہیں۔ طہارت، غسل اور وضوء، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تعلیم و تبلیغ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، جہاد اور ذکر، دعا وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک کے مفصل احکامات اور ہر ایک کے فضائل جدا جدا بیان فرمائے ہیں اور یہ ایک ایسی کھلی بات ہے جس سے کوئی بھی معمولی پڑھا لکھا بلکہ ایک عام مسلمان بھی انکار نہیں کر سکتا، پھر بھی یہاں صرف تین احادیث اس لئے پیش کرتے ہیں کہ دین اسلام کی اصطلاحات میں شیطان دخل اندازی کر کے ان کو مٹانے کی جرأت نہ کر سکے۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کیا تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہارے اعمال میں بہت بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک

سب سے زیادہ پاکیزہ، اور تمہارے درجات کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی

کو (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں

(یعنی کفار و مشرکین) سے مقابلہ کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں

اس سے بھی بہتر ہو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہاں ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ذکر اللہ یعنی اللہ کی یاد (مشکوٰۃ)۔

اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے دین کے شعبوں میں سے بہت اعلیٰ شعبوں کو لے لیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی راہ میں مال خرچ کرنا اور جہاد میں اور اپنی جان اور سر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کٹنا اور یہ سب کچھ ذکر اللہ میں تو شامل ہی ہیں لیکن حدیث کے الفاظ پڑھ لیجئے معلوم ہوگا کہ اصطلاحی ذکر وہی ہے جسے تہلیل و تہییج یا ذکر قلبی اور دھیان کہا جاتا ہے۔ حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل کلام ابن ادم علیہ الا امرٌ بمعروف او نہی عن المنکر او ذکر اللہ: بنی

آدم کا ہر کلام اس کیلئے وبال ہے علاوہ اس کلام کے جو امر بالمعروف (یعنی نیک اور اچھے

کاموں کی تاکید اور تعلیم کرنے) یا نہی عن المنکر (یعنی برائی سے منع کرنے) یا اللہ تعالیٰ کے

ذکر کیلئے ہو (مشکوٰۃ)۔

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ انسان کا ہر کلام اور ہر قول اس پر وبال ہے، مگر وہ قول اور وہ الفاظ جو اچھے کاموں کی تعلیم و تاکید کیلئے نکالے جائیں یا وہ الفاظ جو کسی کو برے کام سے روکنے کیلئے زبان سے نکالے جائیں اور وہ کلام اور الفاظ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے زبان سے نکالے جائیں تو یہ تین قسم کا کلام انسان پر وبال نہیں بلکہ ان کیلئے ذخیرہ آخرت ہے۔ غور کیجئے کسی کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور بھلے کاموں کیلئے بلانا یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکنا اور اس کو نصیحت کرنا کتنی عظیم بات ہے جو کہ ذکر الہی میں شامل ہے لیکن یہاں امر بالمعروف نہی عن المنکر یا ذکر اللہ تینوں چیزوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا۔

من شغلہ ذکرى عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما عطی السائلین: جو شخص میرے ذکر

میں مشغول ہونے کی وجہ سے دعا نہ کر سکے تو میں اس کو دعا مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا۔

اگرچہ دعا بھی ذکر ہی ہے بلکہ دعا کی روح توجہ الی اللہ ہے اور یہی دعا عبادت کا مغز ہے، نیز دعا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی، ذلت و افتقار کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ دوسرے اعمال میں نہیں۔ لیکن چونکہ دعا میں ذاتی غرض و حاجت کی طلب بھی ہوتی ہے اور ذکر الہی، تہلیل و تہییج میں خوف و رجاء کا بے غرضانہ جذبہ شامل ہوتا ہے اور ان کے ذریعے عشق و محبت کا پاکیزہ اظہار ہوتا ہے اس لئے دعا و ذکر کی اصطلاح بھی الگ الگ ہو جاتی ہے اس لئے اسی حدیث میں بھی دعا کو اصطلاحی ذکر سے الگ کر دیا گیا۔ اور اسی لئے حدیث وغیرہ کی کتابوں میں دعا اور ذکر کیلئے الگ الگ عنوان رکھے جاتے ہیں اگرچہ اصطلاح میں درود شریف، استغفار، دعا اور تہلیل و تہییج وغیرہ سب کے سب ذکر اللہ میں شامل ہیں جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

## شرعی اصطلاحات کا خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل شرعی اصطلاحات کے ساتھ بہت ظلم ہو رہا ہے۔ یہ ظلم دشمنان اسلام کی طرف سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور جو بھی جس کام میں ڈوب گیا اس نے اسلام کے تمام شعبوں کے فضائل اپنے ہی کام کیلئے مختص کر لئے۔ حالانکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، تبلیغ، ذکر وغیرہ تمام کے تمام اسلام میں اس قدر معروف اور مشہور ہیں کہ کوئی مسلمان ان چیزوں کے مفہوم میں غلطی نہیں کر سکتا کسی سے کہہ دو کہ نماز پڑھو تو اس سے مراد ذکر نہیں لے گا، یا کسی سے کہہ دیجئے کہ جہاد کیلئے تیار ہو جاؤ تو وہ اس سے مراد قطعاً یہ نہیں لے گا کہ تبلیغ و تعلیم کیلئے تیار ہو جاؤ۔ نیز حج اور عمرہ مخصوص اعمال کا نام ہے مگر اور اعمال بھی ایسے ہیں جن کے متعلق حدیثوں میں آیا ہے کہ ان پر حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے، لیکن ان اعمال کو کرنے سے توجہ یا عمرہ ساقط نہیں ہو جاتے اور نہ ان اعمال کو کوئی حج یا عمرہ کہتے ہیں۔ اسی طرح حدیثوں میں ہے کہ حرم شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گناہ بڑھ جاتا ہے لیکن حرم شریف میں ایک نماز پڑھنے سے نہ لاکھ نماز ادا ہوتی ہیں اور نہ ہی لاکھ نمازوں کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ نیز جہاد فی سبیل اللہ، شریعت کی اصطلاح میں دشمنان اسلام کے خلاف تلوار بندوق وغیرہ اٹھا کر ان کے ساتھ لڑنے اور قتال ہی کو کہا جاتا ہے۔ مگر حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے نبی کریم ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں، انہوں نے عرض کی کہ زندہ ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں جہاد کر (یعنی والدین کی خدمت کر) اب ہر ایک مسلمان اس بات کو جانتا ہے کہ صرف والدین کی خدمت سے نہ ہی فریضہ جہاد ساقط ہوتا ہے اور نہ کوئی اس کو جہاد کہتا ہے۔ البتہ یہ کہنا درست ہے کہ تبلیغ و تعلیم وغیرہ جہاد کے حکم میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ذکر اور مجالس ذکر سے مراد

۱۔ جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح پر تفصیل، کتاب جواہر الاسلام کے باب ”جہاد فی سبیل اللہ کا بیان“ میں دیکھیں۔

بھی اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کا ذکر یعنی تہلیل و تسبیح وغیرہ ہی ہیں البتہ تعلیمی مجالس اس میں تبعاً شامل ہو سکتے ہیں اور جن حضرات مثلاً حضرت عطاءؒ وغیرہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بعض جگہ مجالس ذکر سے مراد مجالس علم یا مجالس حلال و حرام لیا ہے ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ مجالس علم اور مذاکرہ علم بھی مجالس ذکر کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ سوال اور سائلین کے پس منظر کو سامنے رکھنے سے ان حضرات کے اقوال کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ورنہ مجالس ذکر سے صرف علم و مذاکرہ علم اور تعلیمی تدریسی مجالس لیکر مجالس تہلیل و تسبیح وغیرہ کی نفی کرنا یہ تو خود قرآن و حدیث میں معنوی تحریف اور ان کو محل سے ہٹانا اور تبدیل کرنا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیٰ مشہور محدث شیخ عبدالحق دہلویؒ سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

وتأويل الذكر بمذاكرة العلم والاء الله تعالى بعيد ولا يجوز حمل لفظ

على خلاف المتبادر الى الذهن من غير ضرورة: اور ذکر سے (تسبیح و تہلیل اور اللہ

تعالیٰ کے نام مبارک کے ذکر کے علاوہ) مذاکرہ علم اور اللہ تعالیٰ کے انعامات (اور

احکامات) مراد لینا ایک بعید معنی ہے اور (اصول یہ ہے کہ) بلا ضرورت کسی لفظ سے ایسا

معنی مراد لینا جس کی طرف ذہن نہ جاتا ہو جائز نہیں (سباحت الفکر، ص ۳۱)۔

اور حضرت حافظ ابن حجرؒ نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ مجالس ذکر سے مراد وہی مجالس ہیں جو تسبیح و تکبیر وغیرہ اذکار پر مشتمل ہوں اس سے مذاکرہ علم قرأت و حدیث وغیرہ لینا محل نظر ہے، البتہ قرأت حدیث مذاکرہ علم وغیرہ بالتبع ذکر اللہ میں داخل ہیں (فتح الباری، جلد ۱۱، کتاب الدعوات، ص ۲۱۶)۔

## مجالس ذکر سے مراد تسبیح و تہلیل وغیرہ اذکار کی مجالس ہی ہیں:

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ میں جہاں مطلقاً مجالس ذکر کے فضائل بیان ہوئے ہیں ان سے مراد اصلاً اور حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کا ذکر اور تسبیح و تہلیل وغیرہ اذکار کی مجالس ہی ہیں۔ البتہ ہر وہ عمل جو لوگوں کو غفلت سے نکال کر یاد الہی کا سبب بنے اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ذکر اللہ کے حکم میں تبعاً شامل ہے۔ البتہ جہاں تعلیم و تدریس کی مجلس کا خصوصیت سے ذکر آیا ہو وہاں اصلاً و حقیقۃً تو تعلیمی مجلس اور مذاکرہ علم ہی مراد ہوگا۔ لیکن اس میں بھی تہلیل و تسبیح وغیرہ اذکار پر مشتمل مجالس ذکر تبعاً شامل ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

وما اجتمع قومٌ فی بیتٍ من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ یتدارسون بینہم

الا نزلت علیہم السکینہ و غشیتہم الرحمة و حفتہم الملائکة و ذکرہم

اللہ فیمن عنده: کوئی جماعت نہیں جو اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر (یعنی مسجد یا

مدرسہ) میں جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتی ہو مگر ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور رحمت الہی ان پر چھا جاتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس جماعت کا ذکر ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو آس پاس ہیں (مشکوٰۃ شریف بحوالہ کتاب العلم)۔

تلاوت قرآن خود بھی ذکر ہے اور یہاں اس سے مراد اگرچہ تعلیمی مجلس ہے لیکن اس میں بھی تہلیل و تسبیح وغیرہ اذکار پر مشتمل مجالس ذکر تبعاً شامل ہے۔

## مجالس ذکر کی فضیلت

اس تمہید کے بعد مجالس ذکر کے متعلق قرآن و حدیث سے کچھ پڑھ لیجئے پہلے قرآن مجید سے دو آیتوں کو برکت کیلئے پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّہُمْ بِالْعَدْوۃِ وَالْعِشِّیِ یُرِیدُونَ وَجْہَہٗ

وَلَا تَعْدُ عِیْنُکَ عَنْہُمْ ۚ تُرِیدُ زِیْنَةَ الْحَیَوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تَطْعُ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ

ذِکْرِ نَا وَاتَّبِعْ هَوَہٗ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا: آپ اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ پابند کیجئے

جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا مندی کیلئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی

زینت کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان سے نہ ہٹنے پائیں اور اس شخص

کا کہنا نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر (یاد) سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے

تابع ہو گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے (کہف، ۲۸)۔

سرداران قریش نے نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ بلالؓ، صہیبؓ اور عمارؓ اور خبیبؓ وغیرہ جیسے غریب اور خستہ حال جو تمہاری صحبت میں بیٹھتے ہیں اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیں تو ہم تمہاری مجلس میں آسکتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ ہم بیٹھ نہیں سکتے (صحیح مسلم، ابن کثیر وغیرہ) تو اللہ تعالیٰ نے سرداران قریش کی اس بات پر سختی سے اس مذکورہ آیت میں گرفت کی لہذا اس آیت کا مطلب تو یہی ہے کہ آپ ﷺ کی توجہات اور اٹھنے بیٹھنے کے مستحق وہی لوگ ہیں جو صبح، شام اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ کسی ایسے سردار، دولتمند اور چوہدری جس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو ان کی خاطر ان کے ساتھ اپنی نشست و برخاست نہ چھوڑیے کوئی حق قبول کرے یا نہ کرے کسی کی خاطر کسی نیک شخص کو اپنی صحبت اور اپنی توجہات سے محروم نہ کریں، البتہ اس آیت کے حکم میں مجالس ذکر بھی شامل ہو سکتے ہیں اور اس میں مجالس ذکر کا شامل ہونا خود نبی کریم ﷺ کی ارشاد سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن سہیلؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت



”وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْعَدْوِ وَالْعَشِيِّ“، ایسی حالت میں نازل ہوئی کہ آپ ﷺ اپنے گھر میں تھے تو آپ ﷺ اسی آیت کے نازل ہونے پر ان لوگوں (یعنی ان فقراء صحابہ کرامؓ) کی تلاش میں نکلے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں بعض لوگ ان میں بکھرے ہوئے بالوں والے تھے اور بدن کا چمڑا خشک تھا اور جسم پر صرف ایک ہی کپڑا تھا۔ جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِيَّ أَمْنِي مَنْ أَمَرَ نَبِيَّ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ روکوں“ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ الطبرانی)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا حضرت عبداللہ بن رواحہؓ پر گذر ہوا اور یہ اپنے دوستوں کو ذکر کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ تم ایک ایسی جماعت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو تمہارے ساتھ پابند رکھوں، اس کے بعد یہ آیت ”وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْعَدْوِ وَالْعَشِيِّ“، تک پڑھی پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو بے شک جتنی تعداد تمہاری یہاں بیٹھی ہے اسی تعداد کے برابر فرشتے (تمہارے ساتھ بیٹھے) ہوتے ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح (یعنی سبحان اللہ) پڑھتے ہو تو وہ بھی تسبیح پڑھتے ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کی حمد پڑھتے ہو (یعنی الحمد للہ پڑھتے ہو) تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اگر تم تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہتے ہو یا اللہ تعالیٰ کی بڑھائی بیان کرتے ہو) تو وہ بھی تکبیر کہتے ہیں پھر یہ فرشتے اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف چڑھتے ہیں جس کو ان فرشتوں سے زیادہ علم ہے تو یہ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار تیرے بندوں نے تسبیح پڑھی ہم نے بھی تسبیح پڑھی، تیرے بندوں نے اللہ اکبر کہا تو ہم نے بھی اللہ اکبر کہا، تیرے بندوں نے الحمد للہ کہا تو ہم نے بھی الحمد للہ کہا (اس کے بعد نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی یہ بات سن کر فرماتے ہیں: اے میرے ملائکہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے ان سب کی مغفرت اور بخشش فرمادی تو فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں تو فلاں فلاں بہت خطا کار ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”هُمْ الْقَوْمُ لَا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيسُهُمْ:“ (یہ ذکر کرنے والے) ایسی قوم ہے کہ ان کی وجہ سے ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم اور بد بخت نہیں ہوتا“ (رواہ الطبرانی)۔ قال ابی ہشیمؒ وفیہ محمد بن حماد الکوفیؒ وهو ضعیف، کذا فی مجمع الزوائد، جلد ۱۰، ص ۷۶) اس حدیث سے مجلس ذکر بھی ثابت ہے اور یہ بھی صراحتاً ثابت ہے کہ یہ مجلس تسبیح و تہلیل کی ہے۔

حضرت ثابت بنائیؒ کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ (حضرات صحابہ کرامؓ کی) ایک ایسی جماعت میں تھے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے کہ نبی کریم ﷺ ان پر گذرے تو یہ حضرات (ذکر اللہ) سے رک گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا تم کیا کر رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے

تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کرتے جاؤ میں نے رحمت کو دیکھا کہ تمہارے اوپر اتر رہی ہے تو میرا بھی دل چاہا کہ آ کر تمہارے ساتھ شرکت کروں، پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میری امت میں ایسے لوگ بھی پیدا کئے جن کے پاس بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا (حلیۃ الاولیاء، جلد ۱، ص ۴۲)۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مجلس جہری ذکر کی تھی ورنہ چپ رہنے کے کیا معنی؟ لہذا وہ ذکر جہر کر رہے تھے جیسے ہی آپ ﷺ آئے تو وہ ذکر سے چپ ہو گئے۔

## حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر جہر اور مجلس ذکر:

اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ط كُلُّ لَّهُ ۝ أَوَّابٌ ۝ ان (کفار و مشرکین کی نامناسب نامعقول باتوں اور بکواس) پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کو یاد کرو جو بڑا طاقتور تھا بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت رجوع کرنے (اور گرگڑانے) والا تھا بے شک ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر رکھا تھا کہ وہ ان کے ساتھ (شریک ہو کر) اشراق اور شام کے وقت تسبیح کیا کریں اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی (مسخر کر رکھا تھا) وہ بھی (تسبیح کرنے کیلئے ان کے پاس آ کر) جمع ہو جاتے تھے۔ اور یہ سب (پہاڑ اور پرندے وغیرہ) ان کے فرمانبردار تھے (یعنی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے) (سورۃ ص، ۱۹ تا ۲۷)۔

تقریباً اسی طرح کا مضمون سورۃ انبیاء، آیت ۷۹ میں بھی ہے نیز سورۃ سبا میں یہ بھی ہے کہ: ”وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ط يَجْعَلُ أَوْبَىٰ مَعَهُ وَالطَّيْرُ ج: بے شک ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت بخشی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑ واس (یعنی داؤد) کے ساتھ (تسبیح کو) دہراؤ اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی حکم دیا تھا“ (سبا، ۱۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر میں تسبیح دہرائیں، جیسا کہ اس کی تصریح پہلی آیتوں میں گذر چکی ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ مسخرنا لہ، بلکہ یوں فرمایا ہے کہ ”سَخَّرْنَا مَعَهُ“، ”معه“ سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح میں اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو بھی ان کا شریک بزم بنا دیا تھا۔ جب داؤد علیہ السلام اپنی تسبیح و حمد کرتے تھے تو وہ بھی ان کی ہمنوائی میں کرتے تھے۔ پہاڑوں اور پرندوں کے اس ذکر و تسبیح کے متعلق بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ جب آپ تسبیح کرتے تو پہاڑ گونج اٹھتے اور یہی گونج ان کی تسبیح تھی۔ یہ بالکل لغو اور فضول بات ہے کیونکہ پہاڑوں کی تسبیح (جس میں ان کے ساتھ پرندے بھی شامل ہوتے تھے) کو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک خصوصی انعام اور فضل کی حیثیت میں بیان فرمایا ہے اور اگر اس سے بازگشت اور گونج ہی مراد لیا

جائے تو اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہوئی بلکہ جو شخص بھی پہاڑوں اور گنبدوں میں بلند آواز سے بولے گا تو اس میں گونج پیدا ہوگی۔ خواہ وہ آواز دینے والا کافر ہی کیوں نہ ہو، بلکہ حق یہ ہے اور یہی قرآن مجید سے بالکل واضح ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ پہاڑ اور پرندے سب مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر و تسبیح کرتے تھے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک میں پتھروں نے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی اور جب وہ سوز و گداز اور عشق الہی میں ڈوبی ہوئی اپنی شریں آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے یا زبور پڑھتے تھے تو سارے ماحول میں عشق الہی کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور پہاڑ اور پرندے اڑنا بند کر کے وہ بھی ان کے ساتھ مل کر ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جاتے اور ان کے ساتھ تسبیح دہراتے تھے جیسا کہ تقریباً سارے مفسرین نے اس کے یہی معنی لئے ہیں۔ (دیکھئے روح المعانی اور ابن کثیر وغیرہ)۔ پہاڑوں درختوں پر پرندوں وغیرہ کا یہ ذکر ذکر جبری تھا ورنہ اگر پہاڑوں وغیرہ کا ذکر زبان حال سے ہوتا یا زبانِ قل سے خفی ہوتا تو اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت تھی وہ تو ویسے بھی قرآن مجید سے ثابت ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

## اجتماعی ذکر کے فوائد:

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر و شغل کی ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی تھی جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے۔ صوفیاء کرام کے یہاں ذکر و شغل کا ایک خاص طریقہ معروف ہے جس میں ذکر کرتے ہوئے یہ تصوّر کیا جاتا ہے کہ پوری کائنات ذکر کر رہی ہے۔ اصطلاح باطن اور شوقِ عبادت میں اس طریقہ کی عجیب تاثیر ہے اس آیت سے اس طریقہ ذکر کی بنیاد بھی مستنبط ہوتی ہے۔ (معارف القرآن، جلد ۷ ص ۴۹۶ تا ۴۹۷)۔

## مجلس ذکر کے متعلق احادیث شریفہ

قرآن مجید کی مذکورہ دو آیتوں اور اس کے تحت آنے والی روایات اگرچہ مجلس ذکر کی اہمیت اور اس کی مشروعیت اور جواز کیلئے کافی ہیں، پھر بھی یہاں چند احادیث کو پیش کیا جاتا ہے ان کو پڑھ لیجئے۔

## مجلس ذکر کی برکات:

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یقعد قوم یدکرون اللہ الا حفتہم الملائکۃ وغشیتہم الرحمة ونزلت علیہم السکینۃ وذکرہم اللہ فیمن عنده: جب کوئی قوم (یعنی کوئی جماعت اور کچھ لوگ) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کیلئے بیٹھتی ہے تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں (یعنی ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ذکر کرنے والوں کا تذکرہ اپنے پاس والوں میں کرتا ہے (صحیح مسلم، مشکوٰۃ)

یعنی مقرب فرشتوں وغیرہ میں ایسی جماعت کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ ذکر کرنے والی جماعت کی اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ مجلس ذکر کی خاص برکات اور کیفیات ہیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے:

اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت و سکینت اور قرب ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے (حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، ص ۷۰)۔

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کیلئے چار خاص نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رحمت الہی ان کو اپنی آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہے اور ان دونوں نعمتوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر تیسری نعمت ان کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کے قلب پر سکینت نازل ہوتی ہے جو عظیم ترین روحانی نعمتوں میں سے ہے۔ یہاں سکینت سے مراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان اور روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطیہ کے طور پر نصیب ہوتا ہے اسی کو اہل سلوک "جمیعت قلبی" بھی کہتے ہیں اس دولت اور نعمت کا صاحب سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے۔ اور ذکر بندوں کو ملنے والی چوتھی نعمت جس کا اس حدیث میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کے حلقہ میں ان ذکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ: دیکھو آدم ہی کی اولاد میں سے میرے یہ بھی بندے ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں اس کے باوجود محبت و خشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق و شوق اور کیسے سوز و گداز کے ساتھ میرا ذکر کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر فرمانا یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محروم نہ رکھے (آمین)۔

(فائدہ) اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملا کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ ذاکر اپنے قلب و باطن میں "سکینت" کی کیفیت محسوس نہ کرے (جو ایک محسوس کی جانے والی چیز ہے) تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ ابھی وہ ذکر کر کے اس



مقام تک نہیں پہنچ سکا ہے جس پر یہ نعمتیں موعود ہیں یا اس کی زندگی میں کچھ ایسی خرابیاں ہیں جو آثار ذکر کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ بہر حال اسے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ رب کریم کے وعدے برحق ہیں۔ (معارف الحدیث، جلد ۵، ص ۲۸ تا ۲۹)۔

## اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے مسجد میں ذاکرین کی جماعت پر فخر کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

حضرت معاویہؓ مسجد میں قائم ایک حلقہ پر پہنچے انہوں نے حلقہ والوں سے پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے انہوں نے کہا کہ ہم یہاں اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے کیلئے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کیا اللہ کی قسم؛ تم صرف ذکر اللہ ہی کیلئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم؛ ہمارے بیٹھنے کا کوئی اور مقصد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا دیکھو میں نے کسی بدگمانی اور تہمت کی بناء پر آپ لوگوں سے قسم نہیں لی ہے (یعنی تمہیں جھوٹا سمجھ کر تم سے قسم نہیں کھلوائی بلکہ میں نے آنحضرت ﷺ کی اتباع کے پیش نظر قسم کھلوائی ہے کہ آپ ﷺ نے بھی اسی طرح کہا تھا جیسا کہ آگے حدیث میں آتا ہے اور پھر معاویہؓ نے کہا) اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو نقل کرنے کے سلسلے میں میرے برابر کوئی نہیں (یعنی میں حدیثوں کے نقل کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا کوئی کمی و زیادتی نہ ہو جائے اس لئے دوسرے لوگوں کے نسبت میں بہت کم حدیثیں بیان کرتا ہوں وہ حدیث یہ ہے)۔ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے پاس پہنچے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا یہاں تمہیں کس چیز نے بٹھایا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہم یہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہے ہیں اور اس نے ہم کو جو ہدایت بخشی اور ایمان اور اسلام کی توفیق دے کر احسان عظیم فرمایا ہے اس پر اس کی حمد و ثنا کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی قسم تم صرف اسی لئے بیٹھے ہو۔ انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی قسم؛ ہم صرف اسی لئے بیٹھے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا؛ اما انی لم استحلفکم تہمة لکم ولکنہ اتانی جبرئیل فاخبرنی ان اللہ یشاہی بکم الملائکۃ: دیکھو میں نے کسی (جھوٹ وغیرہ) کی بدگمانی کی بناء پر آپ لوگوں سے قسم نہیں لی ہے بلکہ میرے پاس جبرائیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتے ہیں (صحیح مسلم وغیرہ دیکھئے مشکوٰۃ)۔

ملائکہ اور فرشتوں پر فخر کا مطلب:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: ”معملاً علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ لوگ باوجودیکہ نفس ان کے ساتھ ہے شیطان ان پر مسلط ہے شہوتیں ان میں موجود ہیں، دنیا کی ضرورتیں ان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں ان سب کے باوجود یہ لوگ اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اتنی کثرت سے ہٹانے والی چیزوں کے باوجود میرے ذکر سے نہیں ہٹتے۔ تمہارا ذکر و تسبیح اس لحاظ سے کہ تمہارے لئے کوئی مانع بھی ان میں سے نہیں ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے“۔ (فضائل ذکر، ۲۶ تا ۲۷)۔ اس سے مجالس ذکر کی اہمیت کا اندازہ لگائیے کہ لوگوں کا جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا و تسبیح کرنا، اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند ہے کہ وہ اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ایسے بندوں پر فخر کرتے ہیں اور ان سے اپنی رضا و خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی یاد اور اپنی یاد کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)۔

مجلس ذکر مسجد میں بھی جائز ہے:

نیز حضرت معاویہؓ کا گذر جن حضرات کے حلقہ پر ہوا ان کے بارے صراحت کے ساتھ یہ بیان ہے کہ وہ حلقہ مسجد میں جما ہوا تھا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”خرج معاویۃ علی حلقۃ فی المسجد: حضرت معاویہؓ مسجد میں جے ہوئے حلقہ پر پہنچے“۔ (صحیح مسلم)

## اہل الذکر اور مجالس ذکر کو فرشتے ڈھونڈتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی مجالس میں بیٹھنے والوں کی مغفرت فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو مجالس ذکر کو تلاش کرتے ہیں اور جب بھی وہ کسی جماعت یا قوم کو پالیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مطلب کو جلدی آؤ تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے ان لوگوں کو دنیا کے آسمان تک گھیر لیتے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں، حالانکہ وہ ان فرشتوں سے کہیں زیادہ اس بارے میں جانتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے جواب میں

عرض کرتے ہیں ”یسبحونک و یکبرونک و یحمدونک و یمجدونک: تیری تسبیح کرتے ہیں، اور تیری بڑائی بیان کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں اور عظمت کے ساتھ تجھے یاد کرتے ہیں۔“ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے، اس کے جواب میں فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم؛ انہوں نے تجھے نہیں دیکھا، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اچھا اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو پھر ان کا کیا حال ہوتا۔ فرشتے جواب میں عرض کرتے ہیں ”لور اؤک کانوا اشد لک عبادۃ و اشد لک تمجیداً و اکثر تسبیحاً: اگر وہ تجھے دیکھتے پھر تو بہت ہی زیادہ تیری عبادت اور بندگی میں لگ جاتے اور بہت زیادہ بزرگی اور عظمت کے ساتھ تجھے یاد کرتے اور تیری تسبیح بہت ہی کرتے۔“ پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ وہ بندے مجھ سے مانگتے کیا ہیں۔؟ فرشتے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں اللہ کی قسم؛ اے ہمارے پروردگار انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا، تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں اچھا اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو پھر ان کا کیا حال ہوتا، فرشتے کہتے ہیں اگر جنت کو دیکھ لیتے تو اسی (جنت) پر بہت حرص کرتے اور اس کو بہت زیادہ طلب کرنے والے ہوتے اور اس میں بہت زیادہ رغبت کرتے، پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ دوزخ سے، پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم؛ اے پروردگار انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا تو فرشتے جواب میں عرض کرتے ہیں اگر وہ اس کو دیکھ لیتے تو اس سے ڈر کی وجہ سے بہت زیادہ بھاگتے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان (مجلس والوں) کو بخش دیا پھر ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے یا اللہ ان ذکر والوں میں فلاں شخص تو ان ذکر والوں میں سے نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنے کسی کام کیلئے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کہ ”ہم الجلساء لایشقی جلسہم: یہ اہل ذکر، ایسے بیٹھنے والے ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت اور بے نصیب نہیں ہوتا“ (بخاری و مسلم)۔

اس طویل حدیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں نے ایک دوسرے سے معمولی فرق کے ساتھ نقل کیا

ہے اور مشکوٰۃ میں بھی یہ دونوں روایتیں موجود ہیں۔ اس حدیث سے چند امور معلوم ہو گئے۔  
..... مجلس ذکر اس قدر اہم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کو ڈھونڈتے رہتے ہیں اور اس کیلئے فرشتوں کی خاص جماعتیں مقرر ہیں۔  
..... اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ذات ہونے کے باوجود ان مجالس سے اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ ملائکہ سے بار بار ان کا حال پوچھتے ہیں، جیسا کہ کسی کا محبوب کسی کو یاد کرے تو عاشق بسا اوقات معلوم ہونے کے باوجود بار بار پوچھتا ہے، پھر کیا کہا، پھر کیا کہا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر پیار و محبت ہے، اس کو یاد کرنے والوں کے ساتھ اور مجالس ذکر کے ساتھ۔ اس کا اندازہ صاحب ذوق لوگ ہی لگا سکتے ہیں۔  
..... مجالس ذکر والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بخش دیتے ہیں، جنت دے دیتے ہیں اور جہنم سے بچا لیتے ہیں۔  
..... ذکر کرنے والوں اور مجالس ذکر میں بیٹھنے والا شخص بھی بے نصیب اور بد بخت نہیں ہوتا بلکہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ اگرچہ وہ خود ذکر نہ ہو بلکہ اپنی کوئی غرض لے کر بیٹھ گیا ہو۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فرشتے بھی ذکر کو ن کرایک دوسرے کو اس کے سننے کیلئے تداعی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ اور وہ مجلس بھی تہلیل و تسبیح کی ہوتی ہے، یہ نہیں کہ مجلس تو وعظ و نصیحت کی تھی مگر درمیان میں کسی نے ”سبحان اللہ“ کہا کیونکہ یہاں مجلس کا مقصد اور اس کا انعقاد ہی تسبیح و تہلیل ہے اور فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ کچھ پیش کیا ہے جو کچھ انہوں نے ان ذکرین سے سنا تھا۔  
..... اسی حدیث میں اچھی صحبت اور اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والی مجالس میں بیٹھنے کی ترغیب دی گئی ہے ..... مجالس ذکر میں حاضری کی ترغیب:

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم اس حدیث کو نقل کر کے اس کے تحت تحریر فرماتے ہیں، اس حدیث پاک سے ”مجالس ذکر“ میں حاضری کی ترغیب معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کی طرح اہل اسلام کو بھی ایسی مجالس کی تلاش و جستجو کرنی چاہیے تاکہ انہیں بھی اس رحمت سے حصہ ملے جو ان مجالس پر نازل ہوتی ہے۔  
..... ان مجالس سے مراد اجتماعی ذکر تسبیح و تکبیر وغیرہ کی مجالس ہیں:

حضرت مفتی صاحب آگے فرماتے ہیں کہ: ”یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان مجالس سے مراد وعظ و تقریر کی مجالس ہیں کیونکہ یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ اسی حدیث پاک میں آگے صراحۃً مذکور



ہے، ”یسبحونک ویکبرونک ویہللونک ویحمدونک ویستلونک“ اس سے اجتماعی ذکر تسبیح، تکبیر اور تہلیل وغیرہ کا ثبوت ظاہر ہے۔ ہاں ثانوی درجہ میں مجلس وعظ بھی مجالس ذکر کے حکم میں ہوں تو اس کا مضا ثقہ نہیں۔“

.....ان مجالس ذکر سے مراد وہی اجتماعی ذکر کی مجالس ہیں جو قصداً منعقد کی جائیں:

حضرت مفتی صاحب اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: ”نیز یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ یہ حدیث ایسی مجالس ذکر کے بارے میں ہے جن میں اجتماع کا قصد نہ ہو۔ بس ایسے ہی بیٹھے بیٹھے ذکر کرنے لگ گئے ہوں کیونکہ یہ دعوائے تخصیص بھی بلا دلیل ہے بظاہر حدیث پاک اپنے اطلاق و عموم کی وجہ سے دونوں قسم کی مجالس ذکر کو شامل ہے بلکہ آخر حدیث سے یہ عموم صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اصل تو اس مجلس ذکر میں وہی لوگ تھے جو قصداً مجلس میں شریک ہوئے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی تھے جو بلا قصد اس مجلس میں شامل ہو گئے تھے، جب فرشتوں نے بارگاہ خداوندی میں ایسے لوگوں کا غیر قصدی طور پر شامل ہونا عرض کیا تو ارشاد خداوندی ہوا کہ رحمت سب کو پہنچے گی ایسے لوگ بھی محروم نہیں رہیں گے، ”ہم القوم لایشقی بہم جلیسہم“ (مسلم شریف، جلد ۲، ص ۳۴۴) (خیر الفتاویٰ، جلد ۲، ص ۷۰۳ تا ۷۱۵)۔

## مجالس ذکر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے:

حضرت سلمان فارسیؓ ایک ایسی جماعت میں تھے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھی، اتنے میں ان کے پاس سے نبی کریم ﷺ گزرے تو یہ حضرات چپ ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر کئے جاؤ میں نے رحمت دیکھی ہے کہ تم پر اتر رہی ہے اور میں نے اچھا سمجھا کہ تمہاری اس رحمت میں شرکت کروں (حیۃ الصاحبہ، جلد ۳، ص ۲۸۲)۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ یہ مجلس ذکر تسبیح و تہلیل کی تھی اور سارے حضرات تہلیل و تسبیح میں مشغول تھے ورنہ اگر ایک آدمی بیان کرتا یا قرأت کرتا اور دوسرے لوگ سنتے پھر تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر واعظ یا قاری چپ ہو گیا۔ بلکہ وہاں الفاظ یہ ہیں کہ ”فکفوا“ یعنی (نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر تو وہ سب) حضرات ذکر سے رک گئے (حلیہ الاولیاء، جلد ۱، ص ۳۴۲) اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجتماعی ذکر جہراً تھا ورنہ چپ ہونا یا رک جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر وہ پہلے سے چپکے چپکے ذکر کر رہے تھے۔ نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر کئے جاؤ۔ تو معلوم ہوا کہ پہلے جہراً ذکر کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر چپ ہو گئے اس لئے نبی کریم ﷺ نے سوال کیا انہوں نے جواب دیا پھر آپ ﷺ نے ذکر کو شروع کرنے کا حکم فرمایا۔

## اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذکر کی مجلس والے عزت والے ہیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ اس مجمع (یعنی محشر میں اول تا آخر جتنے لوگ ہیں اس پورے مجمع) کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اہل کرم (یعنی عزت والے) لوگ کون ہیں؟ کسی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اہل کرم کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اہل مجالس الذکر: ذکر کی مجلس والے۔ (احمد، ابویعلیٰ وابن حبان، والبیہقی وغیرہم کذا فی الترغیب، جلد ۲، ص ۴۰۳)۔

## مجلس ذکر والوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور ان کی خطائیں نیکیوں سے بدل دی جاتی ہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ لایریدون بذالک الا وجہہ الا ناداہم مناد من السماء ان قوموا مغفوراً لکم قد بذلت سیئاتکم حسنات: جو بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے اکٹھے ہو جائیں اور ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہو تو آسمان سے ایک آواز دینے والا (یعنی فرشتہ) ندا (یعنی آواز) دیتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری خطائیں نیکیوں سے بدل دی گئیں (رواہ احمد وغیرہ دیکھئے ترغیب، جلد ۲، ص ۴۰۳ تا ۴۰۴)۔

گناہوں کا نیکیوں سے بدل جانے میں چند اقوال ہیں۔

..... خطائیں معاف ہو جاتی ہیں اور نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں۔

..... لوگوں کو برائیوں کی بجائے نیکیوں کی توفیق ہو جاتی ہے۔

..... ذکر اللہ کی وجہ سے ان لوگوں کے جذبات بدل جاتے ہیں اور برائیوں کی بجائے اچھے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

..... ان کو نیکیوں کی توفیق مل جاتی ہے اور پرانے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیز چونکہ توبہ بھی عبادت ہے اس لیے توبہ کی نیکی لکھی جاتی ہے۔

..... اللہ تعالیٰ مالک ہیں قدرت والے ہیں وہ جس سے راضی ہو جائیں اور جس کی ادا اس کو

پسند آجائے تو وہ اس کے گناہ معاف کر کے اس کے بدلے نیکیاں لکھ دیں، تو اس کی عطا کوروکنے والا کون ہے، اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف کر دیں اور ہم سے راضی ہو کر ہماری برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دیں۔ (آمین)

## مجلس ذکر والے قیامت کے دن موتیوں کے منبروں پر ہوں گے:

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض قوموں کا حشر اس طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے وہ نہ انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء۔ کسی بدوی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کا حال بیان کر دیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی و بلاد شتی یجتمعون علی ذکر اللہ یدکرونہ: یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں (رواہ الطبرانی باسناد احسن کذا فی الترغیب، جلد ۲، ص ۴۰۶)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اپنے رسالہ فضائل ذکر (جو فضائل اعمال یعنی تبلیغی نصاب میں داخل ہے) میں فرماتے ہیں:

آج خائفانہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں، آج انہیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بور یوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے جب وہ منبروں، بالا خانوں پر ہوں گے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔ (فضائل ذکر، ص ۳۴)۔

## مجلس ذکر کی غنیمت اور بدلہ جنت ہے:

فَسَوْفَ تَرَىٰ إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ  
أَفْرَسٌ تَحْتَ رَجْلِكَ ام حِمَارُ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ذکر کی مجلسوں کا مال غنیمت (یعنی بدلہ اور اجر) کیا ہے؟

۱۔ عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”غنیمۃ مجالس الذکر الجنة: مجلس ذکر کی غنیمت جنت ہے۔“ (رواہ احمد باسناد حسن کذا فی الترغیب، جلد ۲، ص ۴۰۵)۔

## مسجد میں مجلس ذکر اور صبح کی نماز کے بعد اشراق تک ذکر کرنے والوں کی فضیلت:

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک چھوٹی سی جماعت نجد کی طرف بھیجی اس جماعت نے بہت مال غنیمت جمع کیا اور جلد واپس آ گئی تو ایک شخص نے کہا جو اس جماعت میں نہیں گیا تھا کہ میں کوئی لشکر اتنا جلد واپس آنے اور اتنا زیادہ مال غنیمت جمع کرنے والا اس لشکر کی بہ نسبت نہیں دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا ادلکم علی قوم افضل غنیمۃ واسرع رجعة قوم شہدوا صلاة الصبح ثم جلسوا فی مجالسهم یدکرون اللہ حتی طلعت الشمس فاولئک اسرع رجعة وافضل غنیمۃ، کیا میں تمہیں ایسی قوم نہ بتاؤں جو غنیمت میں افضل اور بہت جلد لوٹنے والے ہیں؟ یہ وہ قوم ہے جو صبح کی نماز کو حاضر ہوئے پھر (جب صبح کی نماز پڑھی تو) اپنی جگہ بیٹھے رہے اور طلوع آفتاب تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے یہ لوگ جلد واپس آنے والے اور زیادہ غنیمت جمع کرنے والے ہیں (ترمذی وغیرہ دیکھئے حیاۃ الصحابہؓ، جلد ۳، ص ۲۸۰)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

”صبح سے طلوع شمس تک ذکر اللہ کرنے والی جماعت کے ساتھ بیٹھوں یہ مجھے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور عصر سے غروب شمس تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھوں یہ مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے،“ (مجمع الزوائد، جلد ۱۰، ص ۱۰۵)۔

صبح اور عصر کی مجلس ذکر سے یہی تسبیح و تہلیل و تکبیر کی مجلس ذکر مراد ہے۔ چنانچہ ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں (صبح کی نماز کے بعد) اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے بیٹھ جاؤں ”واکبرہ“، واحمدہ“ و اسبحہ“ و اهللہ“ یعنی اللہ اکبر کہوں، سبحان اللہ کہوں، اور الحمد للہ کہوں اور لا الہ الا اللہ کہوں۔ حتی کہ سورج نکل آئے یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں دو غلام اولاد اسماعیل علیہ السلام سے آزاد کروں اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک بیٹھوں یہ مجھے



اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ چار غلام اولاد اسماعیل علیہ السلام سے آزاد کروں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صبح کی نماز کے بعد سے لیکر طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل تحمید و تکبیر کہنے کے متعلق فرمایا کہ: یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اولاد اسماعیل علیہ السلام سے چار غلام آزاد کروں۔ (مجمع الزوائد، جلد ۱۰، ص ۱۰۴ تا ۱۰۵)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک تو یہ مجھے اس چیز سے زیادہ پسند ہے کہ جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اس طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کروں جو عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک ذکر کرتے ہیں یہ مجھے دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے زیادہ پسند ہے (بیہقی وغیرہ)۔

مذکورہ بالا ان حدیثوں میں بھی غور فرمائیں: نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تنہا فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک ذکر کیلئے بیٹھوں بلکہ یوں فرمایا ہے کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک۔ اس میں ذکر کی فضیلت کے ساتھ ساتھ جماعت کے ساتھ ذکر کی ترغیب بھی دی ہے اور مجلس ذکر کی فضیلت کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

## مجالس ذکر کو مضبوط پکڑو:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اپنے رسالہ فضائل ذکر میں لکھتے ہیں کہ: ”ایک حدیث میں ہے کہ مجالس پر جو سیکنہ (ایک خاص نعمت) نازل ہوتی ہے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں رحمت الہی ان کو ڈھانک لیتی ہے اور اللہ جل جلالہ عرش پر ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ ابورزینؒ ایک صحابی ہیں وہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ: تجھے دین کی تقویت کی چیز بتاؤں جس سے دونوں جہانوں کی بھلائی کو پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں، ان کو مضبوط پکڑو اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو اللہ کا ذکر کرتا رہے۔“ (دیکھئے فضائل ذکر، ص ۳۴)۔

## نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرامؓ سے مل کر جہراً لا الہ الا اللہ کا ذکر کرنا:

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں اور حضرت عبادہ بن صامتؓ اس واقعہ میں حاضر تھے وہ اس کی تصدیق کر رہے تھے، فرماتے ہیں کہ:

کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال هل فیکم غریب یعنی اہل الکتاب فقلنا لا، یا رسول اللہ فأمر اللہ بغلق الباب وقال ارفعوا یدیکم وقولوا لا الہ الا اللہ فرفعنا یدینا ساعة ثم وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ثم قال الحمد لله اللهم انک بعثتني بهذه الكلمة وأمرتني بها ووعدتني عليها الجنة وانک لاتخلف الميعاد ثم قال ابشرو ا قال الله عز وجل قد غفر لکم: ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی (غیر مسلم) اہل کتاب (یہود و نصاری) ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں تو آپ ﷺ نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا؛ اور فرمایا: کہ ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لا الہ الا اللہ چنانچہ ہم نے اپنے ہاتھ تھوڑی دیر اٹھائے رکھے (اور کلمہ طیبہ پڑھتے رہے) پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ نیچے کیا، پھر فرمایا کہ: الحمد للہ؛ اے میرے اللہ تو نے مجھے یہ کلمہ دیکر بھیجا ہے اور اس کلمہ (کی تبلیغ اور اس کے ورد کرنے) کا حکم دیا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے بے شک تم لوگوں کی مغفرت کر دی (رواہ احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرہما کذا فی الترغیب وقال الہیسمی رواہ احمد فیہ شداد بن داود وقد وثقه غیر واحد وفیہ ضعف وبقیة رجالہ ثقات قلت رواہ الحاکم فی المستدرک وقال الذہبی راشد ضعفه الدارقطنی وغیرہ وثقه رحیم، انظر الی حیاء الصحابہ، الجز الثالث، ص ۲۵۳، وبلوغ الامانی الجزء الثالث عشر، ص ۲۱۳-۲۱۴، و فضائل الذکر، ص ۷۳)۔

اس حدیث کے فائدے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں ”اس حدیث سے علماء نے مشائخ کا اپنے مریدین کی جماعت کو تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے، چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہے۔ حضور ﷺ کا صحابہؓ کو جماعتاً اور منفرداً ذکر کی تلقین کرنا ثابت ہے جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔ اس صورت میں کواڑوں کا بند کرنا مستفیدین کی توجہ تام کرنے کی غرض سے ہوا اور اسی وجہ سے اجنبی کو دریافت فرمایا کہ غیر کا مجمع میں ہونا حضور ﷺ پر تشبہ کا سبب اگرچہ نہ ہو لیکن مستفیدین کے تشبہ کا احتمال تو تھا ہی (فضائل ذکر، ص ۷۳)۔

اس حدیث کے تحت علامہ احمد الرحمن البناؒ فرماتے ہیں کہ:

وفیہ دلالة علی استحباب رفع الید عند قول لا الہ الا اللہ وجواز قولها جماعة والظاهر ان هذا اصل اجتماع الناس علی الذکر بقول لا الہ الا اللہ، واللہ اعلم: اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے کے ساتھ

۱۔ تشبہ کے معنی ہیں انتشار و افتراق یعنی توجہ کا دوسری طرف لگ جانا۔

ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ نیز اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس کلمہ کو اجتماعی طور پر پڑھنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کا اجتماعی طور پر لا الہ الا اللہ پڑھنے کیلئے یہ حدیث اصل ہے (بلوغ الامانی، جلد ۳، ص ۲۱۳ تا ۲۱۴)۔

## مجلس ذکر میں ایمان ترقی کرتا ہے:

مجلس ذکر یا دالہی اور ایمان میں ترقی کا ذریعہ ہیں چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اپنے ایمان کو تازہ کرو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کس طرح ایمان کو نیا (اور تازہ) کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ کثرت سے کہا کرو (اخرج احمد والطبرانی قال الہیثمی رجال احمد ثقات وقال المنذری فی الترغیب اسناد احمد حسن کذا فی حیاة الصحابہؓ، جلد ۳، ص ۱۴)۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ملتے تو فرماتے اے عویمر تھوڑی دیر بیٹھو کہ ہم ذکر کریں، چنانچہ ہم بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ فرماتے کہ یہ ایمانی مجلس ہے۔

اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالکؓ سے بھی منقول ہے اور جب نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن رواحہؓ لوگوں کو ایمان کی تازگی اور مجلس ذکر کی ترغیب دیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابن رواحہؓ پر رحم کرے بیشک وہ ایسی مجالس کو محبوب رکھتا ہے جن پر ملائکہ بھی فخر کرتے ہیں (اخرج احمد باسناد حسن کذا فی الترغیب، جلد ۳، ص ۶۳، حیاة الصحابہؓ، جلد ۳، ص ۱۳)

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے ساتھیوں میں کسی ایک یا دو کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے ہمارے ساتھ تیار ہو جاؤ تاکہ ہم ایمان میں زیادتی کریں، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ذکر کرتے (اخرج ابن ابی شیبہ والاکسانی فی السنة کذا فی الكنز، جلد ۱، ص ۲۰۷، حیاة الصحابہؓ، جلد ۳، ص ۱۴)۔ حضرت اسود بن ہلالؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہؓ کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے ہم سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ ہم ایک گھڑی ایمان کو تازہ کریں (اخرج ابو نعیم فی الحلیہ، جلد ۱، ص ۲۳۵، حیاة الصحابہؓ، جلد ۳، ص ۱۴)۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا مل کر جہراً سبحان اللہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھنا:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

ہم سعد بن معاذؓ کی وفات پر (نماز جنازہ کیلئے) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے پس جب آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو قبر میں رکھ دیا گیا اور ان کی قبر برابر کر دی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے تسبیح یعنی (سبحان اللہ) پڑھی (آپ ﷺ کو دیکھ کر) ہم بھی دیر تک تسبیح کرتے رہے، پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی ان کے ساتھ تکبیر پڑھی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تسبیح اور تکبیر کیوں پڑھی، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (تسبیح و تکبیر کی وجہ سے) تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرمادی۔ (رواہ احمد دیکھئے مشکوٰۃ باب اثبات عذاب قبر)۔

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ سعد بن انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابیؓ اور ممتاز صحابہ کرامؓ میں سے تھے غزوہ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انھیں حاصل تھی۔ ۵ھ میں ان کا وصال ہوا اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازہ میں شرکت کی اور آسمان کے دروازے ان کیلئے کھولے گئے۔ باوجود اس کے قبر کی تنگی سے ان کو بھی واسطہ پڑا (اگرچہ فوراً وہ اٹھالی گئی)۔ اس میں ہم جیسوں کیلئے بڑا انتباہ اور سبق ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْنَا اَللّٰهُمَّ اَحْفَظْنَا (معارف الحدیث، جلد ۱، ص ۲۰۰)۔

## ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا وما رياض الجنة قال حلق الذكر: جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو خوب چرو (یعنی خوب پھل اور میوے کھاؤ) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ذکر کے حلقے۔“ (ترمذی دیکھئے مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل وتقرّب الی اللہ)۔

مساجد میں ذکر کی مجالس اور ان میں چرنے اور لگ جانیکی ترغیب

اور ان میں چرنا کیا ہے؟ وہ تہلیل و تسبیح وغیرہ ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا، قيل يا رسول الله وما رياض الجنة؟ قال



المساجد قیل وماالرتع یا رسول اللہ، قال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر: جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو خوب چرو (یعنی خوب پھل کھاؤ) کسی نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجدیں (پھر) کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان میں چرنا (اور پھل اور میوے کھانے کا مطلب) کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (ترمذی دیکھئے مشکوٰۃ باب المساجد)۔

## حضرت عمرؓ کی جہری اور اجتماعی دعا:

مولیٰ ابوسعیدؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ عشاء کے بعد مسجد کا چکر لگاتے اور اس میں نفل پڑھنے والوں کے سوا اور لوگوں کو نکال دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دن حضرت عمرؓ کا گزرا ایک ایسی جماعت پر ہوا جن میں حضرت ابی بن کعبؓ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا تم لوگ کون ہو، حضرت ابیؓ نے کہا اے امیر المؤمنین آپ کے گھرانے کے کچھ لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نماز پڑھنے کے بعد کیوں مسجد میں ٹھہر گئے ہو، تو ابی بن کعبؓ نے عرض کیا ”جلسنا نذکر اللہ: ہم بیٹھے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں“ تو حضرت عمرؓ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے پھر ان میں سے جو ان کے پاس زیادہ قریب بیٹھا تھا ان سے فرمایا دعا شروع کرو تو اس نے دعا کی پھر ایک ایک آدمی کو لیتے وہ سب دعا کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ نوبت مجھ تک پہنچ گئی (یعنی راوی مولیٰ ابوسعیدؓ کا نمبر آ گیا) وہ کہتے ہیں اور میں ان کے پہلو میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شروع کرو تو میں رک گیا۔ اور خوف کی وجہ سے مجھ پر کپکپاہٹ طاری ہوئی اور اس کو حضرت عمرؓ نے بھی محسوس کیا اور فرمایا کہ (تھوڑا سا کہدو) اگرچہ اتنا ہی کہہ دو کہ اللھم اغفر لنا، اللھم ارحمنا: اے اللہ ہمیں بخش دے، اے اللہ ہم پر رحم فرما۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دعا مانگنی شروع کی۔ روای کہتے ہیں: ما کان فی القوم اکثر دمعۃ ولا اشد بکاء منه: قوم میں سے کوئی بھی ان سے زیادہ آنسو بہانے والا اور ان سے زیادہ سخت رونے والا آدمی نہ تھا“ اس کے بعد فرمایا اب چلے جاؤ (حیاء الصحابہؓ جلد ۳ ص ۳۳۱)۔ اس روایت میں اجتماعی ذکر بھی ہے اور اجتماعی دعا بھی ہے بلکہ حضرت عمرؓ کا سخت رونا اور سخت رونے کی حالت میں دعا کے جو جملے نکلے ہیں وہ شدید جہر کے ساتھ ہوتے ہیں۔

## صحابہ کرامؓ کی جہری اور اجتماعی دعائیں اور اذکار:

ابو ہیرہؓ سے روایت ہے کہ:

حبیب بن مسلمہ بن فہریؓ مستجاب الدعوات تھے ایک دفعہ یہ ایک لشکر کے امیر مقرر ہوئے اور سرحد پار کر چکنے کے بعد جب دشمنوں سے ملے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے رسول اللہ

ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ: لا یجتمع ملاء فیدعو بعضهم ویؤمن سائرهم الا احباہم اللہ: جب کوئی جماعت جمع ہوتی ہے اور ان میں سے بعض دعا کریں اور باقی لوگ آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے اس کے بعد اس نے (یعنی حبیب بن مسلمہ بن فہریؓ) نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور کہا: اللھم احفظ دماننا واجعل اجورنا اجور الشہداء: اے اللہ ہمارے خون کی حفاظت فرما اور ہمیں شہداء جیسے اجرد دے، راوی کہتا ہے کہ ہم لوگ ابھی اسی حال میں تھے کہ اچانک دشمنوں کا امیر آیا اور حضرت حبیب بن مسلمہؓ کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ (رواہ الطبرانی در جالہ رجال الصحیح غیر ابن لہیعۃ وھو حسن حدیث کذا فی مجمع الزوائد، جلد ۱۰، ص ۱۷۰)۔ اس روایت سے اجتماعی دعا جہری دعا جس پر آمین کہی جائے اس کی ترغیب موجود ہے۔

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ:

کان انس بن مالکؓ اذا ختم القرآن جمع اہلہ ودعا: حضرت انس بن مالکؓ جب قرآن مجید کو ختم کرتے تو اپنے اہل و عیال کو جمع کرتے اور دعا کرتے (المثنقی المختار، ص ۹۳ بحوالہ ابوداؤد) نیز حضرت ثابت سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے اہل اور اولاد کو جمع کرتے اور ان کیلئے دعا کرتے (رواہ الطبرانی رجالہ ثقات مجمع الزوائد، جلد ۳، ص ۱۷۲)۔

مجاہدؓ سے روایت ہے کہ:

کانوا یجتمعون عند ختم القرآن یقولون تنزل الرحمة: وہ (یعنی صحابہ کرامؓ وغیرہ) قرآن مجید کے ختم کے وقت جمع ہو جاتے تھے اور کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے (المثنقی المختار، ص ۹۴)۔

یہ چند احادیث اور روایات مجالس ذکر کے متعلق ذکر کی گئیں جن سے یہ معلوم ہوا کہ مجالس ذکر سے حقیقۃً اور اصل مراد یہی تسبیح و تہلیل وغیرہ کی مجالس ہیں جیسا کہ احادیث میں جگہ جگہ کہا گیا اور مجازاً اس میں وہ تمام مجالس شامل ہیں جن میں اللہ کو کسی نہ کسی طرح یاد کیا جاتا ہے، خواہ تعلیم و تدریس ہو، حلال و حرام بیان کرنے کی مجلس ہو لیکن کس قدر ظلم اور زیادتی ہے کہ مجلس ذکر کی فضیلت سے ذکر اللہ تہلیل اور تسبیح کی مجلس تو نکال دی جائے جس کے متعلق یہ ساری فضیلتیں آئی ہیں اور یہ کہا جائے کہ بس ان مجالس سے مراد صرف تعلیم و تدریس کی مجالس ہیں۔ ایسا رویہ رکھنے والوں سے درخواست یہ ہے کہ وہ مجالس ذکر کی اہمیت کو نہ گھٹائیں اور اپنی آخرت کو برباد نہ کریں اگر انہی فضیلتوں کو دوسرے تعلیمی مجالس کے حق میں بیان کریں تو پھر عوام کو یہ بھی سمجھائیں کہ یہ فضیلتیں اگرچہ مجالس ذکر کیلئے ہیں لیکن ان میں تعلیمی مجالس بھی داخل ہیں۔

جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توہین ہوتی ہے یا کسی کی غیبت یا جھوٹ بولا جاتا ہے یا غلط حدیث بیان کی جاتی ہے وہ مجالس ذکر میں داخل نہیں:

یہاں ایک بات کی نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک یا رسول اللہ ﷺ پر ایسے انداز میں درود شریف پڑھنا جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توہین ہو رہی ہے یا سونے والوں کی نیند کو خراب کیا جاتا ہو، جیسا کہ بعض مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر ساری ساری رات تلاوت ہوتی رہتی ہے اور ذکر تہلیل و تسبیح کی جاتی ہے جیسا کہ انشاء اللہ اس کا بیان آجائے گا تو ایسی صورت میں یہ مجالس، مجالس ذکر میں شامل نہیں بلکہ وہ تو دوسروں کی ایذا پہنچانے اور حدود شرعی سے تجاوز کی وجہ سے ناجائز اور کارگناہ بن جائے گی۔ اسی طرح آج جو بعض لوگ تقریریں کرتے ہیں اور تعلیم اور قرآن مجید کے ترجموں وغیرہ میں یا تو جھوٹ بولتے ہیں یا اپنے مخالفوں پر بہتان باندھتے ہیں یا اسلاف کی توہین اور تحقیر کرتے ہیں یا بادشاہوں اور اپنے قائدین کی تعریف میں مسجدوں میں نعرے لگاتے ہیں اور ان کی بے جا تعریفیں کرتے ہیں۔ یہ ساری وہ باتیں ہیں جو ان مجالس میں نجاست ڈال کر ان مجالس کو پلید اور گندہ کر دیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ مجالس ذکر سے خارج ہو جاتی ہیں اور ایسی غلطی کرنے والے اپنی آخرت کو برباد کر رہے ہیں بلکہ علماء جمعہ اور عید کے خطبہ کے متعلق بھی یہ فرماتے ہیں کہ اس میں نامناسب باتیں ہو جائیں تو وہ ذکر میں شامل نہیں ہو سکتیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور جو نماز جمعہ کیلئے شرط ہے اور جس کے بغیر نماز جمعہ بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ علامہ زحمتیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ماکان من ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والثناء علیہ وعلی خلفائہ

الراشدین و اتقیاء المؤمنین الموعظة والتذکیر فهو فی حکم ذکر اللہ فاما

ماعداد ذالک من ذکر الظلمة والظاہم والثناء علیہم والدعاء لہم و ہم

احقّاء بعکس ذالک فمن الشیطان و هو من ذکر اللہ علی مراحل..... الخ :

رسول اللہ ﷺ کا جو ذکر اس پر ثناء اور اس کی تعریف اور آپ ﷺ کے خلفاء، خلفائے

راشدین پر اور پرہیزگار مؤمنوں پر ثناء اور ان کی مدح، تعریف کرنا اور وعظ، نصیحت (یہ

سب کچھ) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے حکم میں ہیں اور اس کے علاوہ ظالم حکمرانوں کی مدح و ثناء

یا انکو (بے جا بڑے بڑے القاب دے دینا اور ان کیلئے دعا کرنا حالانکہ وہ اس کے برعکس

۱۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ یہ سب ہتھیٹا ذکر ہیں بلکہ یوں فرمایا کہ ”فی حکم ذکر اللہ“ ذکر الہی کے حکم میں ہیں۔

معاملہ کے لائق ہوں) تو ایسا خطبہ ذکر اللہ کے بجائے ذکر شیطان ہے اور (ایسے خطبہ کا) ذکر اللہ سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں (تفسیر کشاف، جلد ۴، ص ۹۸ تا ۹۹، تفسیر کبیر، جلد ۳، ص ۱)۔

ذکر جہری اور مجالس ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیتوں اور سینکڑوں احادیث سے ثابت ہیں:

گزشتہ صفحات میں جہری ذکر اور مجالس ذکر کے متعلق قرآن مجید کی جو دس سے زائد آیتیں پیش کی گئیں اور سینکڑوں روایتوں اور حدیثوں میں سے جو ساٹھ سے زائد حدیثیں پیش کی گئیں اور اس کے متعلق علماء کرام کے حوالے دیکھے گئے ہیں یہ سب کچھ بطور نمونہ ہیں ورنہ اگر قرآن مجید کے متعلق آیتوں کو جمع کیا جائے اور ان تمام احادیث اور آثار کو جمع کیا جائے جس سے جہر صراحۃً یا التزاماً یا ضمناً و اشارۃً ثابت ہے تو صرف ان آیتوں اور حدیثوں سے بھی ایک ضخیم کتاب بن جائیگی۔

لحہ بر فکر یہ:

آخر آپ خود غور کریں اور مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کو دیکھیں کیا انہوں نے کبھی جہر اُدعائیں نہیں مانگیں؟ کیا انہوں نے کبھی جہر اُتلاوت و ذکر نہیں کیا؟ مکہ مکرمہ جائیں وہاں طواف کے دوران دیکھیں مسجد ہے بلکہ تمام مساجد سے افضل مسجد ہے اس میں ذکر کی گونج ہے۔ اور یہ گونج دن رات ہوتی رہتی ہے۔ ملترم پر دیکھیں لوگ گڑ گڑاتے ہیں مطاف اور صفا مروہ میں دیکھیں اور یہ سلسلہ اب سے نہیں شروع ہوا بلکہ عہد مبارک سے چلا آ رہا ہے لیکن جہر کے ساتھ ہمارے بعض دانشوروں نے جو معاملہ کیا اور اس کو شجرہ ممنوعہ قرار دے دیا کہ مسلمانوں کے دل سے شوق ذکر نکل گیا اور عید الانحیٰ میں نماز عید کو جاتے وقت لوگ گونگے بہروں کی طرح جاتے ہیں اور مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں تبلیہ کی چیخ و پکار میں بھی وہ زور نہ رہا۔

البتہ انسانوں کے نام بلند کرنے اور اپنی جماعتوں کے نام بلند کرنے میں ایسا زور لگایا جا رہا ہے گویا یہی اصل دین ہے۔ مسجدوں میں زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں وہ بھی جہر معتدل کے ساتھ نہیں بلکہ جہر مفرط اور اس سے بڑھ کر جہر موذی ہوتا ہے آوازوں سے گلے بیٹھ جاتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکروں پر نعرے بلند ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کان بند ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ افضل الذکر لا الہ الا اللہ کے بجائے خرافات اور بکواسی تقریریں جابلوں کے بیانات جو کہ حد حرام تک پہنچ گئی ہیں ان کو افضل الذکر قرار دیا جاتا ہے، اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کا نام لینے والوں پر فقرے کسے جاتے ہیں۔ جس سے نقصان یہ ہوا کہ مجالس ذکر اور مجالس تہلیل و تسبیح کا فقدان ہو رہا ہے اور اس فقدان سے انفرادی طور پر بھی تسبیح و تہلیل اور ذکر و تلاوت میں بھی کمی



آنی شروع ہوگئی ہے کیونکہ عوام کو یہ باور کرایا گیا کہ بس بولو، بیان کرو، پڑھو، پڑھاؤ۔ یہی اصل ذکر ہے تو اس کی وجہ سے ذکر اللہ جو اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کے ساتھ سچی محبت کا ذریعہ ہے اس کے راستے مسدود ہونے لگے، گھر میں بچے، مدارس میں طالب علم، عوام، خواص کے عمل کو دیکھ کر عمل سیکھتے ہیں پہلے پہل مدارس میں مسلمانوں کے گھروں کے چھوٹے بچوں اور عوام کی زبانیں ذکر سے تر رہتی تھیں کردار کے بلند تھے اور جب سے بیانات کا یہ نزاع ذکر شروع ہوا ہے خواص کے بجائے عوام بھی ماہرین بیانات، اور اعمال کے کورے بن گئے۔ جس کی وجہ سے لوگ عمل کے بجائے باتوں کے سیلاب میں بہہ گئے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ سے وہ تعلق نہ رہا جو ہونا چاہیے اور جب اللہ تعالیٰ سے کٹ گئے اور دنیا اور نفس پرستی میں مشغول ہو گئے تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ کیونکہ وہ تاریخی ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے مسلمان جڑے ہوئے تھے وہ دھاگہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی تعلیمات اور دستور زندگی سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ پھر مسلمانوں کی آبادیوں میں ذکر الہی، تلاوت، تسبیح و تہلیل کی فضا قائم ہو جائے اور دل اللہ تعالیٰ سے مضبوط جڑ جائیں اور پوری تعلیمات الہی کو اپنے اوپر اور تمام انسانوں پر نافذ کرنے کی کوشش میں لگ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کو اپنا کردار بنالیا و آخرت کی کامیابیوں کو حاصل کریں (آمین)۔

## ذکر و تلاوت سے کسی دوسرے ذکر، نمازی، قاری یا کسی دوسرے مسلمان کو اذیت و تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے:

جہری ذکر و تلاوت سے شیطان، منافق اور کافر پریشان تو ہو ہی جاتا ہے جب کسی کا فریا منافق سے یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ دین کا مذاق اڑائے گا یا کوئی اذیت پہنچائے گا پھر تو جہر کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ البتہ اگر مذکورہ بالا خطرہ ہو پھر ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ“ اور ”..... وَالْأَصَالُ وَلَا تُكْنُ مِنَ الْغَفْلِينَ“ کی آیتوں کی روشنی میں وقت کے تقاضے کے مطابق ذکر و تلاوت میں مشغول رہو، البتہ اگر کسی مسلمان کو آپ کے ذکر سے تکلیف ہو مثلاً وہ نماز پڑھ رہا ہے اور آپ کی تلاوت سے اس کی تلاوت میں خلل پڑتا ہے یا وہ بھی جہر تلاوت کرتا ہے اور آپ بھی نوافل میں مشغول ہیں لیکن اگر آپ اس سے زیادہ جہر کرتے ہیں تو اس کی تلاوت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے یا کوئی سو رہا ہے یا کوئی قرات کر رہا ہے اور لوگ سن رہے ہیں تو ذکر جہر سے اس کی قرات میں خلل آ جاتا ہے تو ایسی صورت میں چونکہ مسلمان کو ایذاء و تکلیف پہنچتی ہے اس لئے شریعت مطہرہ کا حکم یہی ہے کہ کسی کو بلا وجہ تکلیف نہ پہنچائے تو ایسی صورتوں میں جہر کے بجائے آہستہ آواز کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے یا ایسے جہر سے ذکر کرنا چاہیے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں مختلف تھے تو آپ ﷺ نے سنا کہ صحابہ کرام جہر (یعنی بلند آواز سے) قرات و تلاوت کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے (اپنے خلوت خانے کے) پردے کو ہٹایا اور فرمایا:

الا کلکم مناج ربہ فلا یوذین بعضکم بعضاً ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرآۃ اوفی الصلاۃ: خبر دار تم میں سے ہر ایک اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات (اور سرگوشی) کرنے میں مشغول ہے لہذا ایک دوسرے کو ایذاء و تکلیف نہ پہنچاؤ اور قرات میں یا (آپ ﷺ نے یوں فرمایا) نماز میں ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کیا کرو (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد ۱، ص ۱۸۸)۔

اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ جہری ذکر ممنوع ہے۔ ”حاشا وکلاً“ حدیث کے الفاظ کو دیکھ لیجئے وہ یہی بتا رہے ہیں کہ تلاوت و ذکر جہر اور بلند آواز کے ساتھ جائز ہے، البتہ ایک دوسرے کی مناجات اور سرگوشی میں خلل ڈال کر ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ آپ ﷺ خود بھی مختلف تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام بھی اعتکاف کیلئے بیٹھے تھے، تو رات کے وقت یا کسی وقت وہ مسجد میں تلاوت کرتے تھے اور یہ تو معلوم ہے کہ عہد مبارک میں چھپا ہوا قرآن مجید تو تھا نہیں بلکہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ نماز کے بغیر بھی بن دیکھے یاد سے قرآن کی تلاوت کی جاتی۔ ایسی صورت میں ایک دوسرے پر آواز اٹھانے کی وجہ سے نماز میں بھی خلل آ جاتا ہے اور دوسرے قرات و تلاوت میں بھی۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے جہاں یہ فرمایا کہ دوسرے پر آواز بلند نہ کیا کرو یعنی اگر آواز سے بھی پڑھو تو ایسے انداز میں نہ ہو کہ دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ آپ ﷺ نے اپنے اس حکم کی علت اور وجہ خود متعین فرمائی۔ وہ یہ کہ اپنے جہری ذکر و تلاوت کی وجہ سے دوسرے ذکر، نمازی، قاری کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ بندہ کے خیال میں حدیث کے الفاظ اتنے صاف ہیں کہ ان کو دیکھ کر ایک ادنیٰ عقل والا اور عام شخص بھی اس کا مطلب یہ نہیں لے گا کہ بلند آواز سے تلاوت و ذکر جائز نہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی کو تکلیف نہ ہو تو رفع الصوت یعنی بلند آواز کے ساتھ بھی ذکر و تلاوت جائز ہے۔

## مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ اور احکام الذکر والدعاء:

..... مقصود یاد الہی ہے اور انسان کے سارے اعمال کی جان و روح یہی یاد الہی ہے۔

..... خفیہ، سر اور جہر، یہ اس یاد کی صورتیں اور شکلیں ہیں۔

..... جس موقع پر شریعت مطہرہ نے جہر کی تعلیم دی ہے، مثلاً تکبیرات تشریق، تلبیہ یا امام کیلئے

صبح، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں جہری تلاوت تو ایسی صورتوں میں جہر واجب یا مسنون

ہوتا ہے اس کا خلاف صحیح اور درست نہیں اور جہاں شریعت مطہرہ نے سر یعنی خفیہ ذکر کی

تعلیم دی ہے مثلاً ظہر اور عصر کی نمازوں میں چپکے چپکے تلاوت کی جاتی ہے یا رکوع میں

”سبحان ربی العظیم“ اس طرح جواز کا نماز میں خفیہ اور چپکے چپکے پڑھے جاتے ہیں ان کا چپکے چپکے پڑھنا واجب یا مسنون ہے ایسے موقع پر سر کے بجائے جہر کو اختیار کرنا بھی درست نہیں۔

..... جہاں شریعت مطہرہ نے نہ چپکے چپکے ذکر کا حکم کیا ہے اور نہ جہر کرنے کا۔ وہاں دونوں صورتیں خواہ سر ہو یا جہر ہو خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے بلا کسی تکلیف کے ثابت ہیں اور ایسی صورت میں جہر معتدل کے جواز پر بھی سب کا اجماع اور اتفاق ہے۔ اور جہر معتدل کو بلا وجہ بدعت یا ناجائز کہنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ اور ایسا شخص حلال و حرام اور بدعت وغیرہ احکامات کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لینے کا مجرم اور شرک فی الاطاعت کے جرم میں مبتلا ہے۔

..... دُعا کا ادب یہ ہے کہ اس میں آواز زیادہ اونچی نہ کی جائے البتہ اگر مجمع میں دعا کرنی ہے تو مجمع کے مطابق آواز نکالنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر اکیلے میں دعا ہو تو خفیہ یا قدر جہر سے گڑگڑا کر شروع کی تھی یا آخر گریہ و زاری کی شدت سے آواز زیادہ اونچی ہوگئی تو بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ قصداً ایسا کرنا آداب دعا کے خلاف ہے اسی طرح تلاوت اور ذکر اگر جہر کرنا ہو تو اس میں بھی اعتدال ہونا چاہیئے۔ البتہ اگر دین کے اظہار کیلئے ہو یا دشمن کو مرغوب کرنے کیلئے ہو یا اپنے وساوس اور خطرات کو دفع کرنا مقصود ہو یا قاری لوگوں کو قرآن مجید سنارہا ہو یا کوئی ذکر کی تعلیم دے رہا ہو کہ فلاں فلاں دعا ایسی فلاں فلاں وقت یہ کلمات پڑھا کریں تو اس میں اگر آواز زیادہ اونچی ہوگئی تو یہ بھی جائز ہے۔

..... بلا ضرورت بلند آواز یعنی چلا نے اور پکارنے کی آواز جیسا کہ اذان یا تبلیہ میں پوری قوت سے آواز بلند کی جاتی ہے اسی طرح بلند آواز کے ساتھ ذکر و تلاوت اگر بلا ضرورت اور بلا کسی مصلحت کے ہو تو ذکر جہر کی اسی صورت میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء اس کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جہاں تک ذکر کی آواز جاہنگی وہاں تک کے ہر خشک و تر چیز قیامت میں اس کیلئے گواہ بنے گی اور اس کے عمل کی گواہی دے گی۔ اور ”دون الجہر“ اور ”ولاتجہر بصلاحتک ولا تخافت بها“ اور ”اربعوا“ والے جیسے نصوص کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ ان میں جہر معتدل کی جو تعلیم ہے اس کی بنیاد بھی شفقت ہے یا وہ اس وقت مصلحت کے خلاف تھا۔ جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔ لیکن قرآن و سنت کی رو سے

صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ذکر و تلاوت سب کے آداب یہی ہیں کہ وہ جہر معتدل کے ساتھ ہو یا خفیہ ہو لیکن اگر کسی وقت آواز اونچی بھی ہو جائے تو بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ضرورت اور مصلحت کے پیش نظر تو کبھی یہی بلند آواز مسنون اور کبھی جائز قرار پاتی ہے۔ اور ضرورت اور مصلحت کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔ نیز غلبہ شوق کی وجہ سے یا الحاح و زاری میں بے اختیار زیادہ آواز بلند ہو جائے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور اسکے بغیر عام حالات میں زیادہ بلند آواز کے ساتھ ذکر نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔

..... اگر جہر تلاوت اور ذکر ایسے انداز میں ہو جس سے ذکر و تلاوت کی بے ادبی نمایاں ہو رہی ہو۔ یا اگر جہری ذکر و تلاوت کی وجہ سے کسی ذکر مثلاً نمازی یا دوسرے تلاوت کرنے والے وغیرہ کے ذکر و نماز میں خلل آجاتا ہے یا کسی سونے والے کی نیند خراب ہو جاتی ہے یا کسی مریض کو نقصان پہنچتا ہے یا خود ذکر کو زیادہ جہر سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو ایذا رسانی کی وجہ سے اس ذکر و تلاوت کو ذکر مضر کہا جاتا ہے جس کے ناجائز ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

..... جس موقع پر ذکر تو منقول ہو لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس موقع پر جہر ثابت نہ ہو تو اس وقت صفت جہر کو اختیار کرنا حضرت امام حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدعت ہے کیونکہ جہاں ذکر تو منقول ہے لیکن پھر بھی نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر جہر نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی جہر کو اختیار کرتا ہے تو وہ ذکر کے ساتھ صفت جہر کو بھی عبادت مقصودہ کا اعتقاد رکھے گا اور ایسے موقع پر یہی اعتقاد ایک نیا اعتقاد ہے جو بدعت ہے اس کی مثال عید الفطر کی نماز کو جاتے وقت ذکر اور تکبیر کہنا ہے کہ یہ ذکر کا موقع تو تھا جیسا کہ عید الاضحیٰ کی نماز کو جاتے ہوئے جہر تکبیریں کہی جاتی ہیں لیکن نبی کریم ﷺ نے جہر تکبیریں نہیں کہی ہیں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عید الفطر کے وقت جہری تکبیریں کہنا بدعت ہے۔ تکبیرات تشریق حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف آٹھ نمازوں میں ثابت ہے وہ صرف انہی نمازوں میں ان کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس سے زیادہ نمازوں میں تکبیریں کہنے کو بدعت کہتے ہیں یہ بھی اس لئے کہ جو شخص یہ زائد تکبیریں کہے گا واجب اور مسنون سمجھ کر کہے گا حالانکہ جب اس کا وجوب یا مسنون ہونا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں تو یہ مسنونیت کا اعتقاد ایک نیا اعتقاد ہے جو بدعت ہے لیکن دوسرے ائمہ جن میں امام ابو حنیفہؒ کے دو عظیم شاگرد بھی شامل ہیں یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک



ایسے مواقع میں بھی جہر جائز ہے۔

..... ذکر الہی عبادت مقصودہ اور کارِ ثواب ہے رہا سر و جہر اور خفی وغیرہ یہ سب اس کی صورتیں شکلیں اور اقسام ہیں اور ان صورتوں میں یاد الہی ادا ہو جاتی ہے۔ لہذا ذکر اور یاد الہی کو کسی ایک شکل و صورت میں منحصر نہیں سمجھنا چاہیے مثلاً ذکر جہری کو تو ذکر کہا جائے اور ذکر سری کو ذکر ہی نہ سمجھا جائے یا جس موقع پر شریعت مطہرہ نے جہر یا سر کی کوئی صورت مقرر نہیں فرمائی ہو اس موقع میں خارجی وجہ و اسباب کے بغیر کسی ایک صورت مثلاً سر یا جہر کو ناجائز سمجھنا یا کسی خاص صورت کو مسنون یا ضروری سمجھنا یہ سب کچھ اسلام میں نہالا اور نیا عقیدہ گھڑ لینا ہے اور یہی نیا اعتقاد بدعت ہے لہذا اگر عوام میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ ”ذکر جہری“ میں ذکر ہے اور اس کے سوا ذکر کو ذکر ہی نہ کہا جائے تو ایسی صورت میں چونکہ عوام کے اعتقاد خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے ایسے مواقع پر اپنے عمل سے بھی اور قول سے بھی یہ بات ضروری قرار پاتی ہے کہ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ ذکر جہر میں منحصر نہیں بلکہ اسکی تمام صورتیں جائز ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ذکر جہری کو ناجائز باور کرانے کی کوشش کرتا ہے یا اس کو بدعت قرار دیتا ہے وہاں بھی اپنے قول و عمل سے جہر کو ثابت کرنا ضروری قرار پاتا ہے۔

..... جس موقع پر سر و جہر کی کوئی صورت مقرر نہ ہو ایسے مواقع پر جہر افضل ہے یا سر اس میں علماء کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف ذوق کے اختلاف کی وجہ سے ہے جہاں ریاء کا خوف ہو وہاں سر اور خفیہ بالاتفاق افضل ہے اور جہاں ریاء کا اندیشہ نہ ہو اور جہر سے مقصود یہ ہو کہ دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب ہو جائے یا اپنے آپکو غفلت کی نیند سے جگانا یا وسوس یا خطرات کو دفع کرنا مقصود ہو یا اسی کی کوئی اور مصلحت ہو تو پھر ذکر جہر افضل ہے۔

چونکہ ذکر اللہ کے بارے میں قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ خوب کثرت سے ذکر کرو۔ اور ہر جگہ یہ حکم مطلق ہے یعنی یہ حکم سب حالات کو شامل ہے لہذا بیٹھ کر ہو یا کھڑے ہو کر سر ہلا کر ہو جیسا کہ قرآن شریف کی تلاوت میں بھی لوگ سر ہلاتے ہیں جس کی وجہ سے نشاط حاصل ہوتا ہے یا سر جھکا کر ہو جہراً ہو یا سرّاً ہو انفرادی ہو یا اجتماعی ہو مساجد میں ہو یا گھروں میں ہو ہر طرح جائز ہے۔ بشرطیکہ کسی خاص صورت کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جائے اور اس کو لازم قرار نہ دیا جائے کہ اس کی وجہ سے دوسروں پر تکیر کی جائے اگر کسی خاص صورت کو ضروری قرار دے کر دوسروں پر تکیر کی جائے جیسا کہ بعض لوگوں خصوصاً جاہل نام نہاد صوفیوں میں یہ بیماری بہت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ کہ یہ کسی خاص صورت پر ایسا زور دیتے ہیں کہ جو اس طریقے اور صورت کے خلاف دوسرے طریقے پر ذکر کرے تو وہ اس کو غلط قرار دیتے ہیں تو ایسی صورت میں کسی ایک طریقہ و صورت

پر زور دے کر دوسرے طریقے و صورت کی تردید کرنا بدعت ہے کیونکہ شریعت نے جب کسی صورت کی نفی کی ہے اور نہ کسی صورت کو لازم قرار دیا ہے تو کسی کو کیا حق ہے کہ وہ کسی صورت کو ناجائز کہے یا کسی صورت کو واجب یا ایسا ضروری قرار دے کہ دوسروں پر تکیر کرنے لگے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرْزُقْنَا اَتِّبَاعُهُ وَاِنَّا الْبَاطِلَ بَاطِلًا

وَاَرْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

بندہ مختار الدین

کر بوند شریف

۱۸ اگست، ۲۰۰۰ء

۸ جمادی الاولیٰ، ۱۴۲۱ھ